ایک ترک کا روزنامچہ

خالد خلیل ایم۔ اے پروفیسر ترکی اکسفورڈ کالج انگلستان
اور ممبر ینگ ٹرکش پارٹی نے انگریزی میں لکھا

اور

کارپردازان کارخانہ وطن نے اس کا اردو میں ترجمہ
کیا۔ اور جا بجا خلیل کے غلط یا مغالطہ آمیز
بیانات کی تردید و تصحیح حواشی
میں کردی

حمیدیہ پریس لاہور میں چھپا

بار اول   رجسٹری شدہ   قیمت

عرضِ حال

خالد خلیل چونکہ نوجوان ترکی جماعت کا ایک فرد ہے۔ اور یہ وہ جماعت ہے۔ جو آئین حکومت کے قیام کی خواہش و آرزو نے یہاں تک اندھا کر دیا ہے کہ وہ اپنے ملک کی اندرونی نظم و نسق تک میں یورپ کی مداخلت کی خواہاں ہو رہی ہے۔ اور بنابریں ہر مخلص محب وطن اور سرتاج محبان و خادمانِ اسلام حضرت امیر المسلمین سلطان عبدالحمید خان ثانی الغازی اُسے کسی طرح محبت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ اِس عثمانی ترک نے تمام حقوق وطنیت و قومیت کو بالائے طاق رکھ کر جہاں کہیں اُسے موقعہ ملا ہے۔ ذات اقدس جلالت پناہی پر اپنے ہم خیال دیگر نمک حرامان دولت و سلطنت کی طرح یہودی النسل عیسائی پروفیسر ومبری کی تقلید میں سخت سخت حملہ کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ ان کی لغویت اگرچہ بادی النظر ہی میں ہویدا ہو جاتی ہے۔ اور اودھ وطن کی متعدد تالیفات اور وطن کے کالموں میں ایسے ہفوات کا ایک سے زیادہ مرتبہ بدلائل قوی لطلان ہو چکا ہے۔ تاہم ترجمہ میں بھی جابجا نادان مصنف کی غلط بیانیوں کی تردید کر دی گئی ہے۔ بعض ناظرین کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کی تحریر کا ترجمہ شایع کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ اس کا جواب اُن کو خود ہی کتاب پڑھنے سے مل جائے گا۔ خالد خلیل کی حماقت پر صرف اُنہی موقعوں پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ جبکہ وہ اپنی قوم

کے سلطان کا ذکر درمیان میں لاتا ہے۔ ورنہ اوس ہر لحاظ سے وہ ایک سنجیدہ مدبر
ادیب اور حالات زمانہ پر حقیقت کے ساتھ غور کرنے والا ثابت ہوا۔
اور اوس کے ان تجارب سے مسلمانان ہندوستان کو بے خبر رکھنا قومی
لحاظ سے پسندیدہ امر نہیں ہوسکتا تہا۔ علاوہ بریں اوس نے اپنی قوم
کی عادات اور اوس کے موجودہ حالات۔ خصائل اور معاشرت کو بہت عمدگی
سے لکھا ہے۔ جنکا علم بہی ہمارے لئے مفید ہوسکتا ہے۔ اور انہیں وجوہات
سے کارخانہ وطن یہ ترجمہ شایع کرتا ہے۔

الملتمس

بندہ محمد انشاء اللہ عفی عنہ

اڈیٹر ومالک اخبار وطن و حمیدیہ ایجنسی لاہور

مورخہ یکم مئی ۱۹۰۶ء

دیباچہ

مصنف

اگرچہ کسی یورپین ملک نے معاملات ترکی میں برطانیہ اعظم سے بڑھکر حصّہ نہیں لیا۔ تاہم ترکی کی نسبت جس قدر غلط فہمی اس ملک میں پھیلی ہوئی ہے کسی اور مغربی یورپ کے ملک میں نہیں۔ کئی دفعہ میرے انگریز آشناؤں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں ترکی اغراض کے لحاظ سے ترکی پر ایک کتاب حوالہ قلم کروں۔ مجھے کتاب لکھنے کے دو طریقے بتائے گئے۔ ایک تو یہ کہ کتاب مفصّل اور مشرح ہو۔ دوسرے یہ کہ مختصر اور مجمل ہو۔ ایک ضخیم و مشرح کتاب لکھنے کے لئے تو میں نے اپنے آپ کو ناقابل پایا۔ علاوہ ازیں میں نے خیال کیا کہ ایک مختصر اور مجمل کتاب ناظرین کا ایک وسیع حلقہ اپنا مشتاق بنا لیگی۔ اور دوسرے میں اُن سب غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے قابل ہو جاؤنگا جو انگلستان میں ترکی کی نسبت پھیلی ہوئی ہیں۔ لہٰذا میں نے سفرنامہ کی صورت میں یہ کتاب لکھنی شروع کی۔ اور اب میں اسکو "ایک ترک کا روزنامچہ" کا نام دیکر پبلک کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس میں ترکی سے متعلق بہت سے معاملات پر میں نے تھوڑی تھوڑی بحث کی ہے۔

ایک معترض اس کتاب پر کئی دیگر پہلوؤں سے اپنی رائے کا اظہار کرسکتا ہے۔ مگر مجھ پر یہ الزام نہیں کیا جاسکتا۔ کہ میں اصل حال سے بے خبر ہوں۔ اور یہ کہ ایک گمنام شخص کے تجربات پبلک کے لئے چنداں دلچسپی کا موجب نہیں ہوسکتے۔

مستورات کے معاملات کے باب میں میں نے چند فقرات اُن دو مضمونوں سے نقل کئے ہیں۔ جو کچھ عرصہ ہوا میں نے لندن کے دو ہفتہ وار اخبارات کوئین اور لیڈی میں بھیجے تھے۔ میں دونوں اخبارات کے اڈیٹروں کا تہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے اون مضامین کو کتاب میں نقل کرنے کی اجازت دیدی۔

پہلا باب

میرا گھر ایشیائے کوچک میں

میرا ایشیائی حسب ونسب۔ میرے پردادا کا مذہبی طبقہ۔ اُسکی کرامتیں۔ میرا دادا اور سلطان محمود۔ شراب کا امتحان۔ میرے باپ کا اسراف۔ اُس کی وفات۔ ایشیائے کوچک میں ابتدائی جراحی۔ ٹیکہ چیچک کا اصلی گھر۔ میری والدہ کے یورپین بزرگ۔ مستورات کے لئے لکھنے کی ممانعت۔

میں ایشیائے کوچک کے قدیم شہر انگورا میں پیدا ہوا۔ یہ شہر نہ صرف پشم دار بکریوں اور بھیڑوں کے لئے ہی مشہور ہے۔ بلکہ علم تاریخ اور علم قدامت کے بیش بہا یادگاروں کے سبب میں مشہور آفاق ہے۔ چونکہ میرا ابتدائی زمانہ اس شہر میں گذرا۔ لہذا میرے سفرنامہ کا آغاز اس سے ہوتا ہے۔ اُن عالم لوگوں نے جو ایشیائے کوچک کی بابل سے مفصل تاریخ چھان بین اور قدیم ایشیا کی جستجو میں مصروف رہے ہیں۔ یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ شہر کسی قدیم زمانہ میں کیلٹک ([illegible]) لوگوں کا جو آخر ایشیائے کوچک میں آباد ہو گئے مرکز رہا ہے اگرچہ بعد کے زمانوں میں ایشیائی حملہ آوروں نے اس کو فتح کر لیا۔ تاہم آج تک ہمارے صوبہ [illegible] اور دیگر صوبوں مثلاً مغربی ایشیائے کوچک اور جنوبی ایشیائے کوچک کے باشندوں کی عادات لڑکپن کی اور شکل و شباہت میں اختلافات کی جھلک نظر آجاتی ہے۔ اس ریمارک سے میری یہ غرض نہیں کہ اپنا سلسلہ نسب یورپینوں سے ملانے کی کوشش کروں۔ اگرچہ مجھے خود شرم ہے کہ اس ملک کے بہت سے لوگ ایشیائیوں کو نہ صرف حقارانہ بلکہ متعصبانہ نگاہ سے دیکھا کرتے ہیں۔ میرے بزرگ وسط ایشیا کے پار علاقوں سے آکر پہلے پہل خراسان میں جمع ہوئے اور آباد ہوئے۔ گو وہ پکے مسلمان تھے۔ لیکن ایرانی مسلمان اُن پر ظلم کرتے تھے کی درخواست کرتے ان اسلامی فرقوں کے باہمی جنگ و جدال سے مغربی ایشیا کی تاریخ خون سے خونریز ہو گئی ہے۔ اب سے ایک سو پچاس برس قبل آخر تنگ آکر میرے بزرگ ایشیائے

صفحہ نامچہ

ایک تھا کا

کوچک کی طرف ہجرت کر آئے۔ جہاں اون کی بیش از بیش خاطر مدارات ہوئی۔ میرے پردادا ایک مذہبی طبقہ کا منصب جو حلوفی کہتے تھے شیخ یا امام تھا۔ اس طبقہ کو یہ نام اس واسطے دیا گیا تھا کہ اس کے اصول عام لوگوں پر ظاہر نہیں کیے جاتے تھے۔ مگر کوئی شک نہیں یہ بات ریاکاری کے انسداد کے لئے کی گئی تھی۔ تاریخی حقیقت سے پتہ چلتا ہے کہ اس مذہبی طبقہ کے بانی مبانی حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے جو آنحضرت سرور کائنات کے داماد تھے۔ ایشیا کوچک میں آباد ہونے کے تھوڑے عرصہ میں شیخ اعظم کے مریدوں کی تعداد بڑھتے بڑھتے اسی ہزار ہو گئی۔ گرد و نواح کے صوبوں سے مشتاقان دیدار اس کی صحبت سے فیض و ثواب لینے کے لئے اس کے عظیم الشان تکیہ میں آتے تھے۔ صرف اناطولیا اور شام میں ہی اس کی تعظیم و تکریم نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ مصر میں جو کتابیں اس وقت شائع ہوئیں اون میں بھی اس کا نام ادب سے یاد کیا گیا ہے۔ یہ خیال نہ کر لینا چاہیئے کہ وہ مہدی کی قسم میں سے تھا۔ اگرچہ اس ملک کے لوگ سوڈان کے جھوٹے مہدی کی وقت سے اس نام سے بطور مانوس ہو چکے ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں کئی دنیاوی عزت و اقتدار حاصل کرنے کے لئے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

مریدوں کی کثرت کے باوجود میرا دادا اپنے جاں نثاروں کے ساتھ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اس وقت کے عثمانی قیصر نے اس کے حالات سنکر اس کی طرف ایک قاصد بھیج کر اطلاع دی کہ وہ اس کو چرکیشیا میں جو انگورا اور بحرہ اسود کے درمیان واقع ہے جاگیر دینی چاہتا ہے۔

میرے پردادا نے اس دنیاوی مدد کے لینے سے انکار کر دیا اور ایک روا...
اون کی کراماتوں کے متعلق ہمارے خاندان میں مشہور ہے۔ اس...
سامنے اپنا عصا دیوار کو مارا۔ مارنے کی دیر تھی کہ سونے روپے...
جھم جھم برسنے لگا۔ اس نے قاصد کو کہا (جو بعد میں اس کا...
دنیاوی چیزوں کی ضرورت نہیں۔ اون کے متعلق ایک اور حکا...
سنائی گئی تھی۔

ہمارے گھر میں ایک ہرن کی پوستین تھی جس پر...
اکثر سنا ہے کہ میرا پردادا ہر جمعہ کو اس پوستین پر سوا...

خصائ...
میری نظر سے
مجھ کو معلوم ہیں
نظر سے دیکھتے اون
ملک ایران ...
سکتے۔ اُن دو...
رنگی ہوئی ہے

کیطرف جایا کرتا تھا۔ اور بیت اللہ میں جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔ زمانہ بچپن میں تو میں ان روایتوں کو درست مانتا تھا۔ مگر اب میں ان پر کوئی جرح و قدح کرنا نہیں چاہتا۔ ایشیائی مورخ جب کبھی کوئی حیرت انگیز واقعہ بیان کرتے ہیں۔ تو بعد میں دروغ و راست بر گردن راوی لکھ دیتے ہیں۔ میں بھی اون کی تقلید کرتا ہوں۔ تاہم مجھے اس بات کا بہت رنج ہے کہ میرے گھر پوستین کے ساتھ وہ عصا وراثت میں ہم کو نہ ملا۔

میرا دادا حسن کے مذہبی خیالات لڑکپن میں اپنے باپ سے متفق نہیں تھے۔ شیخ اعظم کا حواری نہ تھا۔ لہذا شیخ نے اسکو کہا کہ میرے مذہبی طبقہ کے اصولوں کے مطابق تم اس تکیہ میں نہیں رہ سکتے۔ اسپر میرا دادا اماں سے رخصت ہوا۔ اور ایک چھوٹے سے قافلہ کے ساتھ انگورا کی طرف آ گیا۔ جہاں اس نے سکونت اختیار کر لی۔ یہ شہر تکیہ سے لمبداری شتر سوار دن کی مسافت پر تھا۔ اُس زمانہ میں یہ شہر علم و ہنر کا مسکن تھا۔ اس میں ایک ولی حاجی بیرم کا مزار ہے۔ ہر سال ہزاروں لوگ اُسکی زیارت کو آتے ہیں۔ میرا دادا شہر میں کسی سے واقف نہ تھا۔ اور گذارے کی کوئی سبیل نہ رکھتا تھا۔ وہ اس مزار پر گیا اور ولی کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر خیالات کے سمندر میں ڈوب گیا اور سو گیا۔ سونے میں اُس نے خواب میں ولی کو دیکھا جس نے اُس کا نام پوچھا۔ اور دریافت کیا کہ پڑھنا چاہتا ہے یا نہیں۔ دوسرے سوال کا جواب غیر تسلی بخش پا کر ولی نے اُس کو ایک سبق پڑھایا۔ نیند سے بیدار ہو کر میرا دادا مزار سے باہر آیا اور چند طالب علموں کو پاس کے ایک مدرسہ میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ بھی اُن کے پیچھے اندر چلا گیا اور مدرسہ میں ایک نو مقرر شدہ لیکچرار سے منسلک ہوا۔ ان پرانے طرز کے مدرسوں میں لیکچراروں کی شہرت شاگردوں کی تعداد پر منحصر ہے۔ لیکچرار نے میرے دادا کو جو اُس وقت لڑکپن کی عمر سے کسی قدر نکل چکا تھا۔ اپنی جماعت میں داخل کر لیا۔ اور چند دیگر شاگردوں کے ساتھ رہنے کو ایک کمرہ دیا۔ وہ اس مدرسہ میں کئی سالوں تک پڑھتا رہا۔ اور آخر خود شرع۔ فلسفہ و فقہ کا پروفیسر بنا۔ مختلف مساجد میں قرآن شریف کے حوالوں سے لیکچر دیکر اُس نے بڑی شہرت حاصل کی۔ اُس کا لیکچر سننے کی غرض سے کئی اشخاص مساجد میں جمع ہوتے۔ اُس کے پاس ایشیائی روم کے بڑے بڑے عالم مشکل مسائل حل کرنے کی درخواست کرتے۔ شہر کا حاکم اوسکا بڑا ادب کرتا۔ اور اکثر اوس کی ملاقات کو آتا۔ مگر وہ خود شہر میں کسی سرکاری دفتر کی دہلیز سے بھی نہیں گذرا۔

سلطان محمود ثانی کے عہد میں جو ۱۸۰۸ء سے لیکر ۱۸۳۹ء تک حکمرانی کرتا رہا ہے شاہی خاندان میں ایک شادی کے موقعہ پر حنیفہ کے ذی عزت اشخاص ہمارے ملک سے قسطنطنیہ مدعو کئے گئے۔ سلطان کے طبیب خاص نے جس کا پوتا آج کل ترکی سفیر متعینہ لندن کا کونسلر ہے، جو میرے دادا کا شاگرد تھا۔ فہرست میں اس کا نام دیکھ کر سلطان کی خدمت میں اُسے بھی مدعو کرنے کی پرزور سفارش کی۔

ایک درباری لیفٹیننٹ تمام ایشیائے کوچک کی طرف روانہ ہوا اور میرے دادا کو دارالسلطنت کی طرف لایا۔ شادی کی تقریب میں ایک بڑی سرکاری ضیافت شاہی محل میں بڑے بڑے علماء کو دی گئی۔ محمود ثانی نے ان مقدس لوگوں کی پارسائی اور زہد کو آزمانے کے لئے ایک نئی تجویز نکالی۔ جب یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ شاہی خدمتگار سرخ رنگ شراب کی بھری ہوئی بوتلیں لائے۔ ان خدمتگاروں کے پیچھے چند سپاہی ننگی تلواریں ہاتھوں میں لئے آئے۔ اور دروازوں پر کھڑے ہو گئے۔ حیران و ششدر مہمان نہیں جانتے تھے کہ ان بوتلوں کو کیا کریں۔ وہ تعجب خیز خاموشی سے انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں ان کو کہا گیا کہ بوتلوں میں شراب انگوری ہے۔ شراب خانہ خراب ہر یہ عقل و ہوش کو گم کر دیتی ہے ایماندار کے لئے اسکا چھونا بھی حرام ہے۔ اس زہریلا مائع کو پیغمبر علیہ السلام ام الخبائث کے نام سے پکارتے تھے۔ سرسری طور پر یہاں یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ سلطان محمود اپنی سلطنت میں اصلاح کرنی چاہتا تھا۔ اپنے جانی دشمنوں ینی چریوں سے چھٹکارا حاصل کر کے اس نے انتظام سلطنت کے لئے نہ صرف یہی کہ چند یورپین طریقے رائج کئے۔ بلکہ بعض معاشرتی اصول بھی پسند کئے۔ اور اپنے افسروں اور فوج کو یورپین طرز کا لباس اور وردی استعمال کرنے کا حکم دیا۔ اس پالیسی نے ایشیا کے عمامہ باندھنے والے مقدس لوگوں کے دلوں میں پہلے ہی شک و شبہ پیدا کر دیا تھا۔ جب اس مقدس مجمع کے سامنے شراب پیش کی گئی۔ تو ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا گیا" چونکہ سلطان یورپین سرزمین پر حکمران ہیں ان کی خواہش ہے کہ اپنی رعایا کو یورپینوں سے زیادہ سرشار کریں۔ اور رعایا کی طرف سے اس امر کی مخالفت سلطنت کی تباہی کا باعث ہو گی۔ مزید براں شہنشاہ نامدار کی خواہش ہے۔ کہ تنگ خیال سدو بام عالم۔ اور نئی چیزوں کی نفرت۔ خواہ وہ یورپینوں سے ہی کیوں نہ نقل کی جائیں ترک کرنی چاہئیں

آخر میں دھمکی دیگئی۔ کہ جو مسلمان شراب پینے سے انکار کریں گے وہ بادشاہ کی حکم عدولی کے جرم میں سزا کے مستوجب ہونگے۔ اب تو ان بیچاروں کی یہ حالت ہوئی کہ ایک طرف کنواں تھا اور دوسری طرف کھائی۔ اب جائیں تو کدھر جائیں۔ کریں تو کیا کریں۔ رنگ زرد پڑ گئے۔ زبانیں بند ہو گئیں۔ یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ حکم سلطان العثمان بادشاہ کا تھا جو ابھی ابھی حسینیوں کا قلع قمع کر چکا تھا۔ تاہم میرا دادا اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا وہ کیا بادشاہ یورپینوں کی نیک باتیں نقل نہیں کر سکتا؟ ساتھ ہی اُس نے یہ بھی کہا کہ مذہب کے رو سے شراب حرام ہے۔ اور جس نے اسکو حرام کیا ہے وہ نبی مجتبیٰ سے کہیں بڑھ کر بالا و برتر ہے۔ یہ کہہ کر وہ آگے چلا آیا اور جب وہ خدمتگاروں اور سپاہیوں کو ہٹا کر اپنا راستہ بنا رہا تھا۔ سلطان محمود اس عجیب و غریب منظر کو چپ چاپ دیکھ رہا تھا۔ اچانک مسکراتا ہوا نمودار ہوا۔ اور سفید ریش و سبز عمامہ بزرگوں کو تسلی دینے کے لئے کہا کہ میں تو صرف ان لوگوں کی پارسائی اور مذہب کی آزمائش کر رہا تھا۔ جو میری رعایا کی مذہبی رہنمائی کرتے ہیں۔

بعد ازاں سلطان نے میرے دادا کو شرف ملاقات بخشا۔ اور فرمایا آپ شہزادوں کو (جن میں عبدالمجید بھی جنگ کریما کے وقت سلطان تھا شامل تھا) عربی زبان کی تعلیم دیا کریں۔ ساتھ ہی قسطنطنیہ کی رہائش اختیار کر لینے کا مشورہ دیا۔ اور وعدہ کیا کہ کسی وقت شیخ الاسلام کے جلیل القدر منصب پر سرفراز کر دوں گا۔ مگر میرے دادا نے ہاتھ باندھ کر عرض کیا۔ "بندہ اس عزت افزائی اور عنایات خسروانہ کے قبول کرنے سے معذور ہے۔ اس خاکسار کی آرزو ہے کہ زندگی کے باقی دن گوشہ تنہائی اور یاد خدا میں بسر کرے"۔ اس کے بعد عرض کی کہ اگر مدرسہ کی ہیڈ مدرسی جس میں وہ اتنے سال تعلیم پاتا رہا تھا۔ جملہ متعلقہ وقف کے مل جائے تو وہ ہمیشہ انکی درازی عمر و ترقی دولت کی دعا مانگتا رہے جب میرا دادا اپنے شہر واپس چلا گیا تو سلطان محمود نے اسکی قناعت و پارسائی سے خوش ہو کر اپنے دست مبارک سے رسول اللہ صلعم کی ایک حدیث لکھکر اور اسکو خوبصورت فریم میں لگا کر اُس کو بطور خوشنودی مزاج کے ارسال کی۔ اُس حدیث کا مطلب یہ ہے "خدا اُس عالم سے خوش ہوتا ہے جو پارسا۔ قانع۔ باحیا اور گوشہ نشین ہو"۔ علاوہ ازیں اُس نے میرے دادا کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا۔ اور فرمان میں یہ فقرہ ایزاد کیا کہ اگر

اسکو باقاعدہ بیس سال کی عمر کے بعد اُن مضامین میں جن میں وہ چاہتا ہے اُنکا امتحان پاس کر لیں تو یہ جائداد ان کو بطور وراثت دیجاوے۔ شاہی فرمان جو سلطانی دستخط سے مزین ہے ابھی تک ہمارے خاندان کے پاس موجود ہے۔ سلطانی جاگیر قدیم سے ہماری تحویل میں رہی۔ مگر موجودہ سلطان کے عہد میں جس میں ملکی حقوق کی کچھ پرواہ نہیں کیجاتی اور شخصی ظلم و جبر کا طوفان برپا رہتا ہے۔ جاگیر ضبط کر لی گئی۔

مصنف نے سلطان عبدالحمید پر ستمگر سلطان کے عہد حکومت پر جو الزام لگایا ہے اس کی تائید خود واقعات کرتے ہیں۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ جسطرح پہلے سلطانوں کے عہد میں بعض بدخواہ لوگوں کو بے جا فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا تھا۔ اب نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے بعض دشمنان ملک و ملت اس عالی تبار سلطان کے برخلاف زبان بکتے رہتے ہیں۔ گویا یہ ہے۔ چاند کا تھوکا منہ پر پڑتا ہے۔ عبدالحمید کے زمانہ کی ترقیات معلوم کرنے کا شوق ہو۔ اور ضرور ہونا چاہیئے تو برادر مکرم و معظم مولانا مولوی محمد انشاءاللہ خانصاحب زاد لطفکم کی کتب متعلقہ دولت عثمانیہ کا مطالعہ ضرور کریں۔ مترجم)

ہم نے گورنمنٹ میں درخواست دی کہ ہماری جائداد واپس دیجاوے۔ پندرہ سال تک مختلف عدالتوں میں چارہ جوئی کر کے ہم نے ایک بڑی رقم خرچ کی۔ مگر کامیابی محال کیا دشوار تھی۔ کیونکہ بقول ایک ترک شاعر کے ؎

وہی قاتل وہی مخبر وہی منصف ٹھیرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

یہ شعر درحقیقت داغ مرحوم کا ہے۔ مگر مصنف نے ترکی شعر کا جو ترجمہ انگریزی میں دیا ہے بالکل اس شعر کے ہم معنی ہے۔ مترجم)

جب میرا دادا باسٹھ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ تو جاگیر میرے باپ کے قبضہ تصرف میں آئی۔ اور وہ اپنے باپ کیطرح عالم اور لائق نہیں تھا۔ چونکہ وہ کامیابی سے ملازمت سرکاری میں داخل ہو گیا تھا۔ اُس کا حصہ ضبط ہو گیا۔

میرا باپ بے حد خیرات کرتا تھا اور دوسروں کی مدد کرنے میں اپنی جائداد کا اور نیز میری والدہ کی پرائیوٹ آمدنی کا بیشتر حصہ خرچ کر دیتا تھا۔ اُس کا اسراف اس قدر بڑھ گیا کہ جبتک

بہت سے مہمان اُس کے دسترخوان پر نہ ہوتے تھے۔ اِس بات کی پرواہ نہ تھی کہ مہمان غریب ہیں یا امیر۔ وہ کھانا ہی نہ کھا سکتا تھا۔ جب وہ ایک متوالے سرکاری افسر کے قاتلانہ حملے سے زخمی ہو کر جان بحق تسلیم ہوا۔ تو وہ ہمارے لئے سوائے اُس سرکاری جاگیر کے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ چھوڑ گیا۔ اور جیسا کہ میں پہلے بیان کر آیا ہوں۔ وہ جاگیر موجودہ خاندان کے عہد میں ضبط ہو گئی۔ مگر ہماری خوش قسمتی سے والدہ کی جائداد بدستور ہمارے پاس رہی۔ میرا باپ اُسکو ضائع نہ کر سکا۔

جس وقت متوالے افسر نے میرے باپ پر حملہ کیا۔ اُسوقت میری عمر نو برس کی تھی حملہ کی مختصر کیفیت اسطرح پر ہے۔

ایک شام چند مستورات میری والدہ کو ملنے کے لئے آئیں۔ چونکہ ہم میں عورتوں کا پردہ میں رکھنے کا دستور ہے۔ ان برقعہ پوش مہمانوں کے مکان میں داخل ہونے سے پیشتر میرے والد کو ایک طرف ہو جانا ضروری تھا۔ اُس نے مجھے اپنے ساتھ باہر چلنے کو کہا۔ تاکہ شام کے وقت پڑوسی دوستوں کے ہاں سیر کریں۔ وہاں میں نے ایک متوالا افسر دیکھا۔ میرا باپ میخواری اور میخواروں سے سخت متنفر تھا۔ اور اُس نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ جس کمرہ میں ایک شرابی بیٹھا ہے۔ اُس میں وہ بھی بیٹھے۔ یہ افسر شراب کے نشہ میں اکثر تالیاں بجاتا تھا۔ اور گاتا تھا۔ میرے باپ کو [illegible] نفرت کرنے سے وہ افسر [illegible] بس پھر کیا تھا۔ دونوں میں جھگڑا ہونے لگا۔ اس شخص نے میرے باپ پر حملہ کیا۔ اُسکی لمبی سفید ریش کو پکڑ کر کھینچا۔ میرے باپ نے اسکو دھکیل کر پیچھے ہٹا دیا۔ دھکیلتے وقت اُسکا انگوٹھا متوالے کے منہ میں آ گیا۔ جس پر کہ اُس نے دانتوں سے انگوٹھے کو چبا ہی ڈالا۔ اگرچہ اہلِ یورپ تعلیم ترقی و تہذیب کا فخر رکھتا ہے۔ مگر موجودہ زمانہ ترقی و تہذیب نے اسکو اُس سے مس تک نہیں کیا۔ [illegible] آپ جیسے محبانِ وطن ہوں۔ وہاں موجودہ ترقی و تہذیب کاہے کو جا سکے گی کیا آپ خود موجودہ ترقی و تہذیب کا کچھ کم نمونہ پیش کر رہے ہیں؟ مترجم) ہمارے شہر میں کوئی ایسا جراح نہ تھا کہ سائنٹفک طریقہ پر اس کام میں ماہر ہو۔ لہٰذا میرے باپ کا انگوٹھا ٹھیک علاج نہ ہونے کے باعث خطرناک صورت اختیار کر گیا۔ وہاں کے ڈاکٹر عام طور پر حجام لوگ تھے جو اپنا کام کرنے کے علاوہ فصد لگانے کا کام بھی کرتے تھے۔ فصد لگا [illegible]

کا کام بھی کرتے تھے۔ فصد کھلانے کا دستور یورپ میں عام طور پر متروک ہو رہا ہے۔ اور ایشیا میں ابھی تک مروج ہے۔ میرے دیس کے بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ موسم کے موسم خون نکلوانے سے صحت اچھی رہتی ہے۔ لہٰذا وہ خود فصد کراتے ہیں۔

موسم گرما کا آغاز اس عمل کے لئے نہایت موزوں خیال کیا جاتا ہے یعنی تازہ پھل کھانے کے موسم سے پہلے پہلے خون یا تو نشتر کے ذریعہ خارج کیا جاتا ہے۔ یا جونکوں کے لگانے سے جو عموماً بازوؤں اور ٹانگوں پر لگائی جاتی ہیں۔ دو شخص میرے باپ کے علاج پر لگائے گئے۔ ایک تو بوڑھا حجام اور ایک ماہر فصاد۔ انہوں نے اپنی اعلیٰ سے اعلیٰ مرہموں کا استعمال کیا۔ مگر فائدہ کی بجائے میرے باپ کا انگوٹھا دن بدن بد حالت میں ہوتا گیا۔ ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ کا نقشہ ہو گیا۔ ماہر فصاد نے ہم سے کہا کہ وہ فوج میں سرجن (جراح) رہ چکا ہے۔ اور اسکو بڑا فخر تھا کہ اس نے جنگ کریمیا کے وقت بارہ زخمی سپاہیوں کے بازو اور ٹانگیں کاٹیں۔ میرا خیال ہے کہ اس نے ان بدقسمت سپاہیوں کو بھی وہیں بھیجا ہوگا۔ جہاں میرے باپ کو بھیجا۔ تاہم اپنے لمبے چوڑے تجربات کے باوجود اس نے میرے باپ کے بازو کو نہ کاٹا۔ اگر کاٹ دیتا تو خیال ہے۔ زخم کی سٹران رک جاتی۔ میری ماں نے متوالے اف کے برخلاف عدالت میں چارہ جوئی کی۔ مگر کامیاب نہ ہوئی۔ اسکو صرف چند ماہ قید کی سزا دی گئی۔ اور ہم کو پانسو پونڈ دلوائے گئے۔ (تعجب ہے کہ یہ شخص اس سزا اور تاوان کے باوجود اپنی ماں کو نا کام بتلاتا ہے۔ کیا انگوٹھا کاٹنے کی سزا میں اوسکو پھانسی دیجاتی۔ اگر اسکا باپ مرا ہے۔ تو اسمیں ڈاکٹروں کی نالائقی ہے۔ یا اوس کے باپ کی بے پروائی۔ عدالت کا فیصلہ بہر صورت قابل تحسین ہے۔ کیا انہیں خیالات کے بل بوتہ پر یہ شخص عبدالحمید کی گورنمنٹ پر اعتراض کرتا ہے۔ بدیں عقل و دانش بباید گریست۔ مترجم)

میں امید کرتا ہوں۔ بیان نفس مضمون سے ذرا گریز کر جانے سے مجھے معاف رکھا جائے گا۔ میں نے اپنے دیس میں فن جراحی کی ابتر حالت پر بہت زور دیا ہے۔ مگر میرا مطلب یہ نہیں کہ ترکی فن طب میں بالکل ہی کوڑی ہے۔ بعض صورتوں میں تو سب کی استاد ہے بطور مثال وہ فخر و دعوی کر سکتی ہے کہ ٹیکہ چیچک اسکی ایجاد ہے۔ اور یہ بات یاد

کہنے کے قابل ہے۔ کہ جنیر کے تجربہ سے پہلے لیڈی میری ورٹلی مانٹیگو نے یہ طریقہ ترکی سے لاکر انگلستان میں رائج کردیا تھا۔ لیڈی میری نے انسان کے چیچک کے دانوں سے جاگ لیکر ٹیکہ لگاتے ہوئے دیکھا۔ مگر تاریخ حیوانات (جلد دوئم صفحہ ۱۳۰۔ پریس مارک ترک ۹۔ برٹش میوزیم لائبریری) کے بقول بھیڑ کی جاگ سے بھی ٹیکہ لگایا جاتا تھا۔

ایشیائے کوچک کے خانہ بدوش قبائل کا ایک ترکمان قسطنطنیہ آیا ہوا تھا۔ اور اوس نے وہاں بچوں کو بچوں کی جاگ سے ٹیکہ لگاتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا کہ ہمارے دیس میں گائے دوہنے والوں کی آنکھوں سے جاگ حاصل کیجاتی ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ لیڈی میری نے اوس ترکمان کا بیان بھی سُنا تھا۔ مگر اُس نے اپنے خط میں اُسکا ذکر نہیں کیا۔

یکم اپریل ۱۷۱۷ء کو اڈریانوپل سے انگلستان کیطرف ایک خط میں لیڈی میری وورٹلی مانٹیگو ارقام کرتی ہے۔

"میں آپ کو ایک بات بتاتی ہوں۔ اور یقین کرتی ہوں۔ کہ آپ سُن کر لکھنے کیلئے اُٹھیں گے کاش میں بھی وہاں ہوتا۔ چیچک جو ہمارے وہاں نہایت ہی مُہلک اور عام طور پر ہوتی ہے۔ یہاں ایک قسم کی ایجاد سے جسکو یہاں ٹیکہ کہتے ہیں۔ بالکل بے ضرر بیماری ہوجاتی ہے۔ چند بوڑھی عورتیں موسم خزاں میں بماہ ستمبر جبکہ گرمی کی شدت کم ہوجاتی ہے یہ عمل کرتی ہیں۔ (ٹیکہ لگاتی ہیں۔ مترجم) لوگ ایک دوسرے کیطرف پیغام بھیج کر معلوم کرتے ہیں۔ کہ کسی خاندان میں ٹیکہ لگانے کا خیال ہے یا نہیں۔ پھر اس غرض سے وہ میلہ کرتے ہیں۔ اور پندرہ یا سولہ کی تعداد ہوجاتی ہے تو بوڑھی عورتیں اعلیٰ قسم کے چیچک کے مصالح بھرے ہوئے بل اپنے ساتھ لاتی ہیں۔ اور دریافت کرتی ہیں کہ کون سی رگ پر ٹیکہ کرانا منظور ہے۔ جو رگ تم پیش کروگے اُسکو وہ فوراً ایک بڑی سوئی سے چھید دیتی۔ چھیدتے وقت نہایت ہی خفیف درد ہوتا ہے۔ پھر اُس رگ میں سوئی کی نوک پر جتنا زہر چڑھ سکتا ہے داخل کردیتی ہیں۔ اور پھر زخم کو ایک باریک چھلی سے بند کردیتی ہیں۔ اسطرح وہ چار یا پانچ رگیں چھیدتی ہیں۔ بچے اور جوان ٹیکہ کرانے کے بعد دن بھر کھیلتے کودتے رہتے ہیں۔ اور آٹھویں دن تک بالکل تندرست

رہتے ہیں۔ پھر اون کو بخار چڑھنا شروع ہوتا ہے۔ جو دو دن تک اور کبھی تین دن تک رہتا ہے۔ اون کے چہرہ پر پھنسیاں یا پھنسی دانے نکلتے ہیں۔ مگر اون کا نشان نہیں رہتا آٹھویں دن وہ بالکل تندرست ہو جاتے ہیں۔ کوئی شخص آج تک اس عمل سے ہلاک نہیں ہوا۔ اور آپ یقین کریں۔ میں اس تجربہ سے نہایت ہی خوش ہوا ہوں اور اپنے چھوٹے بچہ پر اسکی آزمائش کرنی چاہتی ہوں۔ میں نے انگلستان میں اس طریقہ کو رائج کرنے میں اپنی حب الوطنی کا کافی ثبوت دیا ہے۔"

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ سرکیشین اور کاکیشیا کے بعض دیگر قبائل۔ اس ٹیکہ کے فوائد سے واقف تھے۔ اور زیادہ تر غلاموں کی تجارت کرتے تھے۔ اور نوجوان لڑکیوں کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ کیونکہ اگر اون کی صورت میں فرق آجاتا تو اون کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ اس بیماری کی ابتدائی تاریخ بہت کم معلوم ہے۔ مگر یہ مسلم امر ہے کہ ایک قدیم عرب حکیم رازی نے جس کا نام الشیاء نیوں اور ڈاکٹری تاریخ کے طالب علموں کو اچھی طرح معلوم ہے۔ اس بیماری کی علامات مشرح طور پر بیان کی ہیں اس کی کتاب کا نام کتاب الجدری والحصبہ ہے اس کے ترجمہ کا نام Treatise of small pox and measles ہے۔ اس کتاب کو اٹھارہویں صدی کے آغاز میں چینگ نے اور ہین ٹی سٹارک نے لاطینی میں ترجمہ کیا تھا۔ اور لاطینی سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔

ہمارے ملک کے لوگ یورپ کے کاروباری لوگوں کی طرح روپیہ جمع نہیں کرتے۔ وہ لوگ جن کے پاس فاضل روپیہ ہے اور اسکا استعمال نہیں جانتے اور ڈرتے ہیں کہ چوری نہ ہو جائے۔ یا یہ مہربان سلطان کے ملازم نہ چھین لیں۔ اپنے روپیہ کو مکانوں یا کھیتوں کے کسی گوشہ میں دبا دیتے ہیں۔ (یہ شخص خواہ مخواہ واقعات کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ ترکی میں جا بجا بینک جاری ہیں اور چند سالوں سے زرعی بینک بھی قائم کئے گئے ہیں۔ سلطنت روم میں جان و مال کی ایسی ہی حفاظت ہوتی ہے جیسے کہ دیگر مہذب سلطنتوں میں۔ مترجم۔)

مگر ہم اپنی والدہ کے پانسو پونڈوں کو نہیں چھپا سکتے تھے۔ کسی آدمی نے مشورہ دی کہ پشم دار بکریاں خرید لو۔ اون کی پشم موسم بہار میں کاٹ کر فروخت کروگے تو معقول آمدنی ہو جایا کرے گی۔ یہ بات روس کی جنگ کے تھوڑی دیر بعد کی ہے

چونکہ ہمارا [illegible] ماں [illegible] لڑکی کی قیمتی کپڑیاں بھی سینے [illegible]
جاتی [illegible] ان سے [illegible] کپڑیاں خریدیں مگر مصیبت اکیلی نہیں آتی ایک سال [illegible]
[illegible] بیماری پھیل گئی - اور ہماری تقریباً ساری بکریاں ہلاک ہو گئیں
میری ماں [illegible] مصیبت کو [illegible] معمول کیا - مگر اس خیال سے اپنی تسلی کر لی میری
ماں [illegible] عورت سے [illegible] عورتوں کی نسبت حالت کے سبب جس کے کئی وجوہات
ہیں - [illegible] ترقیات کی دولت سے محروم ہیں وہ قسمت کی قائل ہے - وہ جو کچھ
مذہبی [illegible] عالم [illegible] بتاتے ہیں وہ مانتی ہیں - وہ خیال غلط بھی نہیں - بلکہ
اپنے زمانہ میں [illegible] تعلیم یافتہ عورت خیال کی جاتی تھی - چونکہ وہ دوسری
عورتوں میں [illegible] انہوں [illegible] پڑھی ہوئی تھی بہت سی عورتیں اس کے پاس
آتیں اور وہ ان کو مذہبی کتابیں اور قصص با آواز بلند پڑھ کر سناتی - وہ لکھ بالکل نہیں سکتی
تھی اور اس کی [illegible] ضروری ہے -
پہلے زمانہ میں ترکی میں لڑکیوں کو لکھنا نہیں سکھایا جاتا تھا - زمانہ گذشتہ میں بھی کئی ترکی [illegible]
ماہر شاعرہ ہوئی ہیں - مگر ان میں سے کوئی بھی لکھنا نہ جانتی تھی - اس ممانعت کی وجہ بتائی
جاتی تھی کہ اگر لڑکیاں لکھنے میں ماہر ہو جائیں تو وہ جادوگر بن جاتی ہیں - مگر اصل وجہ اور ہے
لوگوں کو خوف تھا - اور بالکل بے محل بھی نہ تھا - کہ اگر لڑکیاں لکھنا سیکھ جائیں تو وہ غیر
مردوں کے ساتھ ایسے تعلقات پیدا ہو جانے کی صورت میں نامہ و پیام کا سلسلہ شروع
کر کے کہیں [illegible] کر جائیں - یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو سخت پردہ میں رکھا جاتا ہے - اور
جب لڑکا جوان ہونے لگتا ہے تو اسکو زنان خانہ میں جانے کی ممانعت ہو جاتی ہے - کچھ
عرصہ سے یہ فضول اور فی الحقیقت نقصان دہ ممانعت خود بخود موقوف ہو رہی ہے
[illegible] بلکہ اصل واقعہ یوں ہے کہ موجودہ سلطان نے نہ صرف لڑکوں کی تعلیم کا بندوبست
کیا ہے - بلکہ لڑکیوں کے لئے بھی جابجا مدارس قائم کئے ہیں - اور ہر طرح ان کی حالت
کو سنوارنے کی کوشش کی جاتی ہے - مترجم) مگر میری ماں کے ابتدائی دنوں میں یہ ممانعت
بدستور قائم تھی - لہذا اسکو لکھنے کی اجازت نہ دی گئی - تاہم اپنی ناقص تعلیم کے باوجود
ہمیں خوش اور اپنی دانائی سے ہماری معاشرتی حالت کو درست رکھتی - ہمارے
خاندان کے تمام ممبر کاروبار کی اچھی تمیز رکھتے ہیں - اور یہ وصف ان کو ماں ہی سے عطا

جن کی رگوں میں ایک غیر کے خون شامل تھا۔ میرا اپنا خیال ہے کہ میری ماں کے بزرگوں میں ضرور یورپین خون کی آمیزش تھی۔ وہ اُن سپاہیوں کے خاندان سے تھی جن کو عثمانی سلطانوں نے بوسینیا اور ہرزی گوینا کی سرحدوں اور صوبوں کی حفاظت پر متعین کیا ہوا تھا۔ ان دنوں میں ترک اپنے دشمنوں کی طرح اپنے اسیران جنگ کو غلام بنا لیتے تھے چنانچہ وہ ترک جن کو اٹھایا اور نوکری میں غلام بنا لیا گیا۔ ابھی تک اپنے ترکی قسم کے ناموں سے ممیز ہو سکتے ہیں۔ مگر ترک جو غلام بناتے تھے۔ اُن کو ترکی نام رکھنے پڑتے تھے اس طرح ناموں کے ذریعہ تو اُن کی شناخت محال بلکہ دشوار ہے۔ مگر اُن کے خال و خد اور کیرکٹر کا رنگ ڈھنگ اُن کو فوراً ممیز کر دیتا ہے۔ میری ماں کے بزرگ سپاہیوں نے کوئی رشتہ نہیں یورپین لونڈیوں سے شادی کی۔ یورپین نسل سے تو میں پہلے ہی انکار کر چکا ہوں جبکہ میں نے اپنے بزرگوں کو ایشیائی الاصل بتایا ہے۔ مجھے یہاں اس باب میں زیادہ رد و کد کی ضرورت نہیں، کیونکہ ایک شخص کا حسب و نسب باپ کی طرف سے گنا جاتا ہے

میری ماں اپنے شہر اور گھر میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتی ہے۔ اُس کے گھر سے چند منٹوں کی مسافت پر ایک منڈی ہے۔ جسکو اُس نے اپنی عمر بھر میں کبھی بھی نہیں دیکھا۔ البتہ پانچ سال ہوئے وہ حج بیت اللہ کے لئے مکہ معظمہ کی طرف گئی تھی۔

دوسرا باب

سکول اور حرم میں

تعلیم سے میری نفرت۔ سکول میں لازمی حاضری۔ سکول کی مارپیٹ۔ اس کے متعلق ذاتی تجربہ۔ سکول کی لڑکیوں کو کس طرح سزا دی جاتی ہے۔ سزا دینے کے پرانے آلات۔ سزا خدائی رحمت ہے۔ ایک ٹرلس کے چڑانے میں میری مدد۔ میری حرکت پر میری ماں کا رنج۔ گوشمالی کے طور پر سخت گیر چچا کے سپرد ہونا۔ میرے چچا کی بیویاں۔ حرم کے آداب۔ پہلا سگرٹ۔ پھر وہی مارپیٹ۔ حرم سے میرا اخراج۔

کثیر الازدواجی کی رسم۔ اسکا شوق اور چرچا۔ یوروپین سسٹم ۔

آنحضرت سرور کائنات محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ "بہشت ماں کے پاؤں کے نیچے ہے"۔ اس کی تفسیر اسطرح پر ہو سکتی ہے کہ اگر کوئی شخص بہشت کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونا چاہیے تو اس کو چاہیئے اپنی ماں کا ادب کرے۔ اور اس کے آگے سر تسلیم خم رکھے" مجھے بچپن سے ہی اس قسم کی تعلیم دی گئی۔ مگر میں ڈرتا ہوں کہ میری قسمت میں بہشت کی نعمت ہو گئی نہیں لکھی۔ کیونکہ جب میں لڑکا تھا۔ میں اپنی ماں کو سخت تکلیف دیتا تھا۔ کسی مرد کا سایہ سر پر نہ تھا۔ جو جی میں آتا تھا کر گذرتا تھا۔ میں ایک بے سمجھ اور غافل لونڈا تھا۔ سکول سے میں اسقدر ڈرتا تھا جس طرح لاحول سے شیطان ڈرتا ہے۔ اپنے گرمائی مکان میں میں نے بہت سے راج ہنس رکھے ہوئے تھے۔ اور اُن میں ہی اپنا سارا وقت ضائع کر دیتا تھا۔ جو لوگ ہنسوں کا رکھوالا کر کے بلاتے تھے اور ترکوں میں یہ اصطلاح بیوقوفوں پر بولی جاتی ہے۔ شہر میں جو ہمارا مکان تھا۔ اُس میں میں نے بہت سے کبوتر پال رکھے تھے۔ اور اس امر میں میں مشہور بھی تھا۔ یہ کبوتر چھوٹے چھوٹے اور سفید رنگ کے تھے۔ خلاف معمول نہایت بلندی تک پرواز کرتے۔ اور چند گھنٹوں تک نظر سے غائب رہتے۔ بعض وقت اچانک دھم سے نیچے گرتے۔ اور ہوا میں معلق قلابازیاں لگاتے۔ اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے پھر اڑ جاتے۔ یہ دانا اور قابل تربیت پرندے چین سے دفعہ قسطنطنیہ میں لائے گئے۔ مگر اس شہر کی آب و ہوا ان کے راس نہ آئی۔ جب میں اپنا وقت ان بے زبان پرندوں میں ضائع کر رہا تھا۔ میرا بھائی اور چچازاد بھائی لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے۔ اور میں اس بات کو فضول سمجھتا تھا جب میری ماں مجھ کو سکول بھیجنے سے عاجز آ گئی۔ تو اس نے مجھے میرے دادا کے بوڑھے حبشی غلام کے حوالے کر دیا۔ یہ حبشی ہمارے گھر میں رہتا تھا۔ اور بیوی اس کی سفید فام اور بچے اس کے گندم گون تھے۔ یہ حبشی ابھی لڑکا ہی تھا۔ کہ میرے دادا نے اسکو بحالانِ غلاماں سے خرید لیا تھا۔ اور چونکہ مسلمانوں میں غلاموں کو آزاد کرنا بڑا ثواب کا کام گنا جاتا ہے میرے دادا نے اسکو خریدتے ہی آزاد کر دیا۔ اور کچھ جائداد دیکر اس کی شادی بھی کر دی۔ یہ بوڑھا آدمی ماں کی میری بدسلوکی و بے ادبی کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اپنے وعدے کے مطابق جو اس نے بعوض خود کیا تھا۔ ایک صبح وہ ہمارے گھر آیا۔ اور نہایت سنجیدگی اور متانت سے مجھ کو سکول چلنے کو کہا۔ میں نے عذر کیا۔ جو کتابیں اور کاغذ میرے پاس تھے وہ پھٹ کٹ گئے ہیں۔ میں کیسے سکول جا سکتا ہوں۔ اس نے کہا کچھ پروا نہیں۔ میں نئی خرید کر دوں گا۔

مجھے فیس نوا سید دیا ہے۔ ان کا خریدنا فضول ہے۔ کیونکہ میں آپ کا استعمال ہی نہیں جانتا۔ پھر تو وہ سیاہ فام گرانڈیل آدمی تحقیر سے نیچے سفید دانت پیستا ہوا میری طرف بڑھا۔ اور اپنے سخت اور کھردرے ہاتھوں سے مجھے کان سے پکڑا اور اسی حالت میں سکول تک لایا۔ اس بات سے میرا ہونا اور میرا بچپنا زائل دہقانی خوب اہل کھیلا کرتے تھے۔

سبق پڑھتے وقت میرا خیال ہمیشہ ادھر ادھر کی طرف لگا رہتا۔ کئی دفعہ میں سکول جانے سے گریز کرتا۔ مگر وہ بوڑھا حبشی اسی طرح کان سے پکڑ کر لے آتا۔ سکول کا ماسٹر چند ماہ تک مجھے جسمانی سزا دیتا رہا اور آخر خدا خدا کر کے میں سبق کی طرف کچھ کچھ توجہ کرنے لگا

کم و بیش ایک سال کے بعد مجھے اعلیٰ سکول میں جانا پڑا۔ اس سکول میں ایک سو طلباء چند ماسٹر اور ایک سخت گیر ہیڈ ماسٹر تھا۔ ان ایام میں اگر سکول کے لڑکے کسی قسم کی شرارت کرتے تھے۔ تو ان کو چابک لگائے جاتے تھے جس طرح ہیڈ ماسٹر دل کھول کر چابک مارتا تھا اس طرح میں نے کبھی کسی ماسٹر کو مارتے نہ دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ تاہم میں کم و بیش بچا رہا۔ کیونکہ دو سال کے عرصہ میں مجھے صرف تین دفعہ مار پڑی۔ سزا اچھی خاصی لٹھ ماروں کی سی ہوتی تھی۔ میں نے تین دفعہ پچاس بید پاؤں کے تلووں پر کھائے۔ نہیں شرارت کرنے کے جرم میں بیہودہ بیوقوفی کے الزام میں اور بیہودہ ریاضی میں کمزور ہونے کی پاداش میں۔ بعض دفعہ میں نے عام لڑکوں جیسی شرارتیں کیں۔ اور اگر میں ہیڈ ماسٹر اور اس کے مخالفوں کی سقائی نظروں سے بچ رہتا۔ تو سخت سزا کا مستوجب ہوتا۔ مگر ایک دفعہ میں نماز کے وقت کھیلتا ہوا پکڑا گیا۔ اور پچیس بید کھائے۔ ہیڈ ماسٹر سہ پہر کے وقت لڑکوں کو اپنے کمرے میں لاتا۔ اور عصر کی نماز خود پڑھاتا تھا۔ ہمارے مسجدوں میں لوگ جبیں فرش پر لگاتے ہیں۔ اور بار بار اللہ کا نام لیتے ہیں۔ دل سے تمام دنیاوی خیالات دور کر کے ساری توجہ یاد الٰہی میں لگا دیتے ہیں۔ ساری نماز پندرہ منٹ میں ختم ہو جاتی ہے اور ایک سجدے میں ایک منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتا۔ ایک دن جب سارا مجمع سجدے میں تھا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے پاس کے لڑکوں کی ترکی ٹوپیاں اتار کر ایک جگہ پیچھے اوپر رکھ دیں۔ اور پھر اپنی جگہ جا کر سجدے میں چلا گیا۔ جب نماز ہو چکی۔ تو چند لڑکے ننگے سر دیکھے گئے۔ ہیڈ ماسٹر کو اس امر کی اطلاع کی گئی۔ کیونکہ مسلمانوں میں ننگے سر نماز نہیں پڑھتے۔ اور تحقیقات شروع ہوئی۔

ایک لڑکا جو میرا دوست تھا۔ جب جرح کے لئے ہیڈ ماسٹر کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ ننگے سروں کا نظارہ پا کر کے بے ساختہ ہنس پڑا۔ بس پھر کیا تھا ہیڈ ماسٹر نے اُسے لٹانے کا حکم دیا۔ اور بیدوں کی جھڑی شروع ہو گئی۔ اپنے دوست کو پٹتا ہوا دیکھ کر میں آگے بڑھا۔ اور قسم کھا کر کہا کہ یہ لڑکا بے گناہ ہے۔ ہیڈ ماسٹر نے مجھ سے پوچھا تم کس طرح جانتے ہو؟ میں نے جواب دیا۔ کیونکہ بوقت نماز میں پاس ہی تھا۔ اور میں اسکو اچھی طرح دیکھ رہا تھا۔ میرے اس کہنے کو یہ سمجھا گیا کہ اپنے لڑکے کو بچانے کے لئے میں یہ جھوٹ کہتا ہے۔ وہ لڑکا اس کے پاس نہیں تھا۔ اس طرح میرے بیان کی کافی تردید ہو گئی۔ اس پر ہیڈ ماسٹر نے دو چپراسیوں کو حکم دیا۔ کہ مجھے لٹا کر میری ٹانگیں مضبوط پکڑ رکھیں پھر اس نے میرے پاؤں کے تلووں پر بیس بید مارے۔ اور میں چند دن تک لنگڑاتا رہا۔ یہ پہلی مار تھی جو میں نے سکول میں کھائی۔

اگر میں اس طریقہ کا جو ہمارے یہاں سکولوں میں دیکھا ہے کچھ ذکر کروں تو یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اس قسم کی سزا ابھی تک ہمارے صوبہ میں بعض ماسٹر دیتے ہیں قدیم طرز کے سکولوں میں دو قسمیں ہیں۔ ایک لڑکوں کے لئے دوسری لڑکیوں کے لئے۔ لڑکیوں کو ہتھیلی پر مارا جاتا ہے۔ ہر ایک سکول میں ایک آلہ ہوتا تھا جسکو فلاکا کہتے تھے۔ فلاکا ایک لمبی باریک چھڑی کی صورت میں ہوتا تھا۔ اور ایک پھندا اس کے ساتھ بندھا ہوا تھا جس لڑکی کو سزا دینی مطلوب ہوتی اُسکی دونوں کلائیاں پھندہ میں کس دی جاتی تھیں۔ اور ایک شخص چھڑی کے دونوں سرے پکڑے رہتا پھر ماسٹر اُسی زمانہ میں اُستانیاں دستیاب نہ ہوتی تھیں ایک باریک بید سے سزا دیتا۔ پانچ اور دس کے درمیان بید لگائی جاتی تھیں۔ [illegible] اور زیادہ [illegible] دی جاتی تھی۔ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے لڑکوں کو تلووں پر مارا جاتا تھا لیکن تلوے پاؤں میں ہی رہتے تھے۔ مگر اگر قصور سنگین ہو۔ تو سو سے بھی اوپر ننگے تلووں پر مارا جاتا تھا۔

لڑکوں کو لٹا دیا جاتا تھا۔ اور دو آدمی ان کے پاؤں مضبوط پکڑے رہتے۔ اور ماسٹر ایک موٹی بید تلووں پر مارتا۔ اگر قصور زیادہ سنگین ہوتا تو بیس سے زیادہ بید لگائے جاتے۔ مگر تیس یا اس سے کم۔ بوڑھے اور موٹے زیادہ تر اس صورت

میں اُٹھوائے جاتے۔ جب ماسٹر کو شک ہو جاتا۔ اگر لڑکے نے ضرب کے اثر کو خفیف کرنے کے لئے اندر کی طرف کوئی چیز رکھ لی ہے۔ اکثر لڑکے جن کو مار کھانے کا احتمال ہوتا تھا موزوں کے اندر رومال یا بھیڑ کی پوستین رکھ لیتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب پہلی دفعہ مجھے مار پڑی میں چیخا یا چلایا نہیں تھا کیونکہ ایسا کرنا ہی بزدلی کی علامت سمجھتا تھا۔ مگر ایک لڑکے نے جو میرے پاس بیٹھا تھا۔ کہا "تم تو یار بڑے بیوقوف ہو۔ تم چلائے کیوں نہیں تھے۔ میں تو جب سزا ملنے کا احتمال ہوتا ہے موزوں کے نیچے گفت دار چیز رکھ لیتا ہوں اور جب بید لگنی شروع ہوتی ہیں تو اُونچی اُونچی روتا ہوں۔ اور رحم کی التجا کرتا ہوں۔ اسطرح ماسٹر کم بید لگاتا ہے"

قدیم ابتدائی سکولوں میں لڑکوں کو جو سزا دی جاتی تھی۔ مجھے ماننا پڑتا ہے کہ وہ سخت وحشیانہ تھی۔ یہ سکول صرف ایک بڑے ہال (کمرہ) اور دو گیلریوں پر مشتمل ہوتے تھے۔ چھوٹی گیلریوں پر ماسٹر بیٹھتا تھا اور وہاں دو دو یا تین تین کر کے لڑکے اپنے پاس بلا کر اُن کو سبق پڑھاتا تھا۔ جماعتوں کے فریق نہیں ہوتے تھے بڑی گیلری میں لڑکیاں بیٹھتی تھیں۔ لڑکے ہال کے وسط میں بیٹھتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے طالب علموں کے سامنے ذرا ذرا اونچی بنچیں (Benches) پڑی ہوتی تھیں۔ مگر وہ خود فرش پر بیٹھتے تھے۔ ہر ایک لڑکے اور لڑکی کے پاس بیٹھنے کے لئے اپنا بوریا یا بھیڑ کی کھال ہوتی تھی جس کے متحمل والدین ہوتے تھے۔

ماسٹر کے پاس دیوار پر ایک لمبا چابک لٹکا رہتا جس کا طول ہال کے مطابق ہوتا یا بہ الفاظ دیگر یہ چابک کمرے کے ایک سرے سے لیکر دوسرے تک پہنچتا تھا۔ جب ماسٹر کسی شاگرد کو شرارت کرتے یا سبق میں غفلت کرتے دیکھتا۔ تو اُسکو اپنے پاس بلانے کی تکلیف نہ کرتا۔ بلکہ اپنے چابک کو پکڑ لیتا۔ موٹا سرا اپنے ہاتھ میں رکھتا اور باریک سرے سے لڑکے کو مارتا عموماً سر کندھوں یا پشت پر پڑتے تھے بعض اوقات پسلیوں میں بھی پیوست ہوتے تھے۔

میرے زمانہ تعلیم میں ابتدائی سکولوں میں یہ سزا عام تھی۔ اور ہمارے صوبہ کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھی۔ بلکہ ساری سلطنت میں رائج تھی۔ مجھے یہ تو یاد نہیں رہا کہ آیا میں بھی اس لمبے چابک کا شکار ہوا ہوں یا نہیں۔ مگر جہاں تک میرا حافظہ کام دیتا

ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں۔ کہ ان سکولوں کے ماسٹر متعلمین کو نہیں مارتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ مبادا وہ ناراض ہو جائیں اور معقول فیس کی آمدنی ماری جائے۔ انگلستان میں طالبعلموں کو بیدوں سے مارنا ظلم سمجھا جاتا ہے۔ مگر ٹرکی میں صورت حال بالکل برعکس ہے۔ وہاں عام خیال ہے کہ اُستاد کی سزا رحمت الہی ہے۔ یا بقول شیخ سعدی۔ "جورِ اُستاد بہ از مہرِ پدر"۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ سزا کو لوگ درست ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ میں یہاں اس کے حسن قبح پر دلیلیں پیش کرنی نہیں چاہتا۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ بر محل اور مناسب سزا بے گناہوں کو درست اور غافلوں کو بیدار کرتی ہے اور شریر لڑکوں کو راہ راست پر لاتی ہے۔

تاہم مجکو اس میں کلام ہے کہ سزا کے ذریعہ سے ہم لڑکوں سے سبق یاد کرا سکتے ہیں۔ (یہاں یہ جتا دینا مناسب ہے کہ ٹرکی میں اب یورپین طرز کے سکول اور کالج ہیں اور اُن میں مارنے کی سخت ممانعت ہے۔ جو صاحب اخبار وطن لاہور کا بغور مطالعہ فرماتے ہیں۔ اُن سے یہ امر مخفی نہیں ہوگا کہ چند ماہ ہوئے۔ وزیر سررشتہ تعلیم نے ایک تاکیدی سرکلر جاری کرکے مارنے کی رسم کو بالکل بند کرنے پر زور دیا تھا۔ نیز دھمکی دی تھی کہ اگر کوئی ماسٹر آئندہ لڑکوں کو مارے گا تو موقوفی کے علاوہ جدلیشل سزا کا بھی مستوجب ہوگا۔ ہمیں افسوس ہے کہ مصنف نے اس امر سے متعلق کوئی بھی ذکر نہیں کیا۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ وہ موجودہ عثمانیہ سلطان کی نیک باتوں کو نظر انداز کرکے اُن باتوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرے گا جو اُسکے زعم میں بری ہیں۔ خدا ایسے دشمنان ملک وملت کے اثر بد سے قوم کو محفوظ رکھے۔ (مترجم)

موسم گرما کی آمد آمد تھی کہ یہ خیال کیا گیا کہ میں اپنے شہر کے سکول میں کافی تعلیم حاصل کر چکا ہوں۔ اسوقت میں چودہ سال کی عمر کا تہا۔ میری ماں اُس دن کا انتظار کر رہی تھی کہ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے قسطنطنیہ جاؤں۔ جب موسم گرما شروع ہو گیا۔ میں نے سکول کو چھوڑ دیا اور ہم اپنے موسم گرما بسر کرنے کے لئے اپنے دیہاتی مکان کیطرف چلے گئے۔ انگورا ایشیائے کوچک میں اپنے لذیذ اور مزیدار پھلوں کے لئے مشہور ہے۔ انگورا کے ہر خاندان کے پاس شہر سے چند میل باہر اپنے باغات ہیں۔ اور اُن باغوں میں بہتوں نے گرما کے مکان بنا رکھے ہیں جن

ندیاں مختلف اطراف سے آکر شہر کے نیچے آپس میں مل جاتی ہیں اور جن وادیوں میں سے گذر کر آتی ہیں۔ وہ پھلدار درختوں اور انگوروں کی بیلوں سے روضۂ رضواں کا سین پیش نظر کرتی ہیں۔ ماہ مئی کے آغاز پر لوگ اپنا مال و اسباب اور خانگی اشیاء شہر کے مکانوں سے چھکڑوں پر لاد کر ان گرمائی مکانوں کیطرف لیجاتے ہیں۔ وہ ان مکانوں میں موسم خزاں کے پھلوں کے پکنے تک پانچ یا چھ ماہ رہتے ہیں۔ عورتیں اور بچے دن رات باغوں میں رہتے ہیں۔ مگر اکثر مرد اپنے کاروبار کے لئے پو پھوٹنے سے پہلے شہر میں جاتے ہیں۔ اور دن ڈھلنے پر جب خنکی ہو جاتی ہے واپس آجاتے ہیں۔ دوپہر کے وقت سوائے جفاکش دہقانوں کے کوئی شخص باہر چل پھر نہیں سکتا۔ چونکہ گرمیوں میں گرمی بھی ایسی شدت سے پڑتی ہے جیسی کہ سردیوں میں سردی کڑاکے کی پڑتی ہے۔ سفر عموماً گھوڑوں خچروں اور گدھوں پر کیا جاتا ہے۔

موسم گرما کے آغاز پر جب ہم شہر سے روانہ ہونے لگتے۔ تو میں بھی دوسرے بچوں کیطرح بکمال خوش ہوتا۔ اس کی وجہ زیادہ تر یہ نہ تھی کہ شہری زندگی کو ناپسند کرتا تھا بلکہ بڑی وجہ یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات اور ظالم ماسٹر سے مخلصی ملتی تھی۔

عام تفریحوں کے علاوہ جیسے کہ سواری۔ پیراکی۔ نشانہ بازی۔ ماہی گیری وغیرہ میں اپنے دل بہلاوے کے طریقے پیدا کر لیتا تھا۔ اور یہ انگریز لڑکوں میں بھی مقبول ہے اور وہ یہ تھا کہ میں ہمسایوں کے باغوں میں نہایت دلیری سے گھس جاتا اور پھل چرا کر لے آتا۔ میری ماں اس بات سے سخت رنجیدہ اور متردد ہوتی۔ میں پھل کھانے کے لئے نہیں چراتا تھا بلکہ بطور تفریح ایسا کرتا تھا۔ (اجی ہاں آپ شروع سے ہی پہلے واقف ہیں۔ پہلے باپ کو مروایا پھر جاگیر ضبط کرائی۔ پھر ماں کو ستایا۔ پھر ماسٹروں کا ناک میں دم کیا۔ ہمسایوں کی چوری کی۔ اور چڑیوں کی موت گنواروں کی ہنسی کھیل کر دل کو بہلایا۔ جوں جوں بڑھتے گئے شرارتیں بھی زیادہ ہوتی گئیں۔ آخر نوبت یہ پہنچی کہ اپنے ہی ملک و قوم کے چھوڑ کر انگلستان آن بیٹھے۔ داد صاحب ڈھٹائی ہو تو ایسی ہو۔ مترجم)۔ کیونکہ ہمارا اپنا باغ سب سے بہتر تھا۔ اور رشک کا یہ عالم تھا ہمسائے اس کو دیکھ کر آرزو کرتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی ایسا باغ ہو۔

متذکرہ بالا موسم گرما میں میں نے کئی شرارتیں کیں۔ مگر سزا ایک کی بھی نہ پائی۔ آخر

میں ایسے جرم کا مرتکب ہوا۔ جس کو میرے خاندان کے لوگ نظرانداز نہ کرتے۔ میں نے ایک ایسا محبت کی جو اپنی معشوقہ کو زور سے نہیں لا سکتا تھا۔ مدد کی۔ پیشتر اس کے کہ میں اس واقعہ کا ذکر کروں۔ یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خلاف قانون یا بھگا کر لیجا کر شادی کرنا ترکوں کی ایجاد نہیں۔ اس رسم کو کاکیشی مہاجرین نے انیشیا ئے کوچک میں رائج کیا تھا۔ اور سرکیشیا نسل کے لوگ بھی گاہ گاہ ایسا کرتے تھے۔ کرشیا والوں کی تقریبا سب شادیاں اسی طرح پر ہوتی ہیں۔ کہ لڑکی چورا کر لیجاتے ہیں اُن میں دستور ہے۔ کہ مرد دولہن کو اٹھا کر لیجاتا ہے۔ اور اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ اوس کے خاندان کے آدمی یا لڑکی والے اس بات پر رضامند بھی ہیں یا نہیں۔ اس فعل سے وہ اپنی بہادری ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر لڑکی والے اوسکو مناسب سمجھ لیں۔ تو معاملہ صلح و صفائی سے طے ہو جاتا ہے۔ ورگرد عزت و آبرو کا معاملہ آپڑتا ہے۔ خوب جوتی پیزار ہوتی ہے۔ اور اکثر نوبت بہ خون و خرابہ پہونچتی ہے ہمارے لوگ اس رسم کو سخت حقارت اور خطرہ کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور مندرجہ بالا معاملہ میں میری شمولیت کو ہر شخص نے سخت بدچلنی پر محمول کیا۔

جس مہم میں میں نے حصہ لیا۔ اُس میں لڑکی والے اُسکو واپس لینے کے لئے لڑائی کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ کیونکہ عاشق کے خاندان میں مرد زیادہ تھے۔ اور ویسے بھی اوس کے دوستوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ اور عدالت میں چارہ جوئی کرنا انہوں نے فضول سمجھا۔ کیونکہ تکلیف کے علاوہ بہت سے اخراجات کا زیر بار ہونا پڑتا تھا لڑکی والے دولہا کے خاندان سے زیادہ معزز نہ تھے۔ مگر باوجود اس بات کے اونہوں نے باضابطہ شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ لڑکی کی ماں سرکیشنی تھی اور میرا خیال ہے اُس میں اپنی قوم کی خو بو ضرور تھی۔ وہ اپنے عاشق سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ پس اُس نے اُسے کہلا بھیجا۔ "کہ میں فلاں مکان کے پاس فلاں باغ میں اُس وقت موجود ہونگی"۔ اس مہم میں تین آدمی شامل تھے۔ عاشق اور ایک اور گرانڈیل جوان جو سرکیشین الاصل تھا۔ اور باد رفتار گھوڑے پر سوار تھا اور لڑکی کو اوٹھا کر لیجانا اوس کے سپرد تھا۔ ہم اپنے پڑوس سے رات کے وقت روانہ ہوئے۔ اور بڑی سڑک پر ڈیڑھ گھنٹہ کی سواری کے بعد لڑکی کے خاندان

کے مکانوں کے پاس پہنچ کر ایک طرف ہو گئے۔ ہم نے اپنے گھوڑے درختوں سے باندھے۔ اور جب ہم گھنے پھلدار درختوں کے نیچے جلدی جلدی گھٹتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہم نے دیکھا۔ کہ کوئی شخص سفید لبادہ اوڑھے آ رہا ہے۔ یہ لڑکی ہی تھی۔ حالانکہ گرمی کا موسم تھا۔ مگر وہ کانپ رہی تھی۔ جب ہم اُس کے پاس پہنچے۔ اُس گرانڈیل جوان نے اُس کو اُٹھا لیا۔ عاشق نے میری طرف عجیب مجنونانہ نظر سے دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے وہ خوشی اور فکر سے مبہوت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد ہم اُس جگہ آئے جہاں گھوڑے باندھے ہوئے تھے۔ نو گرفتار دلہن سرکیشن کے گھوڑے پر سوار ہوئی۔ اور اُس جوان کی کمر بہت خوب مضبوطی سے پکڑ لی۔ جب ہم بڑی سڑک پر پہنچے۔ تو ہم نے گھوڑوں کی رفتار معمولی کر دی۔ کیونکہ پیٹھ گھوڑے پر وہ لڑکی آرام سے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ میں اور دولہا بار بار مڑ کر دیکھ لیتے تھے۔ کہ مبادا کوئی ہمارے تعاقب میں آیا ہو۔ میں ایک پستول اور مضبوط سونٹے سے جس کے سروں پر کنڈے لگے ہوئے تھے مسلح تھا۔ ہم دلہن کو دولہا کے گھر میں لائے۔ جہاں اُس کا نہایت تپاک سے خیر مقدم کیا گیا۔ اور جہاں اگلے دن اُس کی باضابطہ شادی کی گئی۔

میری شمولیت کی خبر سن کر میری ماں کو سخت رنج پہنچا۔ تاہم میرا خیال تھا۔ کہ میں بالکل حق بجانب ہوں۔ اور یہ کہ ایک مصیبت زدہ آدمی کو شادی کے معاملہ میں مدد دینی نیکی کا کام کیا ہے۔ اُس سال کا موسم خزاں خاتمے پر آ رہا تھا۔ اور ہم شہر کی طرف واپسی کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میرا چچا جو یہاں سے شہر کی طرف سے قسطنطنیہ کی چند روزہ عثمانی پارلیمنٹ میں کا ممبر ہو کر گیا تھا۔ اُسی وقت واپس آ گیا۔ چونکہ موجودہ سلطان نے پارلیمنٹ کو بغیر مدت معہودہ کے لئے توڑ دیا تھا۔ چونکہ ملک میں آپ کے دل و دماغ کے مطابق نہ تھی سلطان مجبور تھا۔ کہ پارلیمنٹ کو توڑ دے۔ ورنہ سلطنت کی تباہی عاقبت ہوتی ہے کہ ..... بدست جہاں افتاد۔

پاشا حالی تبار سلطان کا یہی کام ہے۔ کہ سلطنت کے شکستہ اور ڈگمگاتے جہاز کو عافیت کے کنارے پھر سے لگایا ہے۔ اور اب اسی کی فکر کر رہا ہے۔ مگر آپ جیسے حضرات رخنہ ڈال رہے ہیں۔ خدا رحم کرے۔ پس میرے چچا کا ارادہ تھا۔ کہ کچھ عرصہ انگورا میں سکونت رکھے۔ میری چال چلن کی نسبت سن کر انہوں نے

میری ماں کو کہا ہے کہ اسکا اسباب میرے گھر بھیجدو۔ یہ میرے لڑکوں بالوں میں ہی رہے گا۔ اور میں ہی اس کی تعلیم کا بندوبست کروں گا" میری ماں جسکو میری نابنجاریوں اور بیکرداریوں سے سخت رنج پہونچا ہوا تھا۔ میرے اسباب کو اپنے گھر سے جاتا دیکھکر خوش ہونے کی بجائے سخت آزردہ خاطر ہوئی۔ جیسا کہ میں پہلے ہی اشارہ کر آیا ہوں میرا چچا ہمارے خاندان میں پہلا آدمی تھا۔ جو ملازمت سرکاری میں داخل ہوا۔ وہ حلب۔ دمشق۔ قاہرہ۔ مدینہ اور مکہ اور کئی دیگر امصار کی مذہبی عدالتوں کا چالیس سال تک جج رہکر عارضی طور پر مستقل ہوگیا تھا۔

اگرچہ وہ پہلے درجہ کا ایماندار۔ صابر۔ قانع اور زاہد تھا۔ تاہم قسطنطنیہ کے اعلےٰ سرکاری طبقہ کا اس پر بھی اثر پڑ گیا۔ یعنی وہ بھی کثیر الازدواجی کا شکار ہوگیا۔ جب میں اس کے گھر گیا۔ اسکی تین بیویاں تھیں۔ جو اپنے بے شمار بال بچوں اور لونڈیوں کے سمیت اس کے حرم میں اکھٹی رہتی تھیں۔ اسکی تمام بیویاں سرکیشنی تھیں اس نے اُن کو مختلف اوقات میں خریدا اور شادی کی۔ مگر دوسرے زیادہ بیویاں رکھنے والوں کے برخلاف اس نے اپنی ساری بیویوں کو ایک ہی مکان میں رکھا۔

یہ ایک حیرت انگیز اور خلاف معمول بات تھی۔ کہ وہ سب کی سب اسکی اطاعت اور فرماں برداری میں ایک دوسرے سے بڑھکر تھیں۔ اور اگرچہ میرا چچا طبیعت کا سخت تھا۔ مگر اُن سے نہایت اعلےٰ برتاؤ کرتا تھا۔ ممکن ہے۔ وہ ایک دوسرے سے حسد کرتی ہوں۔ مگر بظاہر ایک دوسرے سے ملی جلی رہتی تھیں۔ اور آپس میں ادب کرتی تھیں اُن کے بچے ایک دوسرے سے اچھا برتاو کرتے تھے۔ ان تین سرکیشین بیویوں سے پہلے میرے چچا کی ایک اور بیوی تھی۔ اور جب تک وہ قید حیات میں رہی۔ اُس کو دوسری شادی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ ایک معزز خاندان کی لڑکی تھی۔

میں اپنے کثیر الازدواج چچا کے حرم میں دو سال تک رہا۔ ہمارے اور اُس کے گھر کی خانگی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اسکی بیویوں کے بچے ایک دوسرے سے لڑتے تھے۔ اس کے ڈرائنگ روم میں ایک دوسرے سے جھگڑتے تھے اور ایک دوسرے کو گھورتے تھے۔ ہر ایک بیوی اپنے ہی کمرہ کی آرائش اور اپنے بچوں کا فکر کرتی۔ بچے

اُن میں سے کسی کے ساتھ بھی اُنس نہ تھا۔ اور میں سخت اُداس رہتا تھا۔ لڑکے اکثر
آپس میں لڑا جھگڑا بھی کرتے ہیں۔ جب میں جھگڑتا تو وہ سب ایک طرف ہو جاتے اور ان
کی مائیں اُن کو دلاسا دیتیں۔ اس بات سے میں اندر ہی اندر جل بھن کر کباب ہو جاتا تھا
میرا چچا اگرچہ مجھے اپنے فرزندوں کی طرح رکھتا۔ مگر تھا بڑا سخت۔ وہ مجھے ایک پل بھی آرام
نہ کرنے دیتا۔ میری اگلی تفریحیں اور شوق سب خاک میں مل گئے۔ یا تو ہم سبق یاد کرتے رہتے
یا نمازوں میں مصروف رہتے۔ میرا چچا پانچ وقت کی نماز خود بڑے کمرے میں پڑھا کرتا
کرتا تھا۔ صبح کی نماز جو سورج نکلنے سے ایک گھنٹہ پہلے پڑھی جاتی ہے۔ دوسروں
کی نسبت میرے لئے سخت موجب تکلیف تھی۔ ہر روز میرا چچا حرم اور مردانے میں خوابگاہ
کی زنجیر کھٹکھٹاتا۔ اور ہر ایک خورد کو نماز پڑھنے پر مجبور کرتا تھا۔ سردی کے موسم میں
وضو کرنے سے بھی گڑگڑایا کرتا۔ اور شکایت کیا کرتا۔ بے شمار لڑکوں۔ لڑکیوں اور
نوکروں میں سے اگر کوئی سخت عذر بیماری کے سوا نماز میں شامل نہ ہوتا۔ تو میرا سخت گیر
چچا چابکوں سے خبر لیتا۔

چند بار اوس کے لڑکوں کی طرح مجھے بھی نماز نہ پڑھنے کے جرم میں سزا دی گئی اس
گھر میں سخت اُداس رہنے کی وجہ سے میں نے تمباکو نوشی کا استعمال خفیہ طور پر شروع
کر دیا۔ ہمارے ملک میں بچوں کو تمباکو نوشی سے سختی کے ساتھ روکا جاتا ہے۔ میرا ایک
چچازاد بھائی جو مجھ سے سخت عداوت رکھتا تھا۔ اُس نے ایک دن مجھے تمباکو پیتے دیکھ لیا
اور جاکر باپ کو کہا۔ کہ وہ طویلہ میں سائیس کے ساتھ سگرٹ پی رہا ہے۔ اور سائیس
اُس کے لئے سگرٹ کی ڈبی خرید کر اپنے پاس رکھے ہوئے ہے۔ ہا میرے چچا نے دو
تنومند نوکر میرے پکڑنے کے لئے بھیجے۔ وہ مجھے پکڑ کر اُس کے سامنے لے گئے
اور اُس نے حکم دیا اس کے بوٹ اور جوتے اوتار کر اُسکی ٹانگیں اوپر کرو۔ پھر اُس نے
میرے ننگے تلووں پر بیس بید لگائے۔ مجھے اس قدر تکلیف ہوئی کہ میں کئی دن تک
چیختا رہا۔ تاہم اُس سزا نے مجھے بڑا فائدہ دیا۔ کیونکہ اب سے دو سال پہلے تک پھر میں نے
کبھی سگرٹ کا استعمال نہ کیا۔

میرے چچا کے سخت احکام میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اوس کے لڑکے اور
مرد نوکر نماز عشا تک پڑھتے اور لگتے رہیں۔ اور نماز پڑھے بغیر اپنے بستر

پر نہ جائیں۔ مجھے حرم میں رہتے چند ماہ گذرے تھے کہ ایک رات جب میں سونے کے لئے جا رہا تھا میرے چچا نے مجھکو روک لیا اور حسب معمول متانت اور سنجیدگی سے کہا "کیونکہ اب تم سن بلوغت کو پہنچ گئے ہو۔ تمہیں اب پردہ کا خیال رکھنا چاہیئے" پردے کی رسم کے مطابق کوئی شخص اُس حرم میں نہیں رہ سکتا۔ جس میں کسی لڑکی کے ساتھ اُسکی نسبت قرار پائی ہو۔ پس میرے چچا کے بیٹے تو اندر چلے گئے اور مجھے مردانے میں چھوڑ گئے۔ جس کمرے کیطرف اشارہ کیا گیا۔ میں اُس میں گیا۔ اور دیکھا کہ میرا سارا اسباب اُس میں رکھا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میری وہ رات سخت اُداسی واندوہ سے گزری۔ میں اُس وقت پورے سیزدہ برس کا نہ ہوا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ دوڑکر اپنے گھر چلا جاؤں۔ اور اپنی ماں کے گلے لگ جاؤں۔ میرا خیال آتا تھا کہ یہ موہوم کوشش ہوگی۔ کیونکہ میں چچا کی نگرانی میں رکھا گیا ہوں۔ ساتھ یہ کہ وہ ہمارے خاندان میں زبردست آدمی ہے۔ اُسکی خواہش کوئی روک نہیں سکتا۔ اور ہمارے معاملات پر اوسکو پورا پورا اختیار ہے۔ اپنی حالت کو سخت مایوسی بخش پاکر میں اُس رات عرصہ تک روتا رہا۔ مجھے چچا کے حرم سے اس لئے جواب دیا گیا تھا۔ کہ میری ہمعمر دو لڑکیاں تھیں۔ اور چند شخصوں نے جن میں میری ماں بھی شامل تھی۔ اُن میں سے ایک کی میرے لئے تجویز کی تھی۔

اس وقت میں خود تو شادی کی برکات سے ناآشنا تھا۔ اور لڑکی بھی مجھے ذرا پسند نہ کرتی تھی۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ جب جوان لڑکی اور لڑکے کو بیاہنے کی تجویز ہو۔ اور اُن کی نسبت میں قرار پا جائے تو اونکو ایک دوسرے سے جدا رکھا جاتا ہے حالانکہ چاہیئے کہ اونکو ملنے کا موقعہ دیا جائے۔

اب جبکہ میں اپنے چچا کے حرم کا ذکر کر رہا ہوں۔ کثیر الازدواجی پر کچھ خامہ فرسائی کرنی بے محل نہ ہوگی۔ انگریزی زبان میں اسلامی کثیر الازدواجی سے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مگر اُس میں صداقت کی بہت کم بو ہے۔ کیونکہ جو شخص خود مسلمان نہیں وہ اس رسم کے خواہ مخواہ اور بغیر سوچے سمجھے مخالف ہیں۔ ایک سے زیادہ بیوی کرنے کا دستور ترکی نہیں۔ بلکہ اسلامی ہے۔ اسلامی قوموں میں ترک سب سے کم کثیر الازدواجی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ قسطنطنیہ کے اُن افسروں کا جو کثیر الازدواج

ہیں۔ کھوج نکالو۔ تو تمہیں معلوم ہو جاوے گا۔ اول ہی عثمانی نسل کے بہت کم ہیں
اسلامی کتابوں میں کثیر الازدواجی کے کئی وجوہات دیئے گئے ہیں۔ ہم ان میں سے
صرف ایک وجہ جو تاریخی پہلو لئے ہوئے ہے پیش کرتا ہوں۔ حضرت محمد صلعم کے
مبعوث ہونے سے پہلے کئی عرب قبائل عورتوں کی کثرت کو روکنے کے لئے لڑکیوں
کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ اسلام نے اس وحشیانہ رسم کو بند کیا۔ جب اسلام کا سنگ
بنیاد قائم ہو گیا۔ تو مسلمانوں اور غیر مسلموں میں سخت جنگ برپا ہوئی۔ اور کئی آدمی
تلوار کی گھاٹ اتر کر ملک عدم کو سدھارے۔ اس طرح بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں
اور کئی بغیر شادی کے رہ گئیں۔ اس بات سے زنا کی کثرت ہو گئی۔ اور اسلامی قانون میں
زنا سخت گناہ اور جرم قرار دیا گیا ہے۔ ایسا ذی شعور اور بے تعصب عیسائی تسلیم
کرے گا کہ حضرت محمد صلعم نے بنی نوع انسان کے لئے نہایت اعلیٰ اور منصفانہ
اصول اور قانون بنائے ہیں۔ اور یہ مان لینا چاہیئے کہ آنجناب جیسے دانا محب خدا
کثیر الازدواجی کی اجازت نہ دیتے۔ مگر ان زیادہ عورتوں کا ایسے زمانہ میں کیا کیا جا سکتا تھا
بیواؤں کی ضروریات پبلک کے قابل نہ تھیں۔ آنجناب زنا کی بری عادت کو کیس
طرح روک سکتے تھے۔ وہ مجبور تھے کہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق کثیر الازدواجی کی اجازت
دیا دیتے۔ پس آنجناب نے ہر ایک شخص کو اسکی قابلیت، صحت، دولت کے مطابق
دو دو۔ تین تین۔ چار چار بیویاں کرنے کی اجازت دیدی۔ بشرطیکہ وہ بیویوں
میں انصاف کر سکیں۔ ایک اسلامی قانون ہے۔ جو زمانہ کے ساتھ قانون بھی بدل
جانے چاہئیں۔ مگر کثیر الازدواجی کا قانون نہ بدلا۔ بعض متمول اور صاحب حیثیت
آدمی ہمیشہ اسی کی پابندی رہتے ہیں۔ جو بات مجھے سخت حیران کرتی ہے وہ کثیر الازدواجی
سے متعلق یورپینوں کی نکتہ چینی ہے۔ کیا یورپ کے بہت سے آدمی ایک جائز
بیوی کے علاوہ دوسری عورتوں سے ناجائز تعلق نہیں کرتے؟ یہ یار رکھنے کی رسم کثیر الازدواجی
سے بھی کہیں بدتر ہے۔

زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں اولاد کے حقوق تو تلف نہیں ہوتے۔ اور
نہ عورتوں کے استحقاق میں فرق آتا ہے۔ مگر اس رسم یار رکھنے سے جو اولاد پیدا
ہوتی ہے وہ سخت مصیبت میں مبتلا رہتی ہے۔ اور وہ عورتیں جو حرام کراتی ہیں

آخر بازار میں بیٹھتی ہیں۔ اور عصمت کو ہر کوچہ کے آگے بیچتی ہیں ؟

تیسرا باب

حرم اور مشرق میں مستورات کی پوزیشن

لفظ حرم کے معنی۔ ایشیا میں گھروں کے دو حصے ہوتے ہیں۔ صرف خاندان کے مرد ممبروں کو زنانے میں جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ ذی عزت اشخاص میں پردہ اور بھی سخت ہے۔ پردہ صرف مذہب اسلام ہی کی بدولت ہے۔ حرم کی زندگی۔ اس کے مکینوں کا کام کاج۔ انگلستان میں اس سسٹم کے متعلق غلط فہمی۔ شاہی حرم۔ اس رسم کے معدوم ہونے کا احتمال۔ سرکشین عورتیں۔ بیوی ہونے کی حیثیت میں انکی قدر و قیمت کے وجوہات۔ ایک عورت کی نسبت کس طرح قرار پاتی ہے۔ شادی کی بعض رسومات۔ شادی میں اتنی مذہبی شان نہیں جتنی کہ سول۔ دولہا۔ اس کے بے تکلف دوست۔ حرم میں دوکانداری۔ عورت دوکاندار۔ بعض یورپین دوکاندار تجارت۔ تعلیم۔

انگلستان میں حرم سے متعلق بہت سے لوگوں کے خیالات مشرقی کثیر الازدواجی کی سُنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں۔ اس باب میں میں اُن غلط خیالات کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے حرم اور اُس کے مکینوں کے مضمون پر ٹھیک ٹھیک حالات قلمبند کروں گا۔ اور ساتھ ہی ٹرکی میں مستورات کی عام حالت پر بحث کرونگا۔

اگرچہ مغربی یورپ کے لوگ لفظ حرم کو جانتے اور اُس کا استعمال کرتے ہیں۔ تاہم باستثنائے چند کوئی شخص اُس کے اصل مطلب کو نہیں سمجھتا۔ اور امر واقعی تو یوں ہے کہ جس طرح ایشیائی لوگوں کے دلوں میں بعض یورپین رسم و رواج کے برخلاف تعصبات بھرے ہوئے ہیں۔ اُسی طرح اہل مغرب میں اہل مشرق کی نسبت بہت سی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں جب ایک انگریز لفظ حرم کا استعمال کرتا ہے۔ تو اس سے اس کا مطلب ایک ایسی مکان

سے ہوتا ہے جس میں بہت سی عورتیں بند کر رکھی ہوں۔ مزید براں اسکو اس بات کا یقین ہو چکا ہے۔ کہ مشرق کے عالم اسلام میں ہر ایک شخص جتنی بیویاں چاہے کر سکتا ہے۔ اس کا یہ یقین نہ صرف غلط بلکہ بے بنیاد ہے۔ ہزار ہا آدمی ایسے ہیں جو ایک ہی بیوی کے مل جانے پر ہزار ہزار شکر کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو ازبس خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ اور ہزار ہا ایسے ہیں کہ ایک بیوی سے ہی مخلصی پانے کو اپنی نجات سمجھتے ہیں۔ کہ الہٰی اس بلا سے بچا۔ زیادہ بیویوں کا ذکر چھوڑ دو۔ اگر کوئی شخص دو بیویاں ہی رکھنے کا بندوبست کر سکے۔ اور اُن کی ضروریات بہم پہنچائے۔ تو مان لو۔ وہ بڑا بہادر ہے جسطرح سارے مرد ظالم نہیں۔ اسی طرح ساری عورتیں صرف مذہب کی ہی بدولت مطیع و لام نہیں۔ مذہب قانون اور ملک کے رسم و رواج مردوں پر عورتوں کی بہت سی ذمہ واریاں عاید کرتے ہیں۔ ایک ایماندار شخص کو اپنے فرائض ادا کرنے ہی پڑتے ہیں۔ اور ایسے اشخاص بہت ہی کم ہیں۔ جو ایک سے زیادہ بیویوں کے حقوق پورا کرنے کے قابل ہیں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ سلطنت عثمانیہ کے بہت سے حصّوں میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ نہیں۔ اور یہ ایک ہی واقعہ انگریزوں کے اس عام فضول خیال کی کہ ٹرکی میں ایک مرد بہت سی بیویاں کرتا ہے۔ کافی سے بڑھ کر تردید کرتا ہے۔

اصل بات تو یوں ہے کہ اُس ملک میں کثیر الازدواجی کے برخلاف کوئی قانون نہیں۔ لیکن لایق اور عالم اشخاص اس رسم کے سخت مخالف ہیں۔ ایک شخص جو کسی معزز گھرانے کی لڑکی بیاہ کر لائے۔ اپنے گھر میں دوسری بیوی کا لانا جوئے شیر کے لانے سے کم نہ پائے گا۔ ٹرکی میں فی زمانہ بہت سے ایسے اشخاص ہیں۔ جو مغربی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ اور اپنی زندگی کی مسافت میں ایک غمخوار و دمساز رفیق ہمسفر بنانے کی غرض سے شادی کرتے ہیں۔ اور اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں۔ کہ دوسری بیوی کرنا زندگی کو وبال جان بنانا ہے۔ میں یہ تو بتا چکا ہوں کہ یہ خیال محض غلط اور فضول ہے کہ حرم اُس گھر کو کہتے ہیں۔ جہاں بیویوں کا جمگھٹا ہو۔ اب یہ بتاتا ہوں کہ حرم اصل میں ہے کیا چیز؟۔

اُن اسلامی ممالک میں جہاں پردہ کی رسم اچھی طرح قایم ہو چکی ہے۔ گھر دو حصّوں میں منقسم ہوتے ہیں۔ ٹرکی میں گھر کا وہ حصّہ جس میں مستورات رہتی ہیں۔ حرم کہلاتا ہے

اور جس حصّہ میں مرد رہتے ہیں۔ اس کو سلاملیق کہتے ہیں۔ اگرچہ گھر کی تمام مستورات کو اپنی
بہ حیثیت مجموعی حرم کہتے ہیں۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ تمام مستورات مالک خانہ کی
بیویاں ہیں۔ ایک شخص کی بیوی۔ اُسکی ماں۔ اُسکی بہن۔ اُسکی لڑکی۔ اور دیگر قریبی
عورتیں۔ اس کے سامنے بے نقاب ہو سکتی ہیں۔ اور اُن تمام کو ملا کر حرم کہہ سکتے ہیں۔
کنبہ کے مرد ممبر۔ جیسے کہ مالک خانہ کے بیٹے اسکا باپ اُس کا خسر۔ اس کا شوہر وغیرہ
وغیرہ گھر کے مالک کہلاتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں۔ جیسے کہ قسطنطنیہ۔ سمرنا
اڈانا یا نوحیل وغیرہ اعلیٰ طبقہ کے لوگ دور کے رشتہ داروں کو بھی حرم میں داخل ہونے
کی اجازت دیدیتے ہیں۔ وہ لوگ جنہوں نے یورپین فیشن اختیار کر لیا ہے۔ اپنے بےتکلف
دوستوں کو حرم میں لے آتے ہیں۔ مگر اون خاندانوں میں جو پرانی روش پر قائم ہیں،
اور جو تعداد میں بہت زیادہ ہیں۔ مالک خانہ کے مرد لواحقوں کو جب وہ تیرہ چودہ
برس کی عمر کے ہو جائیں۔ اور حرم کی کسی لڑکی سے اُن کی سگائی ہو جائے یا ہونی
ممکن ہو تو اُن کو زنانے میں آنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ذی عزت خاندانوں میں اس
رسم کی اور بھی سختی سے پابندی کیجاتی ہے۔ اون گھروں میں اگر حرم کے مکینوں سے مرد
ممبروں کو کوئی بات کرنی ہو۔ یا کوئی چیز لینی دینی ہو تو سب کچھ اوٹ میں ہی کیا جاتا ہے
زنانے اور مردانے حصّے کے درمیان ایک دیوار حائل ہوتی ہے۔ اُس میں ایک بڑا سوراخ
ہوتا ہے۔ اِس سوراخ کے ذریعہ ہی مطلب کی بات کر لی جاتی ہے۔ پردہ کو اور زیادہ
محفوظ کرنے کے لئے کھڑکیوں پر چلمنیں ڈال دی جاتی ہیں۔ اس ذریعہ سے اندر کی
رہنے والیاں باہر کا سب کچھ دیکھ سکتی ہیں۔ مگر باہر والے گلی۔ باغ۔ یا پاس کے مکان
سے اندر کا کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ جس طرح تیرہ چودہ برس سے زیادہ عمر والے لڑکوں
کو سوائے اُن عورتوں کے جن کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے کسی عورت کے پاس جانے کی
اجازت نہیں۔ اسی طرح اس عمر کے بعد لڑکیوں کو بھی سوائے نہایت قریبی لواحقوں
کے مردوں میں آنے کی اجازت نہیں۔ اور اگر وہ کسی ایسے سکول میں پڑھتی ہوں
جن میں لڑکے لڑکیاں اکٹھی پڑھتی ہیں۔ تو اون کو اُس سکول سے اوٹھا لیا جاتا
ہے اور اگر وہ پھر کسی سکول میں داخل کیجائیں تو اون کو نقاب اوڑھ کر ان سکولوں
میں جانا ہوتا ہے۔ یہ یاد رہے۔ اُن کا نقاب اُس ملک کی عورتوں کے نقابوں جیسے

ڈھیلے اور باریک نہیں ہوتے۔ ایک عورت کو سر سے پاؤں تک ایک چادر میں اپنا جسم ڈھانپ کر باہر جانا ہوتا ہے۔

عورتوں میں پردہ کی رسم مذہب اسلام کی ہی بدولت نہیں ہے۔ رسول صلعم کے زمانہ میں اور آں جناب کے بعد دیر تک عورتیں سپاہیوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتی تھیں۔ اُن کے جوش کے بڑھانے کے لئے اونچی اور سریلی سر میں گاتی تھیں اور زخمیوں اور بیماروں کی خبرگیری اور تیمارداری کرتی تھیں۔ آج کل بھی خانہ بدوش عرب اور صحرا نشینی ایسا فضول پردہ نہیں کرتے۔ حالانکہ مذہب میں وہ ترقی یافتہ عثمانیوں سے زیادہ پکے ہیں۔

میرے اُن ہم وطنوں کے بقول جو ان معاملات میں مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ عثمانی ترکوں نے پردہ کی رسم سدومی علیسائیوں سے نقل کی تھی۔ اور میرا خیال ہے چونکہ زمانہ قدیم میں مردوں میں شہوانی اور شیطانی رقابت زور پر تھی۔ یہ مناسب سمجھا گیا کہ عورتیں گھر سے نکلتی دفعہ اپنا چہرہ اور جسم ڈھانپ لیا کریں اور گھر میں بھی پردہ رکھیں۔

ترکی حرموں میں زندگی نہایت سادگی سے بسر کی جاتی ہے۔ اور اگر ہم چند ایسے حرموں کو جن میں زیادہ بیویاں ہیں نظر انداز کر دیں۔ تو کوئی شک نہیں۔ ان حرموں کی زندگی نہایت خوشی اور فارغ البالی سے کٹتی ہے۔

خاوند کے کلی اختیارات بیوی کے مسلمہ حقوق میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتے بیویوں کی اطاعت اور فرمانبرداری جس کو مغربی یورپ کی زیادہ ترقی یافتہ عورتیں بنظر حقارت دیکھتی ہیں۔ خاوند کو اس کا شیدا و فریفتہ بنا دیتی ہے۔ جیسا کہ اس ملک کے بعض لوگ خیال کرتے ہیں۔ بیویاں خاوندوں کی لونڈیاں نہیں ہوتیں۔ امسٹرڈام فرانس کے ایک نامی اخبار نے مسلمان ترکی خواتین کے بارہ میں ایک مضمون کچھ عرصہ ہوا شائع کیا تھا۔ اوس کے خلاصہ ناظرین کی دلچسپی و آگاہی کے لئے یہاں درج کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ وہ ارقام کرتا ہے۔ ظہور اسلام سے قبل وسط ایشیا میں رہنے والے ترک اپنی عورتوں کو مردوں کے مساوی رتبہ میں سمجھتے تھے۔ انہیں ہر طرح کے حقوق حاصل تھے۔ وہ خاندان میں ایک قابل قدر جزو سمجھی جاتیں اور

بیاہی ہوئی عورت عزت و مرتبہ میں شوہر سے کم حصہ نہیں رکھتی تھی۔ پھر جب عورت کی عمر زیادہ ہوجاتی تو اوسکا اعتبار اور وقار خاندان میں بہت بڑھ جاتا سب لوگ اُس کے حکم کی اطاعت کرتے۔ اور وہ بڑے آرام و عزت کی زندگی بسر کرتی تھی۔ اس کے آگے مضمون نگار نے عربی عورتوں کی اس قابل تاسف حالت کا خاکہ کھینچا ہے۔ جس کے اندر وہ زمانہ جاہلیت میں گرفتار تھیں۔ پھر نور اسلام کی اشاعت ہونے پر اُن کے حقوق کی مساوات اور عورتوں کی خصوصیتوں اور انکی ترقیوں کا ذکر کرکے لکھتا ہے کہ "اسلام نے عورتوں کو جو حقوق عطا کئے ہیں ویسے حقوق دُنیا کے کسی قوم و مذہب نے عورتوں کے لئے نہیں رکھے" اس کے بعد مضمون نگار نے پھر ترکی خواتین کا ذکر شروع کیا ہے۔ اور یوں لکھتا ہے۔

اہل یورپ نے مسلمان ترکی خواتین کی بابت کہنے کو تو بہت کچھ لکھا ہے لیکن اسطرح پر کہ خود اُن کو ذاتی علم ہرگز نہ تھا۔ سُنی سُنائی باتوں پر اعتبار کرلیا۔ اور ایسی رائے قائم کرکے جو چاہا لکھ مارا۔ اس لئے اُن سے نہایت غلط بیانی سرزد ہوئی ہے پھر اُس نے نہایت وضاحت کے ساتھ اسلامی گھروں کی حالت اُن کے زنانہ اور مردانہ جلسے اور اسلامی طرز معاشرت۔ کنبے کے لوگوں کا باہمی میل جول۔ ان سب باتوں سے بحث کرکے آخر میں ثابت کردیا ہے کہ مُسلمان خاتون، مذہبی تعلیمات کے ذریعہ سے جیسے بیش بہا فوائد حاصل کرسکتی ہے۔ وہ یورپ میں کسی عورت کو ہرگز نہیں نصیب ہوسکتے۔ آگے چلکر لکھتا ہے "ترکی خاتونوں میں۔ مدتوں سے تعلیم کا شوق اور چرچا چلا آتا ہے۔ اور اسوقت تو یہ حالت ہے کہ غریب سے غریب ترک کی لڑکی بھی ابتدائی۔ یا رشدی یا عالیہ سکولوں میں تعلیم پارہی ہے۔ ان سکولوں میں ہر قسم کے ضروری علوم کا مناسب انتخاب رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اُنکی خوش خیالی اور دماغی ترقی کا ثبوت بے شمار ترکی خواتین کا ذخیرہ تصنیف اور ایک اخبار ہے۔ جس کا تمام سٹیف تعلیم یافتہ ترکی خواتین ہی کی قلم سے ظاہر ہوتا ہے۔ فاطمہ علیہ خانم۔ نگار خانم۔ اور حمیدہ خانم وغیرہ بہت سی مشہور خاتونیں اسوقت تصنیف اور تالیف کرنے میں مصروف ہیں۔ اور سلطان الغازی عبدالحمید خان دام ملکہ کے وقت میں تعلیم نسواں کی اور بھی ترقی ہوئی ہے۔ ماخوذ از بیروت۔ مترجم

مستورات اکثر حرم کے اندر رہتی ہیں۔ مگر یہ نہیں کہ ہمیشہ اندر ہی گھٹتی رہتی ہیں۔ وہ دو دو تین تین یا زیادہ تعداد میں دوسرے حرموں میں بغرض ملاقات جاتی ہیں۔ اور اسی طرح اپنے حرم میں دوسروں سے ملاقات کرتی ہیں۔ اس میں شک نہیں ان کی مجلسوں میں مرد شامل نہیں ہوتے۔ مگر دوسرے ممالک کی عورتوں کی طرح وہ آپس میں مل کر گاتی ہیں۔ اور کھیلتی ہیں۔ ابھی ابھی ناچنے کی رسم بھی جاری ہو گئی ہے مگر یہ اعلیٰ طبقہ تک محدود ہے۔ پرانے خیالات کے آدمی نوجوان عورتوں کے دوسری عورتوں کے سامنے ناچنے کو بڑا معیوب خیال کرتے ہیں۔ بیاہ شادیوں کے موقعوں پر اکثر طوائفیں آکر ناچتی ہیں۔ مگر ان کو شریف نہیں سمجھا جاتا۔ میرے لڑکپن کے زمانہ میں حرم میں اونچے اونچے پڑھنے کا چرچا تھا۔ اس وقت اب کی نسبت تعلیم یافتہ خاتونیں بہت ہی کم تھیں۔ اس وقت سب سے زیادہ پڑھی ہوئی خاتون دوسری عورتوں کو مذہبی قصص وغیرہ سنایا کرتی اور وہ بڑے غور سے سنا کرتیں گھنٹوں تک یہی شغل رہتا۔ آج تک بھی حویلیوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور یہ بات عورتوں کی تفریح کا بڑا سامان ہے۔

ترکی مستورات کے فرائض ان کی سوشل پوزیشن کے مطابق مختلف ہیں صوبجات میں دہقانوں کی عورتوں کو اپنے خانگی کاروبار کے علاوہ کھیتوں میں بھی کام کرنا پڑتا ہے۔ اور جب ان کے بھائی یا خاوند فوجی خدمت ادا کرنے گئے ہوں۔ تو پھر تو سارا دارومدار ان پر ہی ہوتا ہے۔ معزز خاندانوں کی لڑکیاں گھر کے کام کاج کے علاوہ سینے پرونے اور زردوزی کے کام میں مصروف رہتی ہیں۔ اور اتنا کام کرتی ہیں کہ یورپ کی عورتیں کیا کریں گی۔ اعلیٰ عہدہ داروں کی لڑکیاں منجملہ دیگر فرائض کے اپنی استانیوں سے تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ میرے مندرجہ بالا بیان سے واضح ہو گیا ہوگا کہ حرم اور حرم کی زندگی سے متعلق خیالات اس ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ سراسر غلط اور فضول ہیں۔ ترکی حرموں میں خاتونیں اپنا وقت سو کر اور کچھ پڑھنا پسند کر کے ضائع نہیں کرتیں۔ اور نہ ہی مٹھائی کھانے اور شربت کی شیشیاں ختم کرنے پر ہی اکتفا کرتی ہیں۔ البتہ وہ اس ملک کی لیڈیوں کی طرح مٹھائی کو بڑا اچھا سمجھتی ہیں۔ مگر مردوں کے سامنے پلنگ پر لیٹنے کو ترک خاتونیں نہایت ہی معیوب

اور برا سمجھتی ہیں۔

اس ملک کی کتابوں میں جو کچھ حرم کی زندگی پر لکھا گیا ہے۔ یا جو کچھ اس کی بابت تماشوں اور نمائشوں میں دکھایا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ اُن لوگوں کا کرتوت ہے جنہوں نے سنی سنائی باتوں پر باور کر کے ٹرکی سے متعلق ادھر اُدھر کی باتیں لکھ دیں اور کہہ دیتی ہیں۔ یا اُن حضرات کا کرشمہ ہے جنہوں نے نہ کچھ دیکھا اور نہ کچھ سنا۔ مگر بھولے بھالے انگریزوں سے روپیہ اینٹھنے کے لئے عجیب و غریب من گھڑت باتیں بنا کر پیش کر دیں۔

"تاہم پردہ سے متعلق بعض انگریز جو نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اس سے میں متفق ہوں کیونکہ جن برائیوں کے روکنے کے لئے یہ رسم جاری کی گئی تھی اس میں تو کامیابی نہیں ہوئی۔ بلکہ برخلاف اس کے اُلٹا نقصان ہوا ہے۔ کیونکہ عورتوں کو پردہ میں رکھنے سے قوم کا آدھا حصہ بالکل تاریکی میں پڑا ہوا ہے۔ اگرچہ بعض نوجوان خاتونوں کو حرم میں پرائیویٹ طور پر تعلیم دی جاتی ہے اور اُن میں سے بعض اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ بھی ہیں۔ مگر اس محدود تعلیم سے ٹرکی کی قومی ضروریات پوری نہیں ہو سکتیں۔ میرے خیال میں مشرقی اقوام کے تنزل کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مستورات بوجہ پردہ نشین ہونے کے دماغی ترقی سے محروم رہتی ہیں۔ اور وہ اپنے بچوں کی تعلیم میں جیسا کہ چاہیئے انٹرسٹ نہیں لے سکتیں۔ ایسی ماؤں کے بیٹے ترقی و تہذیب کے میدان میں فرنگیوں کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ ٹرکی میں بہت سے آدمی ہیں جو ان باتوں کو کما حقہ طور پر سمجھتے ہیں۔ اور عورتوں کو کسی قدر آزادی دینا چاہتے ہیں مگر مکمل آزادی بتدریج ملنی چاہیئے۔ کیونکہ اگر عورتوں کو مردوں کی طرح موجودہ سوشل ضروریات کا خیال کئے بغیر آزادی دی جائے تو خود عورتیں ہی حیران ہونگی کہ کیا کریں۔ اور اُن میں سے بہت سی اس آزادی کا استعمال شروع کر دیں گی۔ مزید برآں بہت سے مرد اس فوری سوشل انقلاب سے فائدہ اٹھا کر شرارت پر کمر بستہ ہو جائیں گے۔

مجھ سے سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب عورتوں کو کسی قدر آزادی دینے کا خیال ملک میں جم چکا ہے۔ تو اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس کا جواب سلطان کی پالیسی

حالت پر نظر ڈالنے سے خود مل سکتا ہے۔ وہ بدقسمت ملک چھتیس سال ایسے مظالم کا آماجگاہ بن رہا ہے جس کی نظیر نوع انسان کی تاریخ میں ملنی محال کیا دشوار ہے سلطان اس اثر سے بخوبی واقف ہے۔ جو عورتیں اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت سے ان پر اثر ڈال سکتی ہیں۔ اسواسطے سلطان اُن کی آزادی کو اور بھی ملیا میٹ کرتا ہے۔ (ہائے کمبخت تیری عقل پر پتھر پڑ جائیں۔ الزام تو اُس سلطان پر لگاتا ہے۔ جس نے اپنی سلطنت میں تعلیم نسواں کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور عورتوں کی حالت سنوارنے کے لئے بیش از بیش جد و جہد کی۔ اور اے خبیث عورتوں میں جس انقلاب کا ذکر تو نے اوپر کیا ہے۔ یہ کس کی کوشش کا ثمرہ ہے۔ کیا تو نے یا تیرے باپ نے اپنے ملک کی بہنوں کے لئے کچھ بھی کیا ہے؟ یا کیا موجودہ سلطان سے پہلے عورتوں کی دماغی ترقی کا کسی کو خیال تک بھی گذرا تھا۔ موجودہ سلطان خدا اُن کو مدت مدید تک زندہ و سلامت رکھے۔ اپنی سلطنت میں عورتوں کو ملک و قوم کا قابل قدر حصہ بنانے کے لئے وہ کچھ کر رہے ہیں۔ اور ایسے ڈھنگ سے کر رہے ہیں کہ اُن کے سوا ایسے کوئی اور کر ہی نہیں سکتا ہاں وہ ایسی آزادی کے سخت مخالف ہیں۔ جو اسلام کے برخلاف ہو۔ اور جو عورتوں کو ایسی گئی گذری حالت میں کر دے۔ جس میں فی زمانہ یورپ کی بہت سی عورتیں مبتلا ہیں۔ اس شخص کے بیان کی تردید میرے اوپر کے نوٹ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ جو میں نے ایک عربی اخبار کے حوالے سے دیا ہے۔ مترجم) میں شاہی محلات کی حرموں سے متعلق زیادہ نہیں بتا سکتا۔ تاہم یہ امر روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ شاہی حرم کی کھچا کھچ آبادی میں زندگی کا وہ لطف نہیں ہو سکتا جو پرائیویٹ جنٹلمینوں کی حرموں میں ہے۔ مگر میں یہ امر نہایت زور سے پبلک کے نوٹس میں لاتا ہوں کہ حرم کی تمام رہنے والیاں محل کے خاوند کی بیویاں نہیں ہیں۔ کیونکہ محل کا انتظام اعلےٰ پیمانہ پر ہوتا ہے۔ عورت کو خدمتگاروں کی زیادہ ضرورت رہتی ہے۔ ایک سلطان یا شاہزادہ پرانے رواج کے مطابق اگر ایک سے زیادہ بیوی کرنا چاہے۔ تو وہ دو۔ تین۔ غایت درجہ چار بیویاں کر سکتا ہے۔ چار سے اوپر اجازت ہی نہیں۔ جلیل القدر عثمانی ترکوں کی بیویاں

اور محلات کی رہنے والیاں سب کی سب سرکیشینی ہیں۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ سرکیشینی عورتیں کیوں اس قدر مرغوب ہیں۔ اور کیوں یہ کاکیشیا کی بیٹیاں ہر ٹرکی کے فیملی سرکل کی رونق کا باعث ہوتی ہیں؟ میں ان عورتوں کا بالاجمال حال حوالہ قلم کرتا ہوں جس سے ان سوالوں کا جواب مل جائے گا۔

وہ بہادر تنومند اور خوبصورت پہاڑی لوگ جو کاکیشیا کے پُرفضا قطعات میں رہتے ہیں۔ اپنی خوبصورتی کے باعث مشہور آفاق ہیں۔ اور اُن کی عورتیں تو حسن کی پتلیاں ہیں۔ تاہم جن لوگوں نے اس قوم کو اچھی طرح دیکھا بھالا ہے وہ اس بات کے کہنے میں تامل کریں گے کہ بنی نوع انسان کی دوسری شاخوں سے اس شاخ کو خوبصورتی میں زیادہ حصہ ملا ہے۔ مشرقی یورپ اور مغربی ایشیا کی قوموں کے مقابلہ میں سرکیشین عورتوں کا بڑا وصف یہ ہے کہ اون کا چہرہ بارونق۔ جسم سڈول اور عادات پسندیدہ ہوتی ہیں۔ وہ اکثر چھریرا بدن ہوتی ہیں۔ خالص سرکیشینی عورتوں میں موٹی اور بھدی شاید ہی کوئی ہو۔ اُن کے چہرے عام طور پر من موہنی ہوتے ہیں۔ مگر جس بات نے اون کو زیادہ مرغوب بنا رکھا ہے وہ یہ ہے کہ مغربی ایشیا اور مصر کے لوگوں کا چہرا سانولا ہے۔ مگر اون کا سفید اور خوشنما ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں جو چیز ان کو سکھاؤ۔ فوراً سیکھ جاتی ہیں۔ اور نئی زندگی میں آناً فاناً ڈھل جاتی ہے۔ شروع میں اس کے اطوار بھدے اور ناتراشیدہ ہوتے ہیں مگر تھوڑے ہی عرصہ میں وہ حسن و سیرت کا مجسم نمونہ بن جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میری ایک مہربان معمول خاتون کو اس کے رشتہ داروں نے ایک سرکیشین لڑکی بطور ہدیہ بھیجی۔ اس لڑکی کو میں نے اس وقت دیکھا۔ اگرچہ خوبصورت تھی۔ مگر اپنے دیس کے پھٹے پرانے کپڑے پہنے بالکل گنوار سی معلوم ہوتی تھی۔ چند سال گذرنے کے بعد مجھے پھر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ تو کیا کہوں۔ میں نے اس کو کیسا پایا۔ وہ ایک نور کا ٹکڑا تھی۔ کہ حوروں پر آنکھ مارتی تھی۔ وہ ایک ہیرا تھی۔ کہ جلا پا کر ستاروں کو شرماتی تھی۔

سرکیشینی عموماً مسلمان ہیں۔ ان میں سے چند نے روسی مذہب اختیار کر لیا ہے

مگر وہ دل میں مسلمان ہیں۔ اپنے فاتحوں کے ڈر سے عیسائی مذہب ترک نہیں کرتے اسلام کیطرف اُن کے رجحان کیوجہ یا تو یہ ہے کہ وہ روسیوں سے سخت عداوت رکھتے ہیں۔ کہ انہوں نے اُن کی قومی آزادی کو ملیا میٹ کیا۔ اور اُن کی خوشحالی کو کھا تے ہیں ڈالا۔ یا یہ کہ اسلامی اصول ان کی قدرتی حالت کے زیادہ مناسب اور موزوں ہیں۔

ایشیا کے مسلمان شاہی خاندانوں کے تمام ممبروں کی رگوں میں سرکیشینی خون حلول ہے۔ کئی نسلوں سے عثمانی سلطانوں کی مائیں سرکیشینی ہوا کی ہیں۔ گزشتہ صدیوں میں جب ترکی کے اقتدار اور عروج مشرقی یورپ پر اچھی طرح قائم تھا۔ اُس وقت سلطانوں کی بیویاں عموماً اُن عیسائی ریاستوں کی رہنے والی ہوتی تھیں۔ جو اُن کے زیر نگیں تھے۔ مصر کے مملوک حکمران خود اور اُن کی بیویاں سرکیشین تھیں۔ خدیو کے حرم کی مستورات ہمیشہ سرکیشین چلی آتی ہیں۔ اور اب بھی ہیں۔ اور بیان کیا جاتا ہے۔ ایران کے شاہ کجکلاہ کے محل میں بھی سرکیشینی بیگمات ہیں۔ کسی وقت نظام حیدرآباد بھی سرکیشینی عورت محل میں ڈالنے کا خواہشمند تھا۔ میں نے یہ بات ایک ایسے شخص سے سُنی ہے۔ جس کا نام ہندوستان میں اچھی طرح سے مشہور ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں "مسٹر اسحاق" کے نام سے جو ناول بنا ہے۔ اس نے انگریز ناظرین کو بھی اس سے شناسا کرا دیا ہے۔ یہ جنٹلمین دیار بکر کا باشندہ ہے۔ برٹش انڈیا میں تیس سال رہنے کے بعد چند سال ہوئے وہ قسطنطنیہ آیا۔ ایک دن اُس نے مجھے کہا "کیا آپ مجھے مشورہ دے سکتے ہیں کہ میں کس طرح ایک یا دو سرکیشین لونڈیاں خرید سکتا ہوں مجھے ہز ہائینس نظام کے لئے اُن کی ضرورت ہے"

بہت سے انگریزوں کی طرح اس انگریزی فیشن جنٹلمین کا خیال تھا۔ کہ ابھی تک قسطنطنیہ میں غلاموں کی منڈی ہے۔ اور یہ کہ جو شخص چاہے وہاں جا کر جتنی لونڈیاں درکار ہوں خرید سکتا ہے۔

یہ درست ہے کہ بعض بے خانماں قلاش مفلس والدین جو کاکیشیا سے ہجرت کر کے آتے ہیں۔ معقول رقم پر اپنی لڑکیاں فروخت کر دیتے ہیں۔ مگر اس بات کی ضمانت لے لیتے ہیں۔ کہ خریدار یا تو اُن کو اپنا متبنیٰ بنائے گا (کیونکہ ترکی میں بعض متقدر اشخاص

جن کے ہاں لڑکیاں نہیں ہوتیں۔ یتیم اور غریب لڑکیوں کو اپنا متبنےٰ لیتے ہیں) یا یہ کہ
اون کو اپنے عقد میں لائیگا۔ یا اپنی کسی رشتہ دار سے بیاہ دیگا۔
جیسے روس نے کاکیشیا فتح کیا ہے۔ اُس وقت سے لے کر آج تک ہزارہا کاکیشین
سلطان کی عملداری میں ہجرت کر آئے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا۔ اخباروں میں یہ خبر شائع
ہوئی تھی کہ ساٹھ ہزار کاکیشین کے متعلق جو ٹرکی میں ہجرت کرنا چاہتے ہیں۔ روسی
اور عثمانی گورنمنٹ میں نامہ و پیام ہو رہا ہے۔
روسی گورنمنٹ آجکل ان کے ہجرت پر اعتراض نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ اُن کے ملک
میں روسی کاشتکار آباد کرنا چاہتی ہے۔ برخلاف اس کے ٹرکی گورنمنٹ ان کی آمد کو
بہ نظر استحسان دیکھتی ہے۔ اور اُن کو ایشیا کوچک کے اُن علاقوں میں آباد کرتی ہے
جہاں آبادی کم ہے۔ سرکیشین جفاکش اور تندرست ہوتے ہیں۔ اور جن قوموں سے
خلاملا کرتے ہیں اون کو بھی اپنے ایسا بنا لیتے ہیں۔
ایک انگریز ناظر کتاب اس بات کو جاننے کا خواہشمند ہوگا کہ تیرہ برس کی عمر کے
بعد جب لڑکے اور لڑکیاں آپس میں مل نہیں سکتے۔ تو شادی کا اہتمام کیس طرح کیا
جاتا ہے۔ میں اب رسومات شادی کا ذکر کرتا ہوں۔ دُنیا کے بہت سے دیگر ممالک
کی طرح ٹرکی میں بھی شادی سے پہلے منگنی ہوتی ہے۔ مگر اس ملک میں کورٹ شپ
کی سخت ممانعت ہے۔ (یورپین ممالک میں دستور ہے کہ جب منگنی ہو جاتی ہے۔ تو
لڑکا لڑکی آپس میں متواتر ملتے ہیں۔ اور روزانہ خطوط روانہ کرتے رہتے ہیں۔ اس
رسم کو کورٹ شپ کہتے ہیں۔ مترجم)
جوان لڑکوں اور لڑکیوں کو آپس میں ملنے کی اجازت نہیں دیجاتی۔ لہٰذا اُن کا
آپس میں چوچلے کرنا ایک ناممکن امر ہے۔ بعض بعض حالتوں میں یہ ممکن ہے کہ
وہ دور سے ایک دوسرے کو دیکھ لیں۔ یا ہمسایوں کی کھڑکیوں میں کھڑے ہو کر
محبت کی علامات ظاہر کریں۔
البتہ لڑکیاں اون لڑکوں کو اچھی طرح دیکھ سکتی ہیں۔ جن سے اون کی
نسبت قرار پائی ہو۔ مگر اُن سے ہمکلام نہیں ہو سکتیں۔ اور لڑکے تو اپنی بیگم
لڑکیوں کا سایہ تک نہیں دیکھ سکتے۔ لہٰذا ایک لڑکے کے لئے یہ جاننا قیمت

مشکل ہے۔ کہ اُس کی مجوزہ بیوی کیسی ہے۔ البتہ دوسروں سے وہ اسکی شکل و صورت حسن و سیرت کے بارہ میں پوچھ سکتا ہے۔ اسی طرح لڑکے کی عورت رشتہ داروں یا آیا ئن کے ذریعہ منگنی کیجاتی ہے۔ یہ بانیںبی بوڑھی اور خرانٹ عورتیں ہوتی ہیں۔ وہ ناطہ کرنے میں بڑی کوشش کرتی ہیں۔ اس کوشش سے طرفین کو فائدہ پہونچانا یا اپنی دل لگی کا سامان بہم پہونچانا منظور نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنے پیشے کا کمال دکھانا مدنظر ہوتا ہے۔ وہ ایسے گھروں میں جاتی ہیں۔ جہاں لڑکے کے لئے موزوں لڑکیاں موجود ہوں اور لڑکی والوں سے درخواست کرتی ہیں۔ اپنا مطلب ایسی چرب زبانی اور خوش بیانی سے ادا کرتی ہیں کہ بڑے بڑے نصیحوں کو پس پشت ڈالتی ہیں۔ اُن کی درخواست کا جواب خود دلہن نہیں دیتی۔ کیونکہ یہ بات معیوب خیال کیجاتی ہے والدین یا لڑکی کا ولی اس بات کا فیصلہ کرتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ لڑکی کی بھی رائے لیجاتی ہے۔ مگر اُس کو چنداں وقعت نہیں دیجاتی۔ اور امر واقعی تو یہ ہے کہ وہ ترقی یافتہ ممالک کی لڑکیوں کی طرح اسبارے میں اپنی کوئی رائے قائم بھی نہیں کرسکتی نایئن لڑکی والوں کے گھر میں چار بار آتی ہیں کہ معاملہ کو یکسو کریں۔ کیونکہ لڑکی والے ایک ہی دفعہ ہاں یا نہ نہیں کرتے۔ وہ سوچنے کے لئے مہلت مانگتے ہیں۔ اور اس اثنا میں لڑکے کے چال وچلن وغیرہ کی تحقیق کرتے ہیں۔ اگر جواب نفی میں دینا ہو تو نہایت مہذبانہ پیرایہ میں دیا جاتا ہے۔ ٹرکی کے بعض حصوں میں لڑکی والے مختلف طریقوں سے اپنے انکار کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس ملک کے لوگ عام جوتوں پر سلیپر پہنتے ہیں (شاید مصنف کا مطلب پہوک سے ہے۔ مترجم) اور مکان میں داخل ہوتے ہیں تو ان کو دروازہ پر اوتار دیتے ہیں۔ گھر کا خادم اُن سلیپروں کو سیدھا کرکے اس طرح پر رکھدیتا ہے کہ اگر وہ آدمی باہر آئے تو بغیر رُخ پھیرے ان کو پہن لے۔ اگر اُن سلیپروں کا رُخ نکلتے ہوئے سیدھا ہو۔ یلگ پہنچ والے کو اس کو پھیرنا پڑے تو وہ نایئن سمجھ لیتی ہے کہ اُس کی درخواست کو شرف قبولیت نہیں بخشا گیا۔ اسطرح ایک لڑکے کی منگنی تو ہو جاتی ہے۔ مگر اسے اپنی آئندہ بیوی دیکھنے کی اجازت نہیں ہوتی اور جب تک شادی کی ساری رسومات ختم نہ ہولیں وہ اُس کو نہیں دیکھ سکتا بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ جب خاوند نے اپنی بیوی کو پہلی بار دیکھا تو وہ

حیران پشیمان ہو کر رہ گیا۔ ایک شہر میں ایک نوجوان تھا منگنی ہو جانے کے بعد اس نے اپنی ہونے والی بیوی کی خوبصورتی اور حسن و جمال کی یہاں تک تعریف سنی کہ اس کا عاشق شیدا ہو گیا۔ مگر جب شادی ہو چکی۔ اور اس نے اپنی بیوی کا زردوز نقاب منہ سے ہٹایا تو اس کو دیکھتے گھر سے بھاگ گیا۔ وہ تو اس کو ایک حور شمائل خیال کئے بیٹھا تھا۔ مگر وہاں نکل آئی ایک بھونڈی چڑیل۔ (بعینہ ایک ایسا واقعہ شہر گوجرانوالہ میں بھی گذر چکا ہے مترجم) ہر ایک شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ ایک نوجوان کو جو نائنوں کے بہکانے میں آ کر اپنی منسوبہ کو حسن و جمال کی پتلی سمجھے بیٹھا تھا۔ آخیر وقت میں اصل حال کھلنے سے کس قدر رنج پہنچتا ہوگا۔

اس نوجوان کی مایوسی کو خیال کرو۔ جو بزعم خود ایک پری تمثال بیوی کا گھونگھٹ ہٹاتا ہے۔ مگر چیچک سے داغدار چہرہ جس پر پوڈر تھپا ہے۔ اور بدنما ناک اور بھونڈی شکل دیکھتا ہے۔ مگر اس کی بدقسمتی پر زیادہ افسوس نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس نے بدقسمتی سے بہت سی عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ اور اس کو اصلی خوبصورتی کا بوجہ ناتجربہ کاری چنداں احساس بھی نہیں ہوتا۔ وہ قدرتی طور پر قانع اور صابر ہو جاتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے اس کی قسمت میں ایسی ہی بیوی لکھی تھی۔ اور اس طرح بیوی کا جسمانی نقص اس کو زیادہ تکلیف دہ معلوم نہیں ہوتا ۔ اور ایسا واقعہ تو شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ وہ بمجرد بیوی کو دیکھ کر گھر سے ہی بھاگ جائے۔ منگنی وغیرہ کی ایسی رسومات کاشتکاروں اور خانہ بدوش قبائل میں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ ان میں تو لڑکے لڑکیاں [illegible] باغوں اور سبزہ زاروں پر کام کرتے ہیں۔ اور جب بڑے ہو جاتے ہیں باہمی میل جول [illegible] اور محبت سے متاثر ہو کر شادی کر لیتے ہیں۔ شہروں میں بھی بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لڑکا شادی سے پہلے ہی لڑکی سے واقفیت پیدا کر لیتا ہے۔ مگر ایسی ملاقاتیں مخفی طور پر ہوتی ہیں۔ اور ان میں عمر رسیدہ نوکروں سے مدد لی جاتی ہے۔ یہ بات کسی قدر تعجب سے سنی جائے گی کہ ان خفیہ ملاقاتوں کا بندوبست بعض اوقات خود مائیں کرتی ہیں۔ اس ملاقات میں ایک بات نہایت ضروری ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ لڑکی بن ٹھن کر لڑکے کے سامنے آتی ہے۔ اور میرے خیال میں پوڈر وغیرہ لڑکی کے حسن میں [illegible] ہے۔ کہ اس کے عیب چھپے رہتے ہیں۔

چھوٹی عمر کے لڑکے اور لڑکی کی شادی میں منگنی کیطرح بالواسطہ طور پر کیجاتی ہے۔ انکی شادی کی رسومات ایک مکان میں قریبی رشتہ داروں کی موجودگی میں ادا کی جاتی ہیں۔ وہ کسی مسجد یا معبد کیطرف نہیں جاتے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ ترکی میں گھروں کے دو حصّے ہوتے ہیں۔ ایک مردانہ اور زنانہ اور دونوں کے درمیان ایک لمبا راستہ ہوتا ہے۔

شادی کے دن یہ راستہ مستورات سے بھر جاتا ہے۔ اور تمام مرد اس مردانہ کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ جس کا دروازہ رستے کیطرف ہوتا ہے۔ ان مردوں میں دولہا کی خاطر سب سے زیادہ مطلوب ہوتی ہے۔ کمرے کا دروازہ جو رستہ کیطرف ہوتا ہے بند کر دیا جاتا ہے۔ دروست اور کمرے میں خاموشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ مردوں میں سے دلہن کا باپ اور اگر وہ نہ ہو تو خاندان کا کوئی بزرگ یا اس لڑکی کا ولی اٹھتا ہے۔ دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔ اور نہایت شائستہ اور جلال سے یہ سوال پوچھتا ہے "میری دختر نیک اختر ہم خدا اور رسول کے فرمان کے بموجب تمہارا فلاں ابن فلاں سے نکاح کرنے والے ہیں۔ کیا تم اسکو قبول کرتی ہو؟ اسطرف سے کوئی جواب نہیں دیتا۔ وہ متشکین پھر وہی سوال کرتا ہے۔ مگر پھر بھی صدائے برخاست کا معاملہ ہوتا ہے۔ وہ پھر کسی قدر غصّے سے دریافت کرتا ہے۔ اور اس دفعہ اس رستہ میں سے رونے کی آواز آتی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ لڑکی شرم کے مارے روتی ہے یا ان چٹکیوں کی تکلیف سے ایسا کرتی ہے۔ جو اس کی نابکار سہیلیاں اس کو بھرتی ہیں۔ اور جن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آگے سے جواب کیوں نہیں دیتی۔ اتنے میں دولہا کچھ بیتاب سا ہو جاتا ہے۔ اس کے چہرے پر غصّے اور رنج کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ وہ شخص پھر چوتھی دفعہ وہی سوال کرتا ہے۔ اور اس دفعہ دبی سی آواز میں بلی کریم کی آواز آتی ہے۔ اس آواز کے آتے ہی دولہا ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔ وہی شخص پھر اس کے پاس آتا ہے۔ اور اسی طرز میں سوال کرتا ہے۔ کہ کیا تم فلاں بنت فلاں کو قبول کرتے ہو۔ وہ جواب دینے میں ذرا بھی تساہل یا تامل نہیں کرتا۔ وہ اس موقعہ پر شرم و حیا کرنا شان مردمی سے بعید سمجھتا ہے۔ پس وہ اس آدمی کا ترت پھرت جواب دیتا ہے۔ اس کے بعد حاضرین نکاح کا اعلان کرتے ہیں۔ اور دعا کے

خیر مانگتے ہیں۔ اور دولہا کو مبارک باد دیتے ہیں۔ پھر وہ جلدی جلدی کابین نامہ لکھکر اُس پر دستخط کرتے ہیں۔ اور قاضی اُسکی تصدیق کرتا ہے۔ مگر نوجوان مناکحین زوجین (جوڑا) کو جب تک کہ ساری رسومات ادا نہ ہوں۔ ایک دوسرے کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اور یہ رسومات چند دنوں سے پہلے ختم نہیں ہوتیں۔ شادی کی رسومات میں ایک عجیب رسم یہ ہے۔ کہ دولہا کے دوست اُس کے پشت پر گھونسے ملتے ہیں۔ یہ رسم ٹرکی میں عام ہے۔ رسومات شادی ختم ہوچکنے کے بعد پہلی مرتبہ جب دولہا دلہن کا مُنہ دیکھنے جاتا ہے۔ تو اُس کے بے تکلف دوست اور رشتےدار زنانے کے دروازہ پر جمع ہوجاتے ہیں۔ اور اُسکی درازی عمر اور خوشحالی کی دُعا مانگتے ہیں۔ جب وہ اندر داخل ہونے لگتا ہے۔ وہ پیچھے سے مکے مارتے ہیں۔ اسکے ڈر سے وہ جلدی جلدی قدم اُٹھا کر اندر جاتا ہے۔ عام طور پر تو یہ توقع کیجاتی ہے کہ ہلکے ہلکے لگائے جائیں۔ مگر بعض نوجوان کنوارے دولہا کے برخلاف اپنی آتش حسد بجھانے کو اُسے ضرورت سے زیادہ سخت گھونسے مارتے ہیں۔ (گویا یہ شادی کی ساری رسومات قریباً قریباً ہمارے ملک کے مطابق ہیں۔ مترجم)

پردہ نشین فرقہ کا بیان ختم کرنے سے پہلے مجھے عورت دوکانداروں اور اُن کے طریقہ دوکانداری کا بھی کچھ ذکر کرنا ضروری ہے اور یہ بتانا بھی مطلوب ہے کہ جرمن میں جاکر وہ اپنی اشیاء فروختنی کی نمائش کرتی ہیں۔ اس ملک میں اور نیز اُن ملکوں میں جو دُنیا کی تجارت میں انٹرسٹ لیتے ہیں۔ بہت ہی کم اشخاص کو مشرق کی اُن عورت تجاروں کا علم ہوگا۔ تاہم مشرق کے وسیع ممالک میں جہاں عورتوں کا ایک بڑا حصہ پردہ نشین ہے۔ عورت دوکاندار بھی ہیں۔ جو اشیاء فروختنی لیکر امیر گھروں میں جاتیں اور اپنی چیزیں دکھاتی پھرتی ہیں۔ پہلے پہل یہ تجارت وہاں کی اصلی عورتیں کرتی تھیں۔ مگر کچھ عرصہ سے اب یورپین عورتیں بھی یا تو بمرضی خود یا چھوٹی چھوٹی یورپین کوٹھیوں کی ایجنٹ بنکر یہ کام کرنے لگی ہیں۔

آجکل جبکہ انگلستان کی تجارت کو عالمگیر کیے جانے کے وسائل زیر غور ہیں۔ تجارت کے اس طریقہ پر بھی بحث کرنا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ یہ خاص عورتوں کا حق ہے کیونکہ وہی اس طریقہ تجارت کو بخوبی سرانجام دے سکتی ہیں۔ البتہ تجارت کا یہ طریقہ صرف

مسلمان خاندانوں کے لئے ہی انتخاب کیا جا سکتا ہے جن میں سے دس کروڑ تو برطانیہ اعظم کے ماتحت ہیں۔ اور ظن غالب ہے کہ آئندہ زمانہ اس تعداد میں معتدبہ اضافہ کرے گا۔ مزید برآں دوسری سلطنتوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہے۔ انگلستان کے تجارتی اغراض کچھ کم نہیں۔ ممالک ایشیا میں انگریزی تجارت کو فروغ دینے کا سبق مشنریوں سے حاصل کیا جانا چاہئیے۔

بلاد شرقیہ میں مشنریوں کی کامیابی کا زیادہ تر کریڈٹ مشنری لیڈیوں کو حاصل ہے کیونکہ صرف وہی مشرق کی مستورات سے بات چیت کر سکتی ہیں۔ جس بات سے مذہب کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ اس سے تجارت کو بھی رونق ہو سکتی ہے۔ اور زیادہ مشنریوں نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر انہیں اصولوں پر تجارت کی ایسوسی ایشن قایم کی جائے تو بیش از بیش کامیابی نصیب ہو۔ ساتھ ہی اُن انگریزی تجارتی کوٹھیوں پر جن کا مشرق سے بڑا گہرا تعلق ہے ظاہر ہونا چاہئیے کہ اُن کی چیزیں فروخت کرنے اور دکھانے میں زنانہ ایجنٹ بہت ہی کار آمد ثابت ہونگی۔ بہت سی مسلمان عورتیں خرید و فروخت کے لئے بازاروں اور دکانوں کیطرف نہیں جا سکتی۔ اگر اون کو خانگی ضروریات کی چیزیں لیڈی ایجنٹوں کے ہاتھ بیچ دیجایا کریں۔ تو وہ یقیناً مستقل گاہک بنی رہیں گی۔ ٹرکی میں رومن کیتھولک ننوں نے (نن اوس مشنری عورت کو کہتے ہیں جو ساری عمر شادی نہ کرے۔ اور اپنی زندگی مذہب کے لئے وقف کر دے۔ مترجم) تجارت کا یہ ڈھنگ اختیار کر رکھا ہے۔ اور بہت سی مسلمان خاتونوں کو اونی مال، سوئیاں، جرابیں۔ اور تولیاں اور دیگر قسم کی اشیاء جو کارخانوں میں تیار کیجاتی ہیں مستقل گاہک بنا رکھا ہے۔ مسلمان خاتونوں میں اس قسم کی دکانداری کی ضرورت عام طور پر محسوس ہو رہی ہے۔ اور یورپین تکلفات اور اقتضائے زمانہ نے خانگی ضروریات اور ذاتی تکلفات میں بیش از بیش اضافہ ہو گیا ہے۔ اگرچہ کسی وقت خیال تھا۔ مگر اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یورپین رہائش زندگی اور معاشرت نے مشرقی مستورات کے پردہ کا کچھ بھی فرق نہیں ڈالا۔ اور موجودہ حالت میں خواہ کچھ ہی ہو مشرق کی مستورات اپنی خانگی اور ذاتی ضروریات کے باہم پہونچانے میں دوسروں کی دست نگر ہیں۔

ہاں انگلستان کی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ عورتیں خاوندوں - بہن بھائیوں - یا بیٹیوں
کو چیزیں خریدنے کے لئے بھیج دیں۔ مگر جیسا کہ اس ملک میں ہوتا ہے - خاوند - بھائی
بیٹے بہت حسب پسند چیز بھی نہیں لا سکتے - اور یہ بھی ممکن ہے کہ اگر چیز مطلوبہ لائی جائے
بھی تو یہی کچھ ہو - اس طرح کے سودے میں بہت سے فساد ہیں۔

دیہات کے رہنے والوں اور ادنےٰ طبقہ کے لوگوں کے علاوہ بڑے بڑے شہروں
میں صرف وہ خواتین خرید کے لئے بازاروں میں جاتی ہیں جو اعلےٰ تعلیم یافتہ ہیں اور
وہ بھی دکانوں کا ٹھیک اندازہ یا تو خود نہیں کر سکتیں یا کسی سے پوچھ نہیں سکتیں پہلے تو یہی کہ وہ
پردے اوڑھے ہوتی ہیں - غیر مردوں سے کلام کرنے کی عادت نہیں ہوتی۔ پس وہ تسلی اور دل
جمعی سے سودا نہیں کر سکتیں - اس کو بھی جانے دو - مشرق کی عورتیں دیسی بلکہ عورت
دکانداروں سے اپنے ہی گھروں میں سودا سلف لینے کو ترجیح دیتی ہیں۔ اور کہا جاتا ہے
کہ ایسی بات سے وہ اتنی ہی خوش ہوتی ہیں جتنی کہ اُن کی مغربی بہنیں۔ اکثر کہا جاتا ہے
کہ "مشرق ناقابل تغیر ہے" اور معلوم ہوتا ہے - اس فقرہ کا کہنے والا اصل حال سے مطلق
بے خبر ہے - کیونکہ مشرق اب وہ مشرق نہیں - وہ کروٹ بدل رہا ہے - اس کی تعلیم میں تغیر
عظیم واقع ہو رہا ہے - مغربی طریقے اور خیالات پھیل رہے ہیں - اور اُن کے ساتھ
ہی روزمرہ کی ضروریات اور حاجات بھی بڑھ رہی ہیں - ان ضروریات کو ہاتھ کی بنائی
ہوئی چیزیں پورا نہیں کر سکتیں - اور یورپین چیزوں کی مانگ دن بدن بڑھ رہی ہے - ہم
نے خود کتنی دفعہ - ٹرکی - قبرص - اور شام کے اپنے دوستوں کو انگلستان اور فرانس
سے بہت سی چیزیں جیسے کہ چاقو قینچیاں - چھتریاں ، صندوقچیاں - تعلیمی آلات - جیسے کہ
نقشہ نویسی کے آلات کے بکس وغیرہ اور بچوں کے کھلونے روانہ کئے ہیں - اسی پر کفایت
نہیں - ہمارے دوست بھی چیزیں اپنے دوستوں کے لئے منگاتے ہیں -

کوئی شک نہیں - یہ چیزیں بلاد مشرق میں دستیاب ہو سکتی ہیں مگر ہمارے دوستوں
کو معلوم ہی نہیں کہ وہ کہاں بکتی ہیں - اور عورت دکانداروں کے سٹور میں یہ چیزیں
آجاتی ہیں - اس وقت عورت تاجروں کے لئے ان چیزوں کی فروخت کرنے کا عمدہ
موقع ہے - مصنف کی باطنی خباثت کا ثبوت تو اسی سے مل گیا ہوگا - کہ وہ غیر ملک
کی تجارت کو فروغ دینے کی تجاویز سوچتا ہے - اور اپنی ملکی تجارت کو ترقی دینے

کا کوئی خیال ہی نہیں کرتا۔ اور نہ اپنے بھائیوں کو غیروں کی تجارتی ترقی کا حال سنا کر غیرت دلاتا ہے۔ بلکہ ان کو غیر ممالک کی چیزوں کے خریدنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خدا ایسے سیاہ باطنوں کی شرارت سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ مترجم)

چوتھا باب

میرا قسطنطنیہ جانا اور مزید تعلیم پانا

سفر کی صعوبتیں۔ ڈاکوؤں کے خوف سے حفظ ماتقدم۔ دیہات کی مہمان نوازی۔ سرائے اور ہوٹلوں کی خراب حالت۔ دولت عثمانیہ کا پہلا دارالخلافہ بروصہ تھا۔ قسطنطنیہ۔ یورپین کو اثر ہو دیکھ کر اس کا پہلا اثر۔ میری تعلیم کا مسئلہ۔ قدیم اور جدید درسگاہیں۔ مجھے قدیم درسگاہ میں داخل ہونے پر مجبور کیا جانا۔ میں ایک طرح راہب میں جاتا ہوں۔ لباس کا امتیاز۔ قدیم درسگاہوں کی حالت۔ علماء ان کی پوزیشن اور اقتدار۔

جیم سے فارغ ہونے کے بعد میں ایشیائے کوچک میں اپنے چچا کے گھر زیادہ عرصہ نہ رہا۔ کیونکہ میرے چچا نے پھر قسطنطنیہ کی رہائش اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اپنی تعلیم جاری رکھنے کے لئے مجھے اُس کے ساتھ جانا ضروری تھا۔ چچا کے گھر میں ہر ایک فرد بشر سفر کے لئے اسباب وغیرہ باندھنے میں مصروف ہوا۔ میری چچی نے میرے نئے کپڑے سلوائے اور سفر میں (جو سات دن تک رہتا تھا) کھانے کے لئے ہر قسم کی اشیاء خوردنی تیار کیں۔ لیکن میرے چچا نے مجھے یہاں سے گھر جانے کی اجازت نہ دی۔ میں صرف خط کی کیفیت اُسی کو لکھ جاتا۔ وہ میری جدائی کے خیال سے ہمیشہ مغموم اور اداس رہتی۔ اس کے پاس صرف ایک دو سال کا بیٹا رہ گیا۔ میرا بڑا بھائی دو سال قبل اپنی تعلیم جاری رکھنے کو اس شہر کی طرف چلا گیا ہوا تھا۔ جہاں میں بھی جانے کو تیار بیٹھا تھا۔ اس وقت ہمارے شہر اور بحرہ مارمورا کے ایشیائی ساحل کے درمیان ریلوے جاری نہ تھی۔ بس یہیں چھ بیل گاڑیوں میں جنگ کریمیا کے تاتاریوں نے ہمارے وہاں رائج کیا تھا۔ سفر کرتا تھا۔

یہ گاڑیاں لندن کی اُن گاڑیوں سے مشابہ ہیں جن پر اسباب وغیرہ ڈھوتے ہیں۔ ان گاڑیوں پر سفر کرنا سخت زحمت اور تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کیونکہ کمانیاں اعلیٰ درجہ کی نہیں لگی ہوئیں۔ سخت ہچکولے لگتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے گاڑی کے اندر چٹائیاں بچھا لیتے ہیں۔ مگر پھر بھی سخت تکلیف ہوتی ہے۔ ان دنوں میں یہ بڑا غضب تھا کہ سڑکیں بھی خراب تھیں۔ مگر اب بھی ان کی حالت چنداں بہتر نہیں۔ پندرہ سال ہوئے گورنمنٹ نے ایک حکم نافذ کیا کہ ہر قابل شخص سال میں چار دن شہروں کی درمیانی سڑکوں پر کام کرے۔ اور جو کام نہ کرے۔ اتنے دنوں کی مزدوری داخل خزانہ کرے۔ بعض لایق گورنروں نے سڑکوں کی حالت ٹھیک کرنے میں پیش از پیش جد وجہد کی۔ مگر وہ افسر جو شاہی محل سے مقرر ہو کر آئے۔ اور جنکی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس حکم سے ناجایز فائدہ اٹھانے لگے۔ اور جو روپیہ مزدوری کی عوض سے آیا خود ہضم کر گئے۔ اس طرح سڑکوں کا بہت سا حصہ جیسا کا ویسا خراب وخستہ حالت میں پڑا رہا۔ اور جو حصے درست بھی ہوئے بروقت مرمت نہ کرتے رہنے سے پھر اُسی حالت میں ہو گئے۔ عمدہ سڑکیں بھی سفر میں بڑی آسانی پیدا کر دیتی ہیں۔ اور سلطان اس بات کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔ کہ اس کی سلطنت میں عمدہ سڑکیں ہونے کے باعث غیر ممالک کے سیاح اُس کے ملک میں سفر کر کے اصلی حالات سے آگاہ ہوں۔ اور انگریز و امریکن سیاحوں کے تو نام سے وہ گھبراتا ہے۔ کیونکہ اُس کی عملداری میں جابجا ویران اور غیر آباد قطعے پڑے ہیں جو اگر ان کی اصلاح ہو تو زمین رشک گلزار ہو۔ بھلا وہ کیسے پسند کر سکتا ہے کہ اس کی رعایا کے افلاس کا مقابلہ وہ اپنے متمول سے کریں۔ (لعنت اللہ علی الکاذبین) ہر ایک شخص جانتا ہے کہ عمدہ سے عمدہ سڑکیں ریلوے کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ جب سلطان نے عرب جیسے غیر آباد ملک میں ریلوے کا جال پھیلا دیا ہے۔ بھلا اُس پر یہ الزام عاید ہو سکتا ہے۔ کہ وہ سڑکیں اس لئے نہیں بنواتا کہ انگریز و امریکن سیاح اُس کی عملداری کے حالات سے باخبر ہو جائیں۔ یہ سلطان جب سے سریر خلافت پر رونق افروز ہوا ہے۔ اُس نے سلطنت میں توسیع ریلوے پر پیش از پیش زور دیا ہے۔ اسوقت کم وبیش سلطنت کے ہر حصہ میں ریلوے جاری ہے۔ اور جہاں نہیں۔ وہ زیر تعمیر ہے۔ کامل آگاہی کے لئے ناظرین کو بست سالہ عہد حکومت سلطان عبد الحمید۔ واقعات سلطنت عثمانیہ

کی موجودہ حالت اور آپس کی بات چیت اور ریاستیں مصنفہ جو مولانا مولوی محمد انشاء اللہ خان صاحب ایڈیٹر اخبار وطن لاہور کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔ اور ساتھ ہی سلطنت ٹرکی کی جاری شدہ اور مجوزہ ریلوے لائنوں کے جو نقشے حمیدیہ ایجنسی لاہور نے شائع کئے ہیں۔ وہ دیکھنے چاہئیں۔ ہم حیران ہے۔ کہ اس نام نہاد مسلمان نے اسقدر جھوٹ اور ہذیان بکنے پر کیوں کمر باندھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہ شخص فطری بداندیش اور سیاہ باطن ہے۔ اور نیش عقرب نہ از پے کین است۔ مقتضائے طبیعتش این است کا قول بالکل اسی پر صادق آتا ہے۔ اے خدا۔ تو ہمیں ایسے شخصوں کے راستے جن پر تیرا قہر نازل ہو رہا ہے بچا۔ مترجم)

آخر روانگی کا دن آن پہنچا۔ اور ہم جوبیہ کانت بول پر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو لیے۔ ہم نے بارہ گاڑیاں کرایہ پر لیں۔ مستورات اور ان کے اسباب کے لئے اور پانچ مردوں کے واسطے۔ ذی حیثیت آدمی جو قیمتی اسباب لیجاتے ہیں جنگی پولیس کے چند آدمی حفاظت کے لئے ساتھ لے لیتے ہیں۔ ہم نے بھی تین چند آدمی (جنگی پولیس کے سپاہی۔ مترجم) .... حکام سے اپنے ساتھ لے لئے۔ یہ بات ڈاکوؤں کے خوف سے کی جاتی ہے۔ جو ایشیائی ٹرکی کے پہاڑی علاقوں میں جہاں آبادی کم ہے جہاں تنہا مسافروں پر چھاپا مارتے رہتے ہیں۔ مگر یہ ڈاکو ترک نہیں ہوتے۔ اور ہم کہتے ہیں اب ڈاکو بھی بالکل نہیں ہوتے۔ ممکن ہے موجودہ سلطان سے پہلے یا روس کے ساتھ جنگ کے اثنا میں یا اس سے کچھ عرصہ بعد تک جنگی شریر قبائل ڈاکے مارتے ہوں۔ مگر اب تو یہ حالت ہے کہ سونا اچھالتے ہوئے چلے جاؤ۔ کوئی یہ بھی نہیں پوچھتا۔ کہ تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں۔ اور باقی رہی معمولی چوری چکاری یا رہزنی۔ سو وہ کہاں نہیں ہوتی اور ہمارا خیال ہے جب تک دنیا ہے یہ باتیں بھی کم و بیش رہیں گی۔ مترجم) جہاد کے دنوں سے یورپ کے بے خبر لوگ ترکوں کو تعصب کی نگاہ سے دیکھتے آئے ہیں۔ اور اب بھی دیکھتے ہیں۔ پس جب کبھی ٹرکی میں وہ کسی ڈاکے کی خبر سنتے ہیں۔ تو جھوٹ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ ضرور ترک ڈاکو ہیں۔ انہوں نے ہی ایسا کیا ہوگا۔ حالانکہ دیہاتی ترک جیسے ایماندار دیندار ہیں۔ ترک دیہاتی ایسے نہیں ڈاکے ڈالتے۔ ہاں کرد ہیں جو ایشیائے کوچک کے مشرقی گوشہ میں بہ تعداد کثیر آباد ہیں۔ ہاں یونانیوں سے

بھی ہراساں نہ تھے۔ ہم نے تو جو یہ احتیاط بطور ما تقدم کی تھی محض ان مہاجرین کے ڈر اور خوف سے کی تھی۔ جو زیادہ تر کیشنی ہیں۔

روزانہ سفر کے مطابق ہم کو پہلا مقام اس چھوٹے قصبہ میں کرنا چاہئے تھا۔ جو تیرہ گھنٹہ کی مسافت پر آباد ہے۔ مگر ہم نے ابھی نصف مسافت ہی طے کی تھی کہ کوچبان کہنے لگا۔ ہم اپنے گھوڑوں کو زیادہ تھکانا نہیں چاہتے۔ اور ساتھ ہی مستورات نے شام ہونے کی وجہ سے آگے سفر کرنا پسند نہ کیا۔ لہذا ہم نے ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقام کیا۔ اس گاؤں میں ہم کو رات کاٹنے کے لئے کافی کمرے نہ مل سکے۔ اگرچہ گاؤں کے چودھری بڑے مہمان نواز تھے۔ مگر ہم تعداد میں زیادہ تھے وہ اتنے مہمانوں کی میزبانی کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ (ترک دیہاتیوں کا مہمان نوازی کا وصف پیدائشی ہے) ترک دیہاتی پیدائشی مہمان نواز ہیں۔ وہ راہ گذر اجنبیوں کو دعوت دینے سے از بس خوش ہوتے ہیں۔ اور عوض میں اپنے مہمان سے کسی قسم کی اجرت لینے کے روادار نہیں ہوتے۔ ان یورپینوں نے جو ایشیائے کوچک میں سفر کر چکے ہیں۔ اس بات کا اکثر ذکر کیا ہے۔ مگر جس گاؤں میں ہم پہلی رات رہے۔ وہاں کے لوگوں نے ہماری مہمانی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ اس ملک کے لوگ پکے مہمان نواز ہو بھی نہیں سکتے۔ اس صوبہ میں جتنے افسر سلطان کی طرف سے مقرر ہو کر آتے ہیں۔ بڑے عیال دار ہوتے ہیں۔ قسطنطنیہ سے آتے ہوئے یا اس طرف جاتے ہوئے مہمانی کا لطف وہ خود اٹھاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایسا کرنے سے وہ سلطان کی نمک حلال اور خیرخواہ غلام سمجھے جانے سے اسکا فرض واجبی ادا کر کے ثواب عظیم حاصل کر لیتے ہیں۔

اگرچہ میرا چچا اک عہدہ دار تھا۔ مگر وہ غریب گاؤں والوں پر ایسا تاوان لگانا پسند نہ کرتا تھا۔ کیونکہ وہ خود ایشیائے کوچک کا باشندہ تھا۔ اور اپنے ہموطن کو تکلیف دینا انسانیت سے بعید سمجھتا تھا۔ تاہم ہم نے چند شخصوں سے مٹی گارے کے بنے ہوئے چند کمرے خالی کرائے مجھے اور تین اور شخصوں کو ایک طویلے کے بالاخانے میں جس میں چند بیل بچھڑے اور گدھے بند ہوئے تھے۔ اور جس میں ایک چراغ دھیمی سی روشنی ڈال رہا تھا۔ سونا پڑا۔ میرا خیال ہے۔ ایشیائے کوچک کے وہ انگریز

سیاح جوان یا لاخانوں اور مولیشیوں اور حیوانوں کے شور اور ان کے سانس کی بو کی شکایت کرتے ہیں میں طرح ہی قابو آ گئے ہوں گے۔ مگر میں نے تو لب شکایت وا نہیں کیا۔ کیونکہ میں مشکلات کا عادی ہونا چاہتا تھا۔ اور مزید برآں میں نے سنا تھا اور میرا خود بھی خیال تھا کہ طویلے میں سونا صحت کے لئے از بس مفید ہے۔ بچکولے لگانے والی گاڑی میں دن بھر سفر کرنے میں چکنا چور ہو گیا تھا۔ اور لیٹتے کے ساتھ ہی گہری نیند کی آغوش میں چلا جانا یقینی تھا۔ مگر میں لیٹا ہی تھا کہ سینکڑوں پسوکوئی اوپر سے گر کر کوئی نیچے سے اٹھ کر مجھ پر حملہ آور ہو گئے۔ اور میری نیند کو قطعی حرام کر دیا۔ تنگ آ کر میں نے گاڑی میں جا کر سونے کا ارادہ کیا۔ اپنا کمبل لیکر میں اسطرف چلا۔ مگر جب باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تین بڑے موٹے تازے رکھوالے کتے گاڑیوں کے پاس لیٹے ہوئے ہیں۔ بھلا ان کو دیکھ کر آگے جانے کی کون جرات کرے۔ وہیں سے واپس ہوا۔

بھیڑوں اور بیشمار بکریوں کو چوروں اور بھیڑیوں کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کیلئے ان کتوں کو ایسے ڈھنگ سے پالا جاتا ہے کہ وہ درندوں سے بڑھ کر خونخوار اور تند خو ہو جاتے ہیں۔ رات کے وقت جس اجنبی کو گاؤں میں پاتے ہیں پھاڑ کر اسکی بوٹی بوٹی کر دیتے ہیں۔ وہ بڑے مضبوط اور زوردار بھورے رنگ کے ہوتے ہیں۔ چمڑا ان کا ریشم جیسا نرم اور چمکدار ہوتا ہے۔ بکریوں کے مالک ان کتوں کے گلوں میں نوکدار پٹا باندھ دیتے ہیں۔ کیونکہ جب کبھی بھیڑیے کتوں پر حملہ کرتے ہیں تو ان کو گلے یا حلق سے پکڑتے ہیں۔ یہ نوکدار پٹے کتوں کو حملہ آوروں کے تیز دانتوں کے زخموں سے محفوظ رکھتے ہیں۔

اس گاؤں میں جوں توں رات کاٹکر نور کے تڑکے ہم دوسرے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ مسافروں کے دستور کے مطابق ہم ایک رئیس کے یہاں مہمان ہوئے اور قومی مہمانی کا لطف اور حظ اٹھایا۔ شہروں میں جس قسم کی مہمانی صرف ان لوگوں کی کی جاتی ہے۔ جو صاحب خانہ سے تعارف رکھتے ہوں یا میزبان کسی دوست کا سفارشی خط لائے ہوں۔

سفر کی تیسری رات ہم نے ایک کسان کے گاؤں میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا۔ مگر پہنچ کر

معلوم ہوا کہ وہ اپنے گھروں کا قفل لگا کر معہ مال و اسباب پاس کے سبزہ زار میں جہاں
وہ نہایت خوشنما خیمے میں چلے گئے ہیں۔ ہم اُس سبزہ زار کی طرف روانہ ہوئے اور رات
ہم نے خیموں میں بسر کی۔ یہ خیمے سیاہ بکریوں کی اون کے بنے ہوئے تھے۔ اور ہمکو ان نیم خانہ
بدوش ترکمانوں نے رات کی رات عاریتاً دئے تھے۔ اس مہربانی کے عوض میں ہم
ان کو کچھ نقدی دینی چاہی۔ مگر وہ ہماری اس بات سے خفا ہو گئے۔ پس ہم نے ان کو
چند شہری تحفے بطور شکرانہ نذر کئے۔ چوتھی رات ہم نے ایک بڑے شہر میں کاٹی۔
ہوٹل ووٹل کی قسم سے کوئی مکان وہاں موجود نہ تھا۔ ساحل اور ریلوے لائنوں
کے بڑے بڑے شہروں کے علاوہ دوسرے شہروں میں ہوٹل نہیں ہیں۔ اگر
ہیں تو وہ معمولی مکان ہیں۔ کہ انکو ہوٹلوں کا نام دے دیا گیا ہے۔ یہ مکان شہر کے
پر رونق حصّے میں واقع ہیں۔ اور دیسی عیسائی انکا اہتمام کرتے ہیں۔ وہ دراصل
شراب خانے ہیں۔ انہیں ہمیشہ شرابی متوالے ہو کر مستیاں کرتے رہتے ہیں۔ بھلا ایسے
مکانوں میں شریف عثمانی کیسے ٹھہر سکتا ہے۔ اگر مسافر کے پاس کسی شریف آدمی کے
نام تعارفی خط نہ ہو تو وہ ایسے ہوٹلوں کی نسبت خان یا سرائے میں رات گذارنے کو بہ
درجہ ترجیح دیگا۔ ان سرائیوں کے کمرے ضروری اسباب سے نہیں ہوتے ہیں۔ اور غایت
درجہ کے غلیظ اور گندے ہوتے ہیں۔ اصل میں وہ حشرات الارض کیڑوں مکوڑوں اور
بچھوؤں کی سکونت گاہ ہوتے ہیں۔ اور دو راتیں بسر کر کے چھٹے دن کی شام کو ہم بروصا
میں پہنچے۔ بروصا میں ہم نے چند دن قیام کیا۔ یہ شہر خوبصورت مسجدوں۔ خانقاہوں اور
مزاروں سے پُر شاندار معلوم ہوتا ہے۔ بڑے بڑے حمام گرم چشموں پر بنے ہوئے ہیں اور دیکھنے کے
قابل ہیں۔ بروصا سلطنت عثمانیہ کے بزرگ شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ پہلے یہی عثمانی سلطانوں
کا صدر مقام رہا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے جب سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کر لیا
تو اس نے بروصا سے پچاس ہزار ترک خاندان تخت دار الخلافہ میں لئے۔ بروصا سے ہم
بحیرہ مارمورا پر آئے اور کشتی پر بیٹھ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے۔

اسلامبول کے جس حصّہ میں میرے چچا نے سکونت اختیار کی وہ فاتح قسطنطنیہ
محمد ثانی کی جامع مسجد کے پاس آباد تھا۔ اس حصّہ میں زیادہ تر پرانے خیالات کے ترک
رہتے ہیں۔ میرے چچا نے مجھ کو اور اپنے بیٹوں کو شہر کی سیر کرنے کے واسطے دو ہفتوں کی چھٹی دی

ایک دن پیرا دیکھنے کے لئے ہم کو سینگ طلائی کیطرف جانے کی اجازت ملی۔ (قسطنطنیہ کے مفصل حالات دیکھنے کا شوق ہو تو کتاب قسطنطنیہ جلد اوّل و دوم مولوی محمد انشاء اللہ خانصاحب کا مطالعہ فرمادیں۔ مترجم) اس شہر میں یورپین رہتے ہیں۔ ہم پیرا کی رونق اور اس کے مکینوں کی خوشحالی اور تمول دیکھکر دریائے حیرت میں غوطہ زن ہوگئے۔ جب ہم ان لوگوں کی خوش قسمتی پر دل ہی دل میں حسد سے جلکر کباب ہو رہے تھے۔ ہم کو ہمارے بوڑھے رہنما نے کہا کہ ایماندار اس دنیاوی ترقی اور جاہ وحشمت پر تف بھی نہیں کرتا۔ اور اس نے یہ حدیث پڑھکر سنائی کہ یہ دنیا کافروں کے لئے بہشت ہے۔ اس حدیث نے جو بالکل غلط ہے۔ اور خواہ مخواہ رسول صلعم سے منسوب کیجاتی ہے (راضی برضا ہونے کے اصول میں بڑی تقویت دی ہے۔ (یعنی قسمت کے اصول میں) اور اہل مشرق کا ایک ہی جگہ ساکن رہنا اور ترقی کیطرف جنبش نہ کرنا قسمت پر یقین رکھنے کیوجہ سے ہے (دروغگو را حافظہ نباشد۔ ابھی آپ اوپر کہہ آئے ہیں کہ اہل مشرق کروٹ بدل رہے ہیں۔ اور ان میں تغیر عظیم پیدا ہو رہا ہے۔ اور ابھی چند صفحے بھی نہ گذرے کہ ٹھہرا مارا گدھا ایک جگہ کھڑے ہیں۔ زمین جنبد نہ جنبد گل محمد والی بات ہو رہی ہے۔ ناظرین ذرا خیال کریں یہ شخص مسلمان کو حقیر جتانے کے لئے کتنے پہلو بدل رہا ہے۔ مترجم)

تاہم جب ہم پیرا سے واپس ہوئے تو ہمارے خیالات میں ایک تغیر عظیم پیدا ہوگیا کیونکہ ہم نے یورپین زندگی کا تاریک پہلو بھی دیکھ لیا۔ یورپین حصہ کی بڑی آبادی یونانیوں، پولنڈیوں، سوانڈیوں، اطالیوں اور مالٹیوں پر مشتمل ہے یہاں گنہگاروں کا جم غفیر دیکھ لیجئے منہ کالے کیے بیٹھے۔ انکی حالت ہے۔ بعض تو ہمیشہ ہی شراب میں غرق رہتے ہیں۔ ان کے چہرے اور بشرے انکی خباثت باطن کا اظہار کرتے ہیں یہیں ہم نے ایسے گھر دیکھے کہ ان کی برآمدوں میں لفنگے برہنہ اور منقش جانور بیٹھے ہیں۔ یا دروازوں کی دہلیزوں پر کھڑے ہیں۔ اور ہر گذرنے والے کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ (مصنف کا مطلب بازاری عورتوں سے ہے۔ مگر ہمیں اندیشہ ہے۔ حضرت جنکو کتاب میں برائی سے یاد کرتے ہیں۔ کبھی ان ہی کے سبز باغ دیکھ کر لندن کے شیشے میں نہ اتر گئے ہوں۔ مترجم)

بازار مصر میں چل یوسف کا سامنا کر
کھوٹے کھرے کا سودا کھل جائیگا چلن تک

اس حصہ میں ہم نے شراب کی دو کانیں دیکھیں اور کیا دیکھا۔ یہ دیکھا کہ انمیں جاہل ملّاح۔ یونانی چور۔ لڑاکے مالٹی۔ اور یورپین سوسائٹی کے ننگ ناموس ایک دوسرے پر پلے پڑتے ہیں۔ تمام کے تمام شراب سے کم و بیش متوالی ہو رہی تھی۔ بہت سے خنجروں اور ریوالوروں سے مسلح تھی۔ ان وحشیوں میں سے کوئی بھی ملک کے قانون اور وہاں کی پولیس سے نہ ڈرتا تھا۔ کیونکہ وہ انکی دست برد سے باہر تھے۔ اور اپنے اپنے ممالک کی سفارتوں کے ماتحت تھے۔ (اے بے شرم و بے غیرت مسیح الکتاب کاش اس ایک واقعے ہی سے ہوش میں آ جائے۔ کیا یورپینوں کے اسی انصاف اور تہذیب پر تو مرا جاتا ہے۔ کہ ترکوں کو ان کی تقلید کرنے کو کہتا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں یورپ کی نیکیاں موجودہ عثمانی فرمانروا اپنی قوم میں پیدا کر رہا ہے۔ مگر ان کی برائیوں سے بچنے کی تاکید کرتا ہے۔ مترجم)

ہم اس خرافات کو دیکھکر سخت بدمزہ ہوئے۔ اور عام مسلمان سمجھتے ہیں کہ عیسائی ہوتے ہی ایسے ہیں۔ مسلمان بیچارے کیا کریں۔ انمیں سے بھی جسکو یورپین تہذیب کی ہوا لگجاتی ہے وہ بھی شتر بے مہار ہو جاتا ہے۔ (تو اپنی طرف ہی دیکھ۔ کہ کیا کر رہا ہے۔ اور تیری ینگ ٹرکش پارٹی کے ممبر کیا کچھ خرافات کر رہے ہیں۔ مترجم) (یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ یورپین تہذیب کی بری باتیں تو آناً فاناً پھیل جاتی ہیں۔ مگر اسکی نیک باتیں مشرقیوں پر اثر نہیں کرتیں) (یہ بھی تیرا غلط خیال ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ جو شخص صرف انکی نیکیاں اخذ کرتا ہے اسکو تیرے جیسے بدباطن ترقی و تہذیب سے ہٹی بتاتے ہیں۔ حالانکہ وہ یورپین سے بھی ہزار درجہ بہتر ہوتے ہیں۔ تو حضرت سلطان عبدالحمید کے درپے کیوں ہو رہا ہے آخر اسی بات کیلئے نہ کہ جلالت مآب زور دیتے ہیں کہ یورپ کی نیکیاں حاصل کرو مگر انکی برائیاں انہیں کیواسطے رہنے دو۔ خذ ما صفا و دع ما کدر کے اصول پر کاربند ہونے کی ہدایت کرتے ہیں۔ مترجم) اس سیر کے بعد مجھے عرصہ دراز تک یورپین کوارٹر کیطرف جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ مجھے اپنی تعلیم شروع کرنی پڑی۔ میرا چچا اب اس سوچ میں پڑا کہ مجھکو اور میرے چچا زاد بھائیوں کو کسطرح کی تعلیم دلائی جائے ترکی میں اعلیٰ تعلیم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قدیم ایک جدید۔ قدیم قسم کی تعلیم پانے کا لحاظ

یا مدرسوں میں جنکا میں پہلے ذکر کر آیا ہوں۔ دیجاتی ہے۔ اسباب میں کئی ان مدرسوں کا مزید ذکر کرونگا۔ جدید قسم کی تعلیم نئے سکولوں اور کالجوں میں دیجاتی ہے۔ اس قسم کے اسکول اور کالج قسطنطنیہ میں بہت ہیں۔ ان نئی درسگاہوں میں قدیم مدرسوں کے برخلاف موجودہ زمانہ کی حسب ضرورت ہر قسم کی تعلیم دیجاتی ہے۔ ملٹری اکیڈیمی (اعلی مدرسہ) کے علاوہ فوجی کالج۔ بحری کالج۔ ملکی و جنگی میڈیکل کالج۔ نشاہی لاس جنہیں سے بعض پچاس ساٹھ سال سے قائم ہیں۔ لا سکول (قانون سکھانیکا مدرسہ) انجینیرنگ کالج اور کئی دیگر کالج ہیں۔ جو ابھی ابھی قائم کیئے گئے ہیں۔ دو سال ہوئے قسطنطنیہ میں ایک یونیورسٹی بنانے کی تجویز ہوئی تھی۔ مگر موجودہ سلطان ایسی تجویز کو جس سے یورپین علوم کی اشاعت ہو منظور نہیں کر سکتا۔ (تو کیا وہ کالج جو ابھی ابھی قائم ہوئے ہیں۔ اور یورپین فیشن کے سکول اور کالج تیرے باپ نے قائم کئے ہیں۔ کیا تو اس سلطان پر یہ الزام لگاتا ہے جسنے ایسے حالات میں بھی جبکہ روسی فوجیں فتح و ظفر کے پرچم اُڑاتی ہوئیں قسطنطنیہ کیطرف بڑھ رہی ہیں۔ اور امیر و وزیر بروصا کیطرف بھاگ جانے کی صلاح دیرہے تھے حمیدیہ یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا۔ ناظرین یہ سنکر ضرور متعجب ہونگے کہ جب سلطان نے یورپین طرز کی تعلیم دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور اس غرض سے منشور سلطانی صادر ہو گیا۔ تو عبد اللہ نے جو اسوقت شیخ الاسلام تھا۔ یورپینوں سے رشوت لیکر اس تعلیم کے برخلاف خلاف مذہب ہونیکا فتویٰ دیا تھا۔ مگر واہ رے سلطان تیری فہم و فراست کے قربان جائیے۔ تو ان سب مشکلات پر غالب آیا۔ اور اپنی سلطنت میں موجودہ تعلیم رائج کر کے ہی چھوڑی۔ اس سلطان کے عہد میں پچاس ہزار کے قریب ابتدائی اور رشدی مکتب قائم ہوئے ہیں۔ مگر اس محرم ترک کی دلیری دیکھئے کہ ہاتھ سے آفتاب کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ مترجم)

پہلے پہل ان کالجوں سے بہت سے نوجوان ہر علم میں طاق ہو کر نکلے تھے۔ مگر عبد الحمید کے اس مصمم ارادہ نے کہ جسطرح ہوسکے سرکش خیالات یا آزادی کے خیالات کو بیخ و بن سے اکھاڑا جائے۔ ان کالجوں اور سکولوں کے مفاد میں بڑا فرق ڈالدیا ہے (چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ ارے پہلے مالش عبد الحمید سے پہلے موجودہ علوم و فنون کے کالج ہی کب تھے کہ ان سے نوجوان باہر ہو کر نکلتے تھے۔ دیکھو یہی غضب خدا۔ جس شخص نے تعلیم کا سنگ بنیاد رکھا۔ آپ پر یہ شخص الٹی لے دے کرتا ہے۔ مترجم)

میری اپنی خواہش تو یہ تھی کہ امتحان داخلہ کی تیاری کر کے ان ٹیکنیکل کالجوں میں سے
کسی ایک میں داخل ہوں۔ چونکہ میرا بڑا بھائی ایک نئے کالج میں داخل ہو چکا تھا
چچا نے مجھے مدرسہ میں داخل ہونے کی رائے دی۔ چونکہ ہم کو ابھی تک اپنی ضبط شدہ جاگیر
کے واپس ملنے کی امید تھی اور اس پر قابض ہونے کے لئے اپنے دادا کی طرح مذہبی علوم میں
ماہر ہونے کی ضرورت تھی۔ میرے چچا نے اس بات پر زور دیا کہ مجھے اپنی مذہبی تعلیم
کو کسی مدرسہ میں درجہ تکمیل کو پہنچانا چاہیئے۔ اگرچہ میں اس بات کو پسند نہ کرتا تھا۔
تاہم چچا کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔ میں ایک مدرسہ میں جو سنت صوفیہ کی چھوٹی مسجد
سے متعلق ہے (اس مسجد کو یورپین سیاح بڑی سنت صوفیہ کی مسجد کی طرح شوق سے
دیکھتے ہیں) چلا گیا اور ایک کمرے میں استاد کے ساتھ رہنے کی تیاریاں کرنے لگا۔
جب کوئی شخص ان قدیم درسگاہوں میں داخل ہوتا ہے۔ تو اسکو خاص ڈھنگ
کی پگڑی اور لمبا چوغا پہننا پڑتا ہے۔ اور اگر داڑھی ہے تو اسکو لمبی رکھنا ضروری ہے
اور سر کا منڈوانا لازمی ہے۔ میرے لئے ایک پگڑی اور ایک چوغہ مہیا کیا گیا۔ اور میرے
چچا نے ایک نوکر کے ساتھ مجھ کو ایک حجام کی دوکان پر سر منڈانے کیلئے بھیجا۔ سر کے
گھنے بالوں کا منڈوانا سخت تکلیف دہ ہوتا ہے جب حجام نے میرا سر مونڈنا شروع کیا
میری آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اسکی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں سر منڈوانے
کا عادی نہ تھا۔ مجھے سخت تکلیف ہوئی تھی۔ دوسرا یہ خیال کہ مدرسہ میں راہبوں کی زندگی
بسر کرنی ہوگی۔ جو سخت رنج دیتا تھا۔ شکر ہے اس شخص نے مولوی بننا پسند نہ کیا ورنہ
کئی ہندی مولویوں کی طرح مذہب کی مٹی خراب کر کے مسلمانوں کو تباہی کے غار میں
ڈھکیل دیتا۔ مترجم) دوسرے دن میں اپنے اسباب کے ساتھ سکول میں گیا۔ مگر
کئی ماہ تک میں نے اپنی تعلیم شروع نہ کی۔ کیونکہ سر منڈانے سے مجھے زکام ہو گیا۔ اور
اس کے باعث سخت سر میں درد شروع ہو گیا۔ میں اس سکول کی مصیبت زدہ
زندگی کو کبھی فراموش نہ کرونگا۔ یہاں مدرسہ اور اسکی طرز تعلیم کا ذکر کرنا خالی
از دلچسپی نہ ہوگا۔ قسطنطنیہ میں ایک سو سے زیادہ مدرسے ہیں (خیال رہے۔ مدرسے سے مصنف
کی غرض قدیم طرز کے سکول سے ہے۔ مترجم) سلطنت کے دوسرے بڑے بڑے شہروں میں چند
ایسے مدرسے موجود ہیں۔ یہ پرانے طرز کے سکول ٹرکی کے ساتھ ہی مخصوص

نہیں ہیں۔ بلکہ مصر ایران اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی پائے جاتے ہیں۔ شروع میں یہ مدرسے صرف مذہبی تعلیم کی غرض سے قایم نہیں کئے گئے تھے۔ بلکہ اُسوقت کے جتنے علوم کہ ایشیا میں معلوم تھے۔ ان میں سکھائے جاتے تھے۔ قسطنطینہ میں تاہنوز ایسے مدرسے قایم ہیں کہ اپنے پرانے ناموں سے ہی مشہور ہیں جیسے کہ مدرسہ طب۔ مدرسہ تاریخ وغیرہ وغیرہ

یہاں مسلمان آبادی کے دو حصے تھے جُہلا اور علماء۔ اگرچہ ان مدرسوں میں تعلیم مذہبی اصولوں پر دی جاتی تھی۔ تاہم صرف علماء ہی فقیہہ نہ ہوتے تھے۔ یہ علماء پادری نہ تھے کیونکہ اسلام میں مذہبی پیشواؤں کی ضرورت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ آنحضرت فخر انبیا محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر فرما دیا ہے دو اسلام کو پادریوں کی ضرورت نہیں۔ زمانہ کی رفتار کیساتھ انسانی علم بھی بڑھتا گیا۔ وسطی زمانہ میں جو ترقی مسلمانوں نے حاصل کی تھی اُن میں تنزل آنا شروع ہو گیا۔ مگر علماء عربی زبان پڑھانے میں مصروف رہے اور اسی کے ذریعہ دینی اور دنیاوی تعلیم دیتے رہے۔ اور روم اور مصر جیسے ممالک نے یورپین علوم کے حاصل کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا۔ اور مغربی ڈھنگ پر مختلف علوم و فنون کے سکول اور کالج قایم کئے۔ دولت عثمانیہ میں علماء پہلے پروفیسر اور جج ہوتے تھے۔ مگر اب نہیں۔ اب انکی پوزیشن ایک خاص قسم کی ہے۔ جو نصارا پادریوں سے ملتی جلتی ہے۔ کوئی شک نہیں۔ یہ جماعت (یعنی علماء کی) ابھی تک پرانے خطابوں سے ممتاز ہے۔ وظائف لیتی ہے۔ اور خیرات کے روپیہ پر بسر اوقات کرتی ہے۔ مزید برآں اس جماعت کے بعض افراد ابھی تک پرانے خیالات کی لوگوں پر بڑا اقتدار رکھتے ہیں۔ مگر نئے تعلیم یافتہ ان کی چنداں پروا نہیں کرتے۔ اور انکی خدمات کی گورنمنٹ کو بھی ضرورت نہیں رہی۔ تاہم ابھی تک مدرسوں میں طلباء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ طلباء طبقہ علماء میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ جو زیادہ دانا اور فہمیدہ ہیں وہ ان مدرسوں میں داخل نہیں ہوتے۔ بلکہ جدید سکولوں اور کالجوں میں داخل ہو کر کوئی پروفیشن سیکھتے ہیں تاکہ ان کو عملی فائدہ حاصل ہو۔ مدرسوں کے بہت سے طلباء اپنا وقت بیکاری میں ضایع کرتے ہیں۔ یا محض اسلئے پڑھتے ہیں کہ امتحان پاس کرلیں۔ تاکہ فوجی خدمت سے آزادی حاصل ہو اور پھر اپنے شہروں یا قصبوں کی طرف جائیں۔ اور وہ طلباء جو دل لگا کر پڑھتے ہیں۔ جدید طرز کے کالجوں کی بجائے اس کالج میں داخل ہوتے ہیں جو قاضیوں

اور مفتیوں کی تعلیم کے لئے قائم ہے۔ ان طلاب کو سوفطائی کہتے ہیں۔ مدرسوں کا انتظام شیخ الاسلام کی نگرانی میں ہے۔ شیخ الاسلام کا عہدہ اب تک بڑے پایہ کا ہے۔ اور اگرچہ شیخ باب عالی کا ایک ممبر ہوتا ہے۔ تاہم اس کے اختیارات میں بڑا فرق آگیا ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی ابھی بتایا ہے۔ اگرچہ اسلام میں مذہبی پیشواؤں کی ضرورت نہیں۔ تاہم علماء کے سردار یعنی شیخ الاسلام کی پوزیشن عیسائیوں کے لاٹ پادری کے برابر ہے۔ قسطنطنیہ کے مدرسوں کے طلباء کی تعداد سات اور پانچ ہزار کے درمیان ہے۔

پہلے یہ مدرسے انگریزی یونیورسٹی کے کالجوں کی طرح قائم کئے جاتے تھے۔ وہ سلاطین یا دیگر شخصوں کے عطیات سے جاری کئے جاتے تھے۔ اور مسجدوں کے قریب بنائے جاتے تھے۔ ان کے بانیوں کی بڑی غرض یہ ہوتی تھی۔ کہ نمازیوں کی تعداد میں قابل قدر اضافہ ہوتا رہے۔ اور ساتھ ہی یہ۔ کہ مسجد کے حجرے کمرے لیکچر ہالوں کا کام دے جائیں۔ آج کل بھی زیادہ تر لیکچر مسجدوں ہی میں دئے جاتے ہیں۔ یہ مدرسے خود مختار ہوتے تھے۔ ان کے فیلو خود اس کے نئے قواعد مرتب کرتے۔ اور خود ہی اپنی نگرانی رکھتے تھے۔ ہر ایک طالب علم کو نان نفقہ ملتا۔ اور مقررہ ایام میں شکر اور زعفران کی مٹھائی حجروں کے لئے تیل بتیوں وغیرہ مفت دیے جاتے تھے۔ آج کل طالب علموں کو یہ چیزیں ہمیشہ مفت نہیں ملتیں۔ کیونکہ مدرسوں کی متعلقہ جاگیروں اور جائدادوں کی آمدنی گورنمنٹ کی نگرانی میں ہو گئی ہے۔ اور ان عطیات کی آمدنی وہ افسر جن کے سپرد اسی کا انتظام ہے۔ خرد برد کر جاتے ہیں۔ آج کل تو ایسی حالت ہو گئی ہے کہ مدرسوں کے فیلو درس گاہوں کی عمارتوں کی مرمت کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ یہ عمارتیں بالعموم مربع شکل میں بنی ہوئی ہیں۔ وسط میں ایک صحن ہے اکثر ایک منزلہ اور بعض دو منزلہ ہیں۔ وہ مضر صحت ہیں۔ اور ہوا کی آمدورفت کا ان میں کوئی انتظام نہیں۔ طالب علم کمروں کے پیچھے غسل کرتے ہیں۔ اور خود چولہوں پر روٹی پکاتے ہیں۔ اور ایک ایک کمرہ میں دو دو یا تین تین ہو کر فرش پر ہی لیٹ رہتے ہیں۔ کمرے تاریک ہیں اور ان میں سخت بدبو آتی ہے۔ میری قسمت کا پھیر دیکھئے کہ مجھے ایسی جگہ میں پانچ سال رہنا پڑا۔ حالانکہ ابھی میری عمر نشوونما پانے کی تھی۔

ان مدرسوں کے طالب علموں کی زندگی مشرقی ایشیا کے طالبوں کی مانند

کرتی ہے۔ وہ خود اپنا کھانا پکاتے ہیں۔ خود کمرے صاف کرتے ہیں۔ خود بستر
بچھاتے ہیں۔ اور خود اپنے کپڑے دھوتے ہیں۔ ان تمام طالب علموں کو یہ سب کام صرف
اپنے ہی نہیں کرنے پڑتے بلکہ مدرسہ کے قبلہ یا استاد کے بھی جس کے
کمرے میں وہ رہتا ہو۔ بعض طالب علم نہایت مفلس اور غریب ہوتے ہیں۔ وہ رمضان
کے مہینہ میں مختلف شہروں۔ قصبوں اور دیہوں کی طرف وعظ کرنے جاتے ہیں۔ خیرات
و نذر وغیرہ کا روپیہ جمع کر کے اپنے مدرسوں میں پھر واپس آ جاتے ہیں۔

سوفطائیوں نے بعض انقلابوں میں بڑا نمایاں حصہ لیا ہے کیونکہ پولیس اُن کی
حمایت پر ہوتے تھے۔ وہ بڑی بڑی مسجدوں کے صحنوں میں اپنے لمبے لمبے چوغوں کے
نیچے لٹھ اور سونٹے چھپائے ہوئے جمع ہوتے۔ اور رعایت کا ایک ہجوم اُن کے پیچھے
ہوتا جن وزیروں نے سلطان عزیز کو معزول کیا تھا۔ اُن کو سوفطائیوں نے بڑی
قابل قدر مدد دی تھی۔ جب مدحت پاشا موجودہ سلطان کو پارلیمنٹ بنانے کا
مشورہ دے رہا تھا سوفطائی اُس کی مدد دیتے۔

ایک شخص مسمی سودی آفندی ینگ ٹرکش تحریک کے بانیوں میں سے
ایک ہوا ہے۔ خود بھی سوفطائی تھا چالیس سال ہوتے ہیں۔ اُس نے سلطان کو
محل پر ہتھیار بند ہو کر حملہ کیا تھا۔ اُس کے ساتھ کئی سوفطائی شریک تھے جن
میں سے زیادہ تر ہلاک ہو گئے تھے۔ موجودہ سلطان ہر ایسی چیز کو جو اُسکی مطلق العنانی
کے راستہ میں حائل ہو پامال کرنے میں ایسی کامل مہارت اور قدرت رکھتا ہے
کہ یقینی طور پر کامیاب ہو جاتا ہے۔ اُس نے یہ خیال کر کے سوفطائی اس کے برخلاف
کسی کے ہاتھ کا پولیٹکل آلہ نہ بنائیں۔ ان کے اقتدار کو ایسا ملیامیٹ کیا ہوا ہے کہ اب اُن کا نشان تک
نہیں ملتا۔ اس شخص کے تمام بیانات کا جواب آگے مفصل طور پر دیا جائیگا۔ [illegible] میں
میں پڑھتا تھا۔ میرا چچا مجھ کو [illegible] جیسے شرح اور [illegible] وغیرہ کیلئے اُس اُستاد کو
دیا کرتا تھا جس کے کمرہ میں رہتا تھا۔ یہ رقم ایک شخص کیلئے جو [illegible] کی زندگی بسر کرتا تھا کافی ہوتی تھی
جو کل قسطنطنیہ میں استعمال [illegible] بڑی ارزاں [illegible] سیاحوں کو نہیں کیونکہ ان کو [illegible]
اور [illegible] ہوتی ہیں اور [illegible] کی بابت [illegible]
[illegible] قسطنطنیہ [illegible] تھی۔

پانچواں باب

نئے پیرو فیشن کا اختیار کرنا - اور فوجی خدمت کا مسئلہ

یورپینوں کے برخلاف میرے تعصب میں پہلی تخفیف۔ لوانطی رہبر۔ چچا کی آنکھیں نام کو بھی۔ انگلستان جانے کی خواہش کا آغاز۔ الشبایکے کو جیک کا گریانی سفر۔ ایک انگریزی نسل۔ اسکی بیوی اور میری ماں۔ مشرقی بحیرہ روم کا دورہ۔ اعلےٰ زندگی بسر کرنے کا خیال۔ میرا قانونی سکول میں داخل ہونا۔ ترکی کا قانون۔ انگریزی کتب کی [illegible] ترکی کی عدالتیں۔ غیر مذہبی عدالتیں۔ عدالتوں پر محل کا اثر۔ میرا فوجی خدمت کے لئے طلب ہونا۔ مشکل سے بچ کا نیانا(?)۔ فوجی بھرتی کا طریقہ۔ [illegible] عیسائیوں کا فوج میں نہ لیا جانا۔ اس پالیسی کے فوائد۔

بارے میں [illegible] کے تین سال کٹ چکے۔ تو تعطیلات کے ایام میں میرے چچا نے مجھ کو وطن جانے کی اجازت دی۔ اس وقت پہلی بار یورپینوں کے برخلاف میرے تعصب میں تخفیف ہونی شروع ہوئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت میں مدرسہ کے باغ میں ٹہل رہا تھا۔ کہ ایک نوجوان یورپین ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ ایا صوفیہ کی مسجد میں سے نکلا۔ ان کو دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ اور ایا صوفیہ کی مسجدوں کو جب کبھی یورپین دیکھنے آتے ہیں۔ تو پاس کے رہنے والے انگشت بحیرت [illegible] میں لیتے ہیں۔ ان دونوں نے ایک شہتوت کے درخت کی طرف جو میوہ سے معمور تھا۔ دیکھا اسی وقت ایک شہتوت کا دانہ نیچے گرا۔ اور جلد میں نے اٹھا کر اسے لیڈی کو دیا میں ان کی طرف [illegible] سے بڑھا۔ وہ چل پڑے۔ اور کسی قدر رنجیدہ خاطر [illegible] ہونے لگے۔ میں نے ان کو ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ پھر اپنی جوتی اتار کر درخت پر چڑھ گیا۔ پکے ہوئے شہتوتوں کو توڑا۔ اور ان کو دو پتوں میں رکھ کر لیڈی کے سامنے پیش کیا۔ میری اس حرکت سے دو یورپین بہت خوش ہوئے۔ ان کے ساتھ کوئی رہبر [illegible] دیکھ کر

میں بہت خوش ہوا۔ رہبری کا کام لیوانٹ کے غیر مسلم لوگ کرتے ہیں۔ اور وہ بڑے مکار اور جھوٹے ہوتے ہیں۔ سفید جھوٹ بولنا۔ اجنبیوں کو دھوکہ دینا اُن کے بائیں ہاتھ کا معمولی کرتب ہے۔ وہ یورپین جو لیوانٹ کی سرسری سیر کر کے جھٹ قلم دوات پکڑ کر اپنی سیاحت کے حالات قلمبند کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ اُن کی واقفیت کا سارا دارومدار ان بے ایمان راہبروں پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک دفعہ میرے ایک ہم مکتب نے کہا "جب ہم اپنے متعلق یہ کتابیں خاصکر انگریزی کی پڑھتے ہیں۔ تو ہمیں ہمیشہ اپنے اپنے بابتہ کوئی نہ کوئی ایسی خبر معلوم ہو جاتی ہے۔ جس کا ہم کو خود بھی علم نہیں ہوتا" اُن دنوں سلطنت عثمانیہ میں انگریزوں کی دوسرے یورپینوں کی نسبت بہت زیادہ تعظیم کیجاتی تھی۔ اور جو یورپین سیاح آتا تھا۔ خیال ہوتا تھا کہ یہ انگریز ہی ہوگا۔ میں نے بھی اُس نوجوان اور لڑکی کو انگریز ہی سمجھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ واقعی انگریز تھے یا نہیں۔ ہم سلام کر کے ایک دوسرے سے جُدا ہوئے۔ مگر مجھے بڑا افسوس ہوا کہ اپنی زبان کے علاوہ کوئی اور زبان نہ جاننے کے سبب میں اُن سے گفتگو نہ کر سکا۔ تاہم اُس وقت سے مجھے انگلستان آنے کا شوق و خیال پیدا ہو گیا۔ مگر میں اُس خیال کو کسی پر ظاہر نہ کر سکتا تھا۔ کیونکہ مدرسے کے لوگ میرا یہ خیال سُنکر کانپ اُٹھتے۔ اور شاید یہ بھی خیال کر لیتے کہ میں عیسائی ہو چلا ہوں۔

اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ کے بعد میں اپنے وطن کیطرف روانہ ہوا۔ جسن بابالی کے ساتھ میں نے سفر کیا۔ اُس نے اُس راستے سے جس سے کہ میں تین سال قبل قسطنطنیہ آیا تھا۔ الگ راستہ اختیار کیا۔ اس طرح مجھے اناطولیہ کوچک کے دوسرے شہر دیکھنے کا موقعہ مل گیا۔ جب میں اپنے شہر پہنچا۔ تو مجھے معلوم ہوا۔ کہ میری ماں اپنے کرائی مکان میں چلی گئی ہے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ ہمارے کرائی مکان کے پاس ایک انگریز کانسل معہ بال بچوں کے کرایہ کے مکان میں رہائش پذیر ہوا۔ اُس شہر میں صرف وہی انگریز نہیں بلکہ یورپین تھے۔ جو اُس وقت موجود تھے کیونکہ اناطولین ریلوے کی ابھی تک تجویز بھی نہیں ہوئی تھی۔ اور یورپینوں کے لئے وہاں کوئی کام نہ تھا۔ [illegible] صاحب بقول آپ کے سلطان تو سڑکیں بنانے سے جھجکتے تھے۔ کہ کہیں یورپین نہ آجائیں۔ اور اصل حال سے واقف ہو جائیں۔ اب اناطولین ریلوے کیسے بن گئی

اور یوربین کہاں سے آ گئے۔ مترجم۔) ایک دن جب کہ میں پاس کی جھیل میں مرغابیوں کا شکار کھیل رہا تھا میں نے اُس انگریز کانسل سے واقفیت پیدا کر لی۔ وہ ترکی زبان اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اور ہم جلدی ہی ایک دوسرے سے بے تکلف ہو گئے۔ میں نے اُس سے پھر ملاقات ہونے کا وعدہ لیا۔ تاکہ اکٹھا شکار کھیلنے جائیں۔ جب میں اُس سے زیادہ بے تکلف ہو گیا تو اُس نے میرا تعارف اپنی بیوی سے کرا دیا۔ جو ہمارے ملک کی مستورات سے بالکل ہی ملتی جلتی تھی۔ اُس سے ملاقات کرتے ہی مجھے خیال گذرا کہ اس لیڈی اور میری ماں کی آپس میں ملاقات ہونی چاہیئے۔ یہ معاملہ بڑا نازک تھا۔ اگرچہ اپنی ماں کے خیالات کے مطابق بھی اس لیڈی کو ہر طرح مرغوب خاطر پاتا تھا۔ مگر پھر بھی ڈرتا تھا کہ یہ آخر کافر ہے۔ تاہم میں نے اپنی ماں کو راضی کر لیا۔ اور وہ انگریزی لیڈی سے مل کر شرماتے شرماتے۔

چونکہ لیڈی ترکی زبان اچھی طرح نہیں بول سکتی تھی۔ انہوں نے آپس میں بہت کم بات چیت کی۔ باوجود اس بات کے میری ماں نے اسکو بڑا پسند کیا۔ بعد میں وہ اکثر افسوس کیا کرتی تھی کہ ایسی پری جو کہ وہ مسلمان کیوں نہ ہوئی۔ میں کانسل سے اُس کے بارہ میں کئی سوال کیا کرتا۔ اور میرا خیال ہے میرے سوال احمقانہ ہوتے تھے۔ کیونکہ جب میں سوال کرتا وہ خندہ پیشانی سے جواب دیکر اپنی زبان میں کچھ گفتگو کرتے اور سارا وقت قہقہ کرکے ہنستے رہتے۔ میں اپنے ملک کے لوگوں کی تنگ خیالی اور تعصب سے یہاں تک ڈرتا تھا کہ اپنا انگلستان جانے کا خیال کانسل کو میں نہ بتاتا تھا۔ جب تین ماہ کی رخصت گذر گئی تو میں پھر قسطنطنیہ کیطرف روانہ ہو گیا۔ کیونکہ اب میں پرانا طالب علم ہو گیا تھا استاد کی نوکری اب مجھ پر واجب نہ تھی۔

میں اور ایک دقیانوسی طالب علم ایک کمرہ میں رہنے لگے۔ اس سال میں نے اسلامی شرع پڑھنی شروع کی۔ اسکی تعلیم ہمیشہ عربی زبان میں دیجاتی ہے۔ مدرسہ میں دو سال اور گذر گئے۔ اور میں نے موسم گرما کی تعطیلوں میں کسی نئے ملک کی سیر کرنے کا ارادہ کیا۔ پس میں ایک افریقی جہاز پر بیروت کی طرف جہاں میرا ایک رشتہ دار رہتا تھا۔ روانہ ہوا۔ رستہ میں میں نے سمرنا قیام کیا۔ اور جیاوس اور سمی آئیلنڈ کی ترکی جزائر کی سیر کی۔ اثنائے سفر میں میں نے بہت سے ایسے نوجوان دیکھے جو جدید

کالجوں میں تعلیمی کورس پورا کر کے گورنمنٹ کیطرف سے مختلف اضلاع میں مقرر کئے گئے تھے۔ اُن کی تنخواہ اسوقت مجھے بہت معقول معلوم ہوتی تھی۔ اُن کو دیکھکر میرے دل میں خیال گذرا کہ دقیانوسی تعلیم پر میں نے یونہی اتنے برس ضائع کئے۔ علوم اب کے جدید تعلیم سے بہرہ ور ہوئیں۔ جب میں مشورہ کر رہا تھا۔ مجھے اپنی آئندہ زندگی کو کامیاب بنانے کے لئے کون سے کالج میں داخل ہونا چاہیئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ نو قائم شدہ قانونی کالج کا امتحان داخلہ تین ماہ کے اندر اندر ہونے والا ہے۔ گورنمنٹ کو نئی عدالتوں کے لئے تعلیم یافتہ افسروں اور باعزم وکلاء کی جماعت کیلئے لائق وکیلوں کی ضرورت تھی۔ میں نے اس میدان میں قسمت کے سمند کو گام زن کرنے کی عنان لی۔ ملٹری اکیڈمی کے ایک نوجوان افسر نے جو ہمارے مدرسہ کے پاس رہتا تھا۔ ازراہ مہربانی و شفقت مجھے حساب و جغرافیہ کے گر بتائے۔ میں اون دونوں میں بڑا کمزور تھا۔ میں نے امتحان داخلہ پاس کر لیا۔ اور قانونی کالج میں داخل ہو گیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے۔ جدید درسگاہوں کی ترقی کو سلطان روک رہا ہے اس کی بڑی خواہش یہ ہے کہ آزادی کے خیالات کو ملیامیٹ کرے۔ اسکی پوری کافی تردید کر دی گئی ہے۔ (مترجم) تاہم یہاں باب عالی کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جب سے جدید درسگاہیں قائم ہوئی ہیں۔ اون کا خرچ سرکاری خزانہ سے دیا جاتا ہے اور ہر مذہب و ملت کے لوگ ان سے استفادہ اوٹھا سکتے ہیں۔ (اس شخص کی چالاکی دیکھیے ایک طرف تو سلطان پر مطلق العنانی اور تعلیم کے مٹانے کا الزام لگاتا ہے اور دوسری طرف باب عالی کی تعریف کرتا ہے کیا باب عالی سلطانی اقتدار سے باہر ہے؟ اگر باہر ہے تو سلطان مطلق العنان نہ رہا۔ بلکہ اس کی حیثیت تو ایک جمہوری سلطنت کے پریزیڈنٹ جتنی بھی نہ رہی۔ کہ وہ کچھ چاہے اور اس کے مشیر کچھ کریں۔ اور اسکو عضو معطل سے زیادہ نہ سمجھیں۔ اور اگر باب عالی سلطان کے حیطہ اقتدار میں اور اس کے حکم کا غلام ہے اور فی الواقع ہے۔ تو اس کے کام سلطان کے کام ہیں۔ اور تعلیمی معاملات میں اس کی سرپرستی سلطان کی سرپرستی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ شخص آخر میں خود ہی اس بات کے ماننے پر مجبور ہوا ہے کہ موجودہ سلطان کے ظل عاطفت میں تعلیم کو بیش از بیش ترقی ہو رہی ہے مگر معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص نے

سلطان عبدالحمید کو سلطان عبدالعزیز مراد سمجھکر کوئی ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا ہوگا۔ مگر اس کی۔۔۔ کامل و مکمل باخبری کے سامنے دال نہ گلی ہوگی۔ ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد جب بٹیا ایسے نہ دیکھی تو دل کے پھپھولے پھوڑنے کے واسطے انگلستان میں آگیا۔ اور نا ہی تباہی سکنے اور بکنے لگ گیا۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی اس لئے پبلک کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ کہ عام مسلمانوں کو آگاہی ہو جائے۔ کہ اس وقت جو شخص خلافت کے جہاز کا ناخدا ہے۔ وہ ایسا مدبر اور زمانے سے باخبر ہے کہ اسکے بدترین اور ذاتی دشمن بھی اسکی تدبیر فہم و فراست کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتے اور اس کے برخلاف اُن کو کوئی بھی ایسی بات یا واقعہ دستیاب نہیں ہو سکتا جو سچا ہو لیس وہ ادھر ادھر کی من گھڑت باتیں اور جھوٹے واقعات لکھکر اس کی مقدس ذات پر دھبہ لگانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں سکتے چاند کو دیکھکر بھونکا ہی کرتے ہیں۔ مترجم)

ہمارے قانونی کالج کے پہلے سال کی جماعت میں چیتالیس طلبا تھے جن میں صرف اسی ہی تیرہ تھے۔ قسطنطنیہ کے قانونی کالج کے نصاب مضامین کا ذکر کرنے سے میں سلطنت ٹرکی کے قوانین و ضوابط اور اس کی عدالتوں کا کسی قدر خاکہ کھینچنے کے قابل ہو جاؤں گا۔

اُن چند مضامین کے علاوہ جو لیگل پریکٹیشن رکھتا ہوں۔ وکیلوں بیرسٹروں اور لیگل فسرون کو پڑھانے ضروری ہیں۔ قانون اور ضابطہ دیوانی۔ قانون ضابطہ فوجداری قانون اراضی۔ قانون تجارت۔ خلاصہ انتظامی قواعد۔ باب حدبار قانون یا بھی تیرا عہد نامہ جواگلی وغیرہ وغیرہ پر لیکچر دئے جاتے ہیں۔ ضابطہ دیوانی ان قواعد سے اخذ کیا گیا ہے۔ جو عہد ہیرو عباس سے لیکر متقدمین عثمانی سلطانوں کے عہد تک مروج رہے ہیں۔ اور جو عربی کتابوں میں مندرج ہیں۔ اور جن کو پہلے سلطان معتصم نے مرتب کرکے ان کی شرح لکھی تھی۔ لہذا ٹرکی کا دیوانی ضابطہ بالکل اسلامی شریعت پر مبنی ہے۔

میں کو یاد شرق کے عالم اور فاضل مسلمانوں کی ایک بورڈ نے مرتب کیا تھا یہ بورڈ پچھلے سلطان کے عہد میں قائم کی گئی تھی۔ اور اس نے سینہ سال کی محنت شاقہ

کے بعد موجودہ ضابطہ قوانین وضع کئے گئے تھے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ترکی کا قانون دیوانی اُن بہت سی یورپین اقوام کے قانون دیوانی سے ملتا ہے جنہوں نے رومن لا سے مدد لی ہے۔ ترکی کا ضابطہ دیوانی کچھ فرانسیسی سسٹم پر بنایا گیا ہے اور کچھ ان رسومات کے مطابق جو قدیم ترکی عدالتوں میں رائج تھیں۔ قانون اراضی میں کچھ تو اسلامی شرع کے مطابق اور کچھ ان قواعد کے مطابق جو پہلے سلطنت میں نافذ تھے ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ قانون ان یورپینوں کے لئے موجب مسرت ہے جو ترکی میں رہتے ہیں۔ جہاں تک تو ان کے دیوانی و فوجداری مقدمات کا تعلق ہے وہ ترکی قانون کی رو سے باہر نہیں۔ مگر قانون اراضی اُن پر ایسا ہی حاوی ہے جیسا کہ دیگر سلطانی رعایا پر۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ ہوا ہے۔ دول عظیم نے باب عالی سے مطالبہ کیا کہ ان کی رعایا کو ترکی عملداری میں جائداد حاصل کرنے کے حقوق عطا کئے جائیں۔ اس مطالبہ کے جواب میں باب عالی نے اصرار کیا ہے کہ دول اُن قانونی مراعات سے دست بردار ہوں۔ جو اُن کی رعایا کو حاصل ہیں۔ اور جہاں تک رہن و بیع زمین یا اس کے متعلقہ تنازعات کا تعلق ہے۔ ان کو (رعایا دول غیر کو) ترکی قانون کے تابع کیا جائے۔

ضابطہ قانون فوجداری۔ عدالتوں کے آئین و قوانین۔ بالکل فرانس کے جوڈیشل سسٹم سے اخذ کئے گئے ہیں۔ قانون تجارت کچھ تو فرانس اور کچھ ہالینڈ کے قانون سے نقل کیا گیا ہے۔ عہد نامہ پیرس کے وقت سے یورپین ممالک خاص کر فرانس کے کئی قوانین سلطنت میں رائج کئے گئے ہیں۔ بہت سی صورتوں میں وہ [illegible] لیوانت کی مقامی ضروریات کے خیال کئے بغیر نافذ کئے گئے ہیں۔ یورپین دول کا باب عالی پر اصلاحوں کی ترویج کے لئے زور دینے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ پولیٹیکل اور ایڈمنسٹریٹو قانون بغیر سوچے سمجھے سٹیٹ ریگولیشن میں شامل کر دئے گئے ہیں۔ مندرجہ بالا سطور سے ترکی کے قوانین و ضابطہ کی کچھ کیفیت معلوم ہو گئی ہوگی۔ اگر تم ترکی قوانین سے متعلقہ بہترین کتابیں مطالعہ کرو۔ تو اس میں یہ ایک فقرہ پاؤ گے "سلطنت کے تمام بنیادی قوانین احکام قرآنی پر مبنی ہے" بعض میں تم یہ فقرہ پاؤ گے "سلطنت کے تمام بنیادی قوانین احکام قرآنی پر مبنی ہیں۔ قرآن کریم کے بعد قوانین فقہی [illegible]

ہیں۔ (۱) قوانین ملتقی احادیث و اقوال پیغمبر سرور کائنات اور آنجناب کے خلفائے راشدین کے فیصلہ جات اور اجتہادات کے مجموعہ کا نام ہے۔ مترجم۔ شرعی قوانین کا یہ علم کوئی شک نہیں۔ معاملات ملکی سے متعلق پادری انگریزی سیکولر کی طرز اور فضول تحریرات سے حاصل کیا گیا ہے۔ میں نے اپنے انگریز افسروں کو کتنی ہی دفعہ بتلایا ہے کہ اس ملک میں نیز ترک مشرق کے بارہ میں سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ انہوں نے ہمیشہ ایک ہی جواب دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ آج کل انگریز معاملات روم میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ انگریزوں کی اس بے پرواہی کا ہی نتیجہ ہے کہ پوائنٹ میں اُن کا رسوخ خاک میں مل گیا ہے۔

اگر ان کتابوں کے ایڈیٹروں اور مولفوں کا بھی یہ ہی خیال ہے کہ انگریز آج کل سلطنت ترکی میں کوئی انٹرسٹ نہیں لیتے۔ تو میری رائے میں اُن کے لئے زیادہ تر مناسب یہ ہے کہ قصے کہانیاں اور غلط واقعات لکھنے کی بجائے ترکی کے متعلق کچھ لکھا ہی نہ کریں۔ ترکی کی عدالتیں دو حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔ قدیم عدالتیں اور اصلاح یافتہ یعنی نئی عدالتیں۔

قدیم عدالتیں شیخ الاسلام کی ماتحت ہیں۔ اور وہ نیم مذہبی رنگ کی ہیں۔ اُن کو آج کل بہت تھوڑا کام کرنا پڑتا ہے۔ اُن میں صرف وراثت۔ طلاق۔ شادی اور اسی قسم دیگر معاملات جو صرف مسلمانوں کے ہوں تصفیہ پاتے ہیں۔ اس قسم کے عیسائیوں کے مقدمات اُن کے اپنے اپنے طبقہ کے بڑے پادری کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اُن عدالتوں کے ماسوا جو ملکی افسروں کی تحقیقات کے لئے مقرر ہیں۔ تمام نئی عدالتیں وزیر عدالت عامہ کے ماتحت ہیں۔ دوسرے بڑے بڑے محکموں کی عمارات کی طرح عدالت عامہ کی عمارتیں بھی نہایت شاندار اور وسیع ہیں۔ اور سلطان کے محل کے باہر سٹیٹ صوفیہ کے سامنے واقعہ ہیں۔ دیوانی و فوجداری عدالتوں کے تین درجے ہیں۔ عدالت ابتدائی۔ عدالت اپیل۔ عدالت عالیہ۔ اور تجارتی عدالتیں ہیں۔ تنازعات سے متعلق۔ ایک ہی بحری تجارت کے تنازعات فیصلہ کئے جاتے ہیں۔ دوسری ہی ملکی تجارت کے۔ ملکی تجارت کی عدالت میں بہت سے اجنبی ممبر بھی شامل ہیں۔ مگر ان کو عثمانیہ گورنمنٹ مقرر نہیں کرتی۔ بلکہ اجنبی ناظر کرتے ہیں۔ یہ اجنبی ممبر ان تمام مقدمات

میں موجود رہتے ہیں۔ جو ترکی رعایا اور اجانب کے درمیان ہوں۔

قدیم نیم مذہبی عدالتوں میں جب کہ وہ قائم ہوتی ہیں اور جبکہ وہ دیوانی و فوجداری مقدمات میں فیصل کرتی یعنی اب تک انگریزی عدالتوں کی طرف سے صرف ایک ہی جج مقرر ہوتا ہے۔ مگر نئی عدالتوں میں چیف جج کے علاوہ ڈپٹی جج بھی ہوتے ہیں۔ یا بلفظ دیگر یہ کہو کہ نئی ترکی عدالت میں ایک پریذیڈنٹ اور چند ممبر ملکر مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس خاص طریقہ کے رائج کرنے سے اُن شکایات کا انسداد نہیں ہو سکا۔ جو پرانی عدالتوں کے برخلاف کی جاتی ہیں۔ چونکہ ٹرکی میں مختلف قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ایک ہی عدالت میں مختلف مذہب و ملت کے چند جج مقرر ہونے سے (جیسا کہ تجربے نے بتایا ہے) بلکہ اور زیادہ بے ایمانی اور طرفداری کا احتمال ہے۔ حمیدی مظالم سے لوگوں کا اعتبار نئی عدالتوں پر نہیں رہا۔ لائق لائق افسر یا تو جلا وطن کر دیئے جاتے ہیں۔ یا سلطنت کے انتہائی شہروں میں مقرر کئے جاتے ہیں۔ اعلےٰ عدالتیں محل کی پارٹی کے آدمیوں سے بھری پڑی ہیں۔ اور یہ آدمی انصاف پر اُسی پارٹی کی خواہش کو بدرجہا زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ سلطان نے ابھی ابھی ان کو نام حکم صادر کیا ہے۔ کہ جو شخص اس کی ظالمانہ حکومت پر نکتہ چینی کرے۔ اُس کو سزا دیں پچھلے دنوں میں ایک سے بے گناہ آدمی یا تو پھانسی دیئے گئے۔ یا جلا وطن کئے گئے۔ اور اُن کی جائدادیں غداروں کے جرم میں ضبط کی گئیں۔ اس شخص نے بالکل جھک ماری ہے حالانکہ امر واقعی یوں ہے۔ کہ سلطان عبد الحمید نے معدلت عامہ کی خواہی۔ اور ارتکاب جرائم کے انسداد کا انتظام نہایت ہی قابل تعریف طور پر کیا ہے۔ حقی بے جو ایک بے غرض مصنف ہے اس بارہ میں یوں لکھتا ہے۔ سلطان عبد الحمید خان کے عہد میں معدلت عامہ کے قوانین میں بہت بڑی ترقی ہوئی ہے۔ مفصلات میں جا بجا عدالتیں قائم ہوئی ہیں۔ اور ایڈوکیٹ جنرل اور پبلک پراسیکیوٹر (سرکاری وکیل) اسی عہد کی ایجاد ہیں۔ اور ججوں کے تقرر اور ان کے تقرر کے معقول سامان ہوئے ہیں۔ جن سے انہیں اپنی ترقی اور لیاقت اور تندہی کا کامل اعتبار ہو سکے۔ اور وہ دیانتداری سے اور بے رو رعایت اپنے فرائض منصبی کو انجام دے سکیں ضابطہ دیوانی و فوجداری کا نفاذ بھی اسی عہد میں ہوا۔ اور علاوہ براں مدرسہ قانون کا کھلنا بھی اسی زمانہ کی ایجاد ہے جس سے عدالتوں کو انفصال مقدمات میں زیادہ مدد ملتی ہے۔ اسی عہد میں پولیس کی از سر نو تربیت ہوئی۔ اور وہ بلاں دستور جس کے رو سے

ملٹری پولیس اور سول پولیس ایک دوسرے سے علیحدہ تھی۔ یک دم موقوف ہوا اس پولیس سے سلطنت کو بڑے فوائد پہونچے ہیں۔ اور پرانے قاعدے سے سخت بدنظمی ہوتی تھی۔ اب ملٹری پولیس محکمہ جنگ سے متعلق کردی گئی ہے۔ اور سول پولیس لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کے لئے متعین ہے۔ عدالتی کارروائی کو سلطان عبدالمجید اتنا عام اور برملا کرنا چاہتے ہیں۔ کہ بعض اوقات وہ پولیٹیکل مجرموں کی تحقیقات میں علانیہ عدالتوں میں کرا دیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں مجرموں کی تحقیقات اور ملکوں میں سات پردوں کے اندر قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً قاتلان سلطان عبدالعزیز مرحوم کی تحقیقات اونہوں نے کھلے طور پر کردی۔ اور سرکاری وکیل بھی مقرر کئے۔ اور ملزموں کو اجازت دی کہ اگر چاہے تو پیروی مقدمہ کے لئے وکیل مقرر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور کئی مہینوں تک مدحت پاشا اور اُس کے رفقا کی علانیہ تحقیقات ہوتی رہی۔ اور ملزموں کو بعد لگانے فردجرم کے ڈیفنس کا کافی موقع دیا گیا۔ اور بعض اون میں سے جو بیگناہ ثابت ہوئے۔ بری ہوئے۔ اور جن لوگوں پر جرم ثابت ہوا۔ اُن کو سزا دی گئی۔ اس سے زیادہ نصفت شعاری کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ کہ ایک شخص باوجود اختیار کے اپنے اور اپنے خاندان کے دشمن بلکہ سلطنت کے دشمن کو پورا موقع دیتا ہے کہ اپنا باضابطہ ڈیفنس کرے۔ وہ بادشاہ وقت تھے اور اگزیکٹیو گورنمنٹ کے بااختیار اعلےٰ افسر ہونے کی حیثیت میں اونہیں کامل اختیار حاصل تھا۔ کہ فقط شبہ پر ایسے مجرموں کو سزائے موت دیتے۔ جیسا کہ ہر ایک مہذب سلطنت میں بوقت ضرورت ہوا کرتا ہے۔ مگر سلطان کی معدلت گستری نے انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہ دی۔ اور انہوں نے اسطرح عمل کیا جو ایک منصف مزاج بادشاہ کا اصول ہونا چاہئے (مترجم)

جب میں اخیری امتحان کی تیاری کر رہا تھا۔ مجھے کالج کے ڈائرکٹر نے اطلاع دی کہ مجھے صیغہ جنگ سے ایک چٹھی موصول ہوئی ہے۔ کہ اس سال کی بھرتی میں تمھیں شامل ہونا ہے۔ یہ خبر میرے لئے سخت منحوس تھی۔ کیونکہ میں نے نئے پروفیشن کے اختیار کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اور مدرسہ چھوڑ دیا تھا۔ مدرسوں کے وہ طلبا جو عربی اور اس زبان میں دیگر مضامین کا امتحان پاس کرے۔ اون کو فوجی خدمت سے بری کردیا جاتا ہے۔ اگرچہ ہمارا کالج بھی ایک تعلیمی مرکز تھا۔ اور اب کچھ عرصہ سے اس کے

طلباء بھی خاص خاص صورتوں میں فوجی خدمت سے معاف کئے جاتے ہیں۔ مگر فوجی حکام اس سے بالکل بے خبر تھے۔ اور جن کو خبر بھی تھی وہ اسکی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور ہر شخص پر فوجی خدمت لازمی قرار دینے کے خواہاں تھے۔ مجھے قسطنطنیہ کے صیغہ جنگ اور اناطولیا کے فوجی ڈویژن کے افسروں سے معافی حاصل کرنے کے لئے سخت جد و جہد کرنی پڑی۔ اور اس روک سے میرے امتحان کی تیاری میں بڑا فرق پڑ گیا۔ اور مجھے دوسرے درجہ میں ہی پاس کرنے پر قانع ہونا پڑا۔

میں ایک سپاہی کی زندگی بسر کرنے سے نہیں ڈرتا تھا۔ بزدلی عثمانیوں کی گھٹی میں داخل ہی نہیں کی گئی۔ جب میں پہلے پہل قسطنطنیہ آیا۔ تو میرا ارادہ فوجی سکول میں داخل ہونے کا تھا۔ میرے چچا نے میری بات نہ مانی اور مجھ کو مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ اور چند سالوں کے بعد سپاہی بن کر فوج میں جانے سے میری ساری آئندہ امیدوں کا خون ہوتا تھا۔ اور ایسا اتفاق تو بہت ہی کم ہوتا ہے کہ ایک سپاہی کو ترقی دیکر افسری کے منصب پر پہنچایا جاوے۔

ٹرکی میں فوجی بھرتی کا طریقہ دیگر فوجی ممالک سے جداگانہ ہے۔ اگرچہ سلطنت روم میں فوجی خدمت لازمی ہے۔ مگر رنگروٹ عام طور پر بھرتی نہیں کئے جاتے ہیں قسطنطنیہ اور تمام سرحدی اضلاع کے باشندے جیسے کہ البانوی اور کرد اور عرب فوجی خدمت پر مجبور نہیں کئے جاتے۔ مزید برآں۔ ارمنی۔ یونانی اور غیر مسلم فوجی خدمت کے مستوجب نہیں۔ مگر وہ بدل عسکریہ یا محصول بریت ادا کرتے ہیں۔ جو اگر میں غلطی نہیں کرتا ہر عمر کے مردوں سے فی کس چھ شلنگ الیپسا کے حساب سے سالانہ لیا جاتا ہے بہت سے عیسائی اس محصول سے بچنے کے لئے بڑی چالاکی کرتے ہیں۔ اور شور مچاتے رہتے ہیں۔ کہ محصول بہت زیادہ ہے۔ وہ اپنے یورپین ہوا خواہوں کے آگے شکایات کرتے رہتے ہیں۔ اور بعض انگریز پولٹیشن اپنے مظلوم عیسائی بھائیوں کی مدد پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور ترکوں کو ظالم اور وحشی کہہ کہہ کر صلواتیں سناتے ہیں۔ ہمدردی بنی نوع انسان اور عیسائیت کے نام پر اخبارات میں مضمون شائع کرتے ہیں۔ اور پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر گلا پھاڑ پھاڑ کر لیکچر دیتے ہیں۔

بعض اوقات تم ترکی کے عیسائیوں کی شکایت کرتے ہوئے سنو گے۔ کہ ہم

یکساں سلوک نہیں کیا جاتا " ان کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اون کو فوج میں کیوں نہیں لیا جاتا۔ گویا درپے ہے۔ یہ شکایت محض دکھاوے کی۔ اور ٹرکی کے برخلاف فاسد خیالات پھیلانے کی غرض سے کیجاتی ہے۔ وگرنہ فوجی خدمت سے آزاد ہونے کے باعث دول بڑے خوش ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جنگ میں کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان کو یہ امر بخوبی معلوم ہے کہ فوج میں بھرتی ہونے سے کیا کیا مادی نقصانات اوٹھانے پڑتے ہیں۔ سالوں تک گھر والوں کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔ ان سے یہ امر بھی مخفی نہیں کہ فوجی خدمت دینے والوں کی تعداد کم ہوجاتی ہے۔ میں اون ترکوں میں سے نہیں۔ جو ترقی و تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں۔ اور جو آئے دن نعرے دیتے ہیں۔ کہ ترکی فوج میں مشرقی عیسائی بھرتی ہوتے جائیں۔ خواہ اس بارے میں مجھ کو جاہل متعصب ہی کہیں۔ مگر جہاں تک میری قوم کی اغراض کا تعلق ہے میں اس طعن کی پروا نہیں کرتا۔

اگر ٹرکی فوج میں عیسائی شامل کرلئے جائیں۔ تو فرمانبرداری۔ جاں فروشی بیجگری ایثار نفسی۔ تہور و شجاعت کے وہ جوہر کہاں ہوں گے جن کے باعث اسوقت ہماری فوج چار دانگ عالم میں مشہور ہے۔ یہ ترکی فوج کا ہی رعب اور سک ہے کہ ہماری سلطنت کے دشمن اور بدخواہ ہمارے علاقوں پر دست درازی کرتے ہوئے سہمتے ہیں۔ ورنہ کب کی نوبت گذر گئی ہوتی کہ یہ یورپین مدعیان ترقی و تہذیب اسکی تکہ بوٹی کرکے آپس میں بانٹ لیتے ہماری فوج نے میدان جنگ میں ایک ماہ کے اندر اندر اس قوم کو چاروں شانے چت گرادیا ہے۔ جن کے پاس ۸۰ ہزار بغرد آزما جوان تھے۔ اور جس کی مدد پر سارا یورپ تلا ہوا تھا۔ میدان کارزار میں ہماری فوج کی مردانگی و شجاعت دیکھکر ایک جرمنی مبصر جنگ بے اختیار کہہ اٹھا تھا۔ " آہا کیسی شاندار فوج ہے " اور ایک انگریزی فوجی نامہ نگار یوں رقم کرتا ہے کہ " اگر سکندر اعظم اپنی قبر سے اٹھکر آجائے۔ تو ترکی فوج سے ساری دنیا کو زیر و زبر کردے " اب سے پچیس سال پہلے بغیر کسی یار و مددگار کے اس فوج نے پلیونا پر ایک سال تک دنیا کی سب سے بڑی فاتح و زبردست سلطنت کو وہ چنے چبوائے کہ اسکو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا تھا۔ اور اگر موجودہ سلطان کی بد تمیزی اور بد انتظامی اپنا تباہی بخش اثر نہ ڈالتی تو کوئی شک نہیں۔ یہ لاؤ

ترک روسیوں کو مار کر دریائے ڈینیوب کے پار بھگا دیتے۔ خیال کرو۔ اگر اس فوج میں
یونانی۔ ارمنی یا شام کے غیر مسلم سپاہی شامل ہوتے تو روس کے برخلاف یہ ایسے کارہائے
نمایاں دکھاتی۔ کوئی شک نہیں۔ روسی فوج میں بہت سے مسلمان سپاہی شامل ہیں
اور روس و روم کی جنگ میں وہ خوب ہی جی توڑ کر لڑے تھے۔ مگر بات یہ ہے کہ اگر وہ
ذرا بھی نامردی یا سرتابی کرتے۔ تو کیا ٹرکی ان کو روس کی طرح سزا دے سکتی تھی۔ اس
سزا کو یورپ ظلم پر محمول کرتا۔ اور جھٹ بیچ میں آ کودتا۔ ہم ٹرکی کے عیسائیوں کے خیالات
سے بخوبی واقف ہیں۔ اور خواہ ان سے کیسی ہی مہربانی کا برتاؤ کیوں نہ کیا جائے یہ
ناممکن ہے کہ ان کے دلوں میں دولت عثمانیہ کی خیرخواہی کا خیال پیدا ہو۔ وہ جو یہ
کہتے کہ ان کو فوج میں ضرور بھرتی کرنا چاہیئے اور دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں
کہ ٹرکی فوج کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔ ان کو واضح رہے۔ آج کل ٹرکی فوج دس
لاکھ سے زیادہ تعداد میں میدان جنگ میں آ سکتی ہے۔ اور کسی ایک دشمن کے حملہ
کو کامیابی سے روکنے کے لئے وہ کافی و وافی ہے۔ فوجی خدمت سے آزاد رہنے کے
باعث عیسائیوں کو یہ بھی بڑا فائدہ ہے کہ وہ اپنے گھروں میں رہتے ہیں فراغت
سے اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ اپنے بال بچوں کی ترقی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ علاوہ بریں
ان کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا ہے۔ اس بات کو ٹھیک ماننے کہ فوجی خدمت
کے لازمی ہونے سے ترکوں کی تعداد پر بہت بڑا اثر پڑتا ہے۔ ہر مسلمان جو بیس
برس سے اوپر ہو۔ فوجی خدمت کا مستوجب ہے۔ اور یہ ذمہ داری بیس برس تک
قائم رہتی ہے۔ اس اثنا میں جب گورنمنٹ چاہے۔ اس کو جنگ کے لئے طلب کر
سکتی ہے۔ جب وہ قواعد کے لئے بلایا جاتا ہے۔ اس کے کاروبار میں فرق آ جاتا ہے
اور اس کا کنبہ بغیر کسی آسرے کے رہ جاتا ہے۔ مگر اگر موجودہ بدنظمی کی اصلاح
ہو جائے تو ان باتوں کا تدارک ہو سکتا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں جب موجودہ
عہد کا خاتمہ ہو جائے گا۔ صورت حال بہتر ہو جائے گی۔ اس شخص نے موجودہ
ٹرکی فوج کی جو تعریف کی ہے وہ بالکل بجا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ اس میں بھی وہ حضرت
سلطان المعظم کی ذات اقدس پر حملے کرنے سے باز نہیں رہا۔ ہم حیران ہیں کہ
اس کی تردید کیا کریں۔ وہ خود مانتا ہے کہ اس وقت دس لاکھ سے زیادہ مرد آزمائے میدان

جنگ میں معرکہ آرائی کے لئے آمادہ ہیں۔ آخر کس نے انہیں تیار و آمادہ کیا ہے۔ اسی عبدالحمید نے جس پر وہ نہایت بیباکی سے نبرد لانہ حملہ کر رہا ہے۔ موجودہ سلطان کے عہد میں ٹرکی کی فوجی ترقی و عظمت کا حال بتانے کو ذیل میں ایک مضمون درج کیا جاتا ہے۔ جو کچھ عرصہ ہوا۔ مترجم نے پنجاب کے ایک سربرآوردہ اسلامی اخبار میں درج کرایا تھا۔

"اب سے پانچ سال بعد کی سلطنت روم" دنیا میں خدا کے ماننے والوں کے دو گروہ ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو کہ خدا کو اس بیوقوف مطلق العنان بادشاہ کی مانند تصور کرتا ہے۔ جو بیٹھے بٹھائے طبیعت کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ایک شخص کو کبھی پاتھی پر تخت ہے۔ کبھی اوسکو گدھے پر سوار کراتا ہے۔ یا تو خزانے کا منہ کھولے ہوئے رعایا کو مالا مال کر رہا ہے۔ یا دل میں یکایک جو ایک ولولہ اوٹھتا ہے تو ہاتھ میں جور و ظلم کے تیر و تفنگ لئے پہنچ کر آنے والے کو نشانہ بنا رہا ہے۔ ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق تو کسی ایک واقعہ پر جو گذر رہا ہو۔ یا عنقریب ہونے والا ہو۔ رائے زنی کرنا۔ یا اوس کے نشیب و فراز اور ممکن الوقوع کی جانچ پڑتال کرنا۔ اس غرض سے کہ اپنے اغراض و مقاصد کی حفاظت مناسب طور پر ہو سکے۔ اگر گناہ کبیرہ نہیں تو گمراہی ضرور ہے۔ دوسرا گروہ ہے جو خدا کو خالق مالک رازق تمام اوصاف سے موصوف سمجھتا ہے۔ جو پہلے گروہ کے نزدیک خدا کے تھے مگر یہ خدا کو پل میں تولہ۔ پل میں ماشہ نہیں سمجھتا۔ اس گروہ کے نزدیک خدا کا ہر کام ایسے مستقل اور پائدار اصول پر ہوتا ہے۔ کہ اوسکی مثل سوائے اُس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ کسی کام کو بلا وجہہ نہیں کرتا۔ اگرچہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ وہ کسی کام کے کرنے سے پہلے اُس کے اسباب مہیا کرتا ہے آگے اون اسباب کے بھی اور سبب ہوتے ہیں۔ اور پھر سب کا مسبب الاسباب وہ خدائے عزوجل خود ہوتا ہے۔ ہم اس موخرالذکر گروہ میں سے ہیں۔ اور ہمارا خیال کیا ایمان ہے کہ دنیا میں کوئی بات بغیر سبب کے نہیں ہوتی۔ تاریخ عالم پر بغور نظر ڈالنے سے کوئی ایک واقعہ ایسا نہیں ملتا۔ کہ کسی قوم یا ملک نے اچانک ترقی کی ہو۔ یا وہ اچانک گر گئی ہو۔ اگر کوئی واقعہ ایسا سمجھ بھی لیا جاوے۔ تو یہ ہماری اپنی فہم کی غلطی ہوگی اور اگر ہم اوس واقعہ کو نہایت تحقیق سے دریافت کریں۔ تو یقینی امر ہے کہ ہم کو اُس کے

اسباب بھی مل جائیں۔ اگر بالفرض محال نہ بھی ملیں تو پھر تاریخ کی فروگذاشت سمجھنی چاہیئے
مراکو کی موجودہ حالت دیکھکر کون صاحب فہم و فراست ہے جو نہایت دلیری سے یہ حکم
نہ لگا دے کہ غرب الاقصیٰ کی یہ اسلامی سلطنت چند روز کی مہمان ہے اور آج یا کل
کسی یوروپین سلطنت کی وسعت سلطنت اور وافزونی شان وشوکت کا ذریعہ ہوا چاہتی ہے
سلطنت ایران کی موجودہ حالت پر ریویو کرتے ہوئے۔ کیا کوئی ایسا واقفکار ہے جو
اس بات سے انکار کرے کہ وہ عنقریب روس۔ انگلستان یا کسی اور سلطنت کی حرص
و آز کا شکار ہوکر آزاد اسلامی ممالک کی فہرست سے خارج ہونے والی ہے چین کی نازک
حالت دیکھ کر کیا کوئی دوربین یہ کہنے میں لیس وپیش کرے گا کہ وہ تباہی اور بربادی
کے کنارے پر ہے۔ اور چند روز کے اندر اُس دام میں گرفتار ہونے والا ہے جو شکاریوں
نے اوس کے ہر چہار طرف پھیلا رکھا ہے۔ برعکس اس کے کیا دُنیا پر کوئی ایسا نجومی
بھی ہے۔ جو انگلستان جرمنی۔ فرانس۔ روس یا امریکہ کے ایک معتدبہ عرصہ تک
بھی تباہ ہونے کی پیشنگوئی کر سکے۔ اگر کوئی ایسا مرد خدا ہے تو اُسکو بہت جلد کسی لایق
ڈاکٹر کی طرف رجوع کرکے اپنا علاج کرانا چاہیئے۔ ان تمام خارج از بحث واقعات کو بھی
چھوڑکر ہم اپنے اصلی مطلب پر آتے ہیں۔ اور سلطنت عثمانیہ کی موجودہ حالت پر ریویو
کرکے اس کے آئیندہ کی نسبت کچھ خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ گذشتہ صدی کے آغاز میں
اگر سلطنت ٹرکی کے زوال کا زمانہ کہا جائے۔ تو تاریخ کی رو سے کچھ بیجا نہ ہوگا یہ وہ
زمانہ تھا کہ ایشیائی نجومیوں کی تھیوری کے مطابق مسلمانوں کی قسمت منحوس ستارہ
کی زیر اثر تھی۔ یہ منحوس ستارہ نفاق حسد۔ بے علمی۔ جہالت۔ خودسری۔ عیاشی غفلت
لے پرواہی کی نامبارک شعاعیں اسلامی سلطنت پر ڈال کر قضا وقدر کی منشا کو پورا کر رہا
تھا۔ قسطنطنیہ میں سلطان محمود ثانی حکمران تھا اور اُس کے ہاتھوں شکست کھا کر
داغ ندامت دھونے کی فکر میں تھا۔ کہ چرخ نے ایک نیا گل کھلایا۔ اور خبرداروں نے
رپٹ دی کہ محمد علی گورنر مصر نے سب احسانات کو نظر انداز کرکے سرتابی و بغاوت پر
کمر باندھ لی۔ بس پھر کیا تھا محمود کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور آئینہ ساں حیران رہگیا
بیچارے نے بغاوت فرو کرنے کے لیے ایک لشکر جرار روانہ کیا۔ مگر قسمت کا پھیر دیکھیے
باغی محمد علی سلطانی فوجوں کو ہزیمت پر ہزیمت دیتا ہوا طوفان بے تمیزی کیطرح اسلامبول

کیطرف اشارہ چلا آتا تہا۔ کہ اہل فرنگ نے رنگ میں بہنگ ملانے کا ڈہنگ اختیار کیا
اتنے میں جو یورپین سلطنتیں محمد علی کا دم بھر رہی تہیں فوراً فرنٹ ہو کر سلطان کیساتہہ مل
گئیں۔ خیرخواہی سے نہیں۔ بلکہ محض اس خیال سے کہ اگر محمد علی اسلامبول کو فتح
کرکے ساری سلطنت روم کا بادشاہ بن بیٹھا تو یورپ کو ہاتہہ کیا آیا۔ بنی بنائی سلطنت
ایک خاندان سے نکلکر دوسرے خاندان میں چلی گئی۔ اور اسی طرح اسلامی سلطنت
کی طاقت پھر ویسی کی ویسی رہی۔ دول یورپ کی مدد سے سلطان محمد علی پر غالب
تو آگیا۔ مگر واہ رے یورپ تیری پالیٹکس کے قربان جائیے۔ مصر کو باوجود محمد علی کے
اپنے اصرار کے دولت عثمانیہ سے علیحدہ کرکے محمد علی کو اسکا الگ حکمران بنادیا۔ اور
دولت عثمانیہ کے ایک صوبہ کو خراج گذار ریاست میں بدل دیا۔ اب تو بیچارہ محمد علی
بھی ہاتہہ کاٹنے لگا۔ اور یورپ کی چال دیکھکر دست تاسف ملنے لگا۔ مگر اب پچھتانے
سے کیا ہوتا تہا۔ دولت عثمانیہ کے اسطرح ایک صوبہ کے نکل جانے اور محمد علی
کی بغاوت فرو کرنے میں فوج کٹانے اور بیشمار روپیہ صرف کرنے سے نہایت کمزور ہوگئی
ابھی اس کمزوری کے دفعیہ کیلئے دردمند طبیب نسخہ ہی تجویز کر رہے تہے کہ عبدالوہاب
نے سرزمین عرب میں وہ طوفان بے تمیزی برپا کیا کہ الاماں۔ خدا خدا کرکے یہ طوفان
فرو ہوا ہی تہا کہ خود دارالسلطنت کے اندر سازشوں کا جال پھیلگیا۔ اور یورپین
ایجنٹ طرح طرح کی ریشہ دوانیوں میں مصروف ہوگئے۔ شریر یونانیوں نے علم بغاوت
بلند کرکے شور قیامت برپا کردیا۔ اور بنی نوع انسان کے ہمدرد دول یورپ نے
آگ پر تیل ڈالنا شروع کردیا۔ بغاوت کے ساتہہ ہی روس و فرانس اور انگلستان
کے برخلاف اعلان جنگ کرنا پڑا۔ اور ناوارینو پر ترکی بیڑہ اتحاد ثلاثہ کی بیڑوں سے
دوچار ہوا۔ ابراہیم پاشا امیر البحر نے وہ داد مردانگی دی کہ دشمن مقابلہ سے ہٹ کر جانیکو تیار ہو
گیا۔ افسوس! بہادر مگر بہولا بہالا ترک امیر البحر ابراہیم پاشا عیسائی امیر البحروں
کی چال میں آگیا۔ اور انکی اس بناوٹی بات کو باور کیا کہ اسلامبول میں اعلان صلح ہوگئی
اسوقت سلطنت ٹرکی میں سلسلہ تار برقی نہ تہا کہ ابراہیم پاشا بذریعہ تار اسبات کی تصدیق
کرلیتا۔ بیچارے نے مجبوراً سوا اسکے یہی سمجھا کہ اصل معاملہ کی اطلاع ملے۔ مگر اس نے بڑی بہاری غلطی کی کہ دشمن
کی بیڑوں سے بے پروا ہو کر بیٹھ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روس و فرانس و انگلستان کے سفینہ بیڑوں نے اچانک

ترکی بیڑہ پر حملہ کرکے اسکو ہمیشہ کے لئے سمندر کی گہرائیوں میں پنہاں کردیا۔ صرف ایک ترک سپاہی بچا جس نے یہ سانحہ حیرت افزا اسلامبول میں آکر سنایا۔ آخر صلح ہوئی اور ۱۸۳۰ء میں یونان کا صوبہ آزاد تسلیم کیا گیا۔ سلطنت کی جڑ ان پے در پے اور متواتر حادثات سے کھوکھلی ہوگئی۔ اور سب کو یقین ہوگیا کہ سلطنت کا اب جہاز ڈوبا کہ ڈوبا۔ خیر جہاز تو نہ ڈوبا۔ مگر ابھی تک اسکی شکستوں کی درستی زیر تجویز ہی تھی کہ ۱۸۳۹ء میں سلطان محمود ثانی کا انتقال ہوگیا۔ اور اسکا نوجوان بیٹا عبدالمجید تخت خلافت پر رونق افروز ہوا۔ نوجوان تو تھا ہی۔ اسکی طبیعت عیاشی کیطرف مائل ہوگئی۔ اور سلطنت کا جہاز اور بھی ڈگمگانے لگا۔ آخر روس نے سلطنت کو غایت درجہ کمزور پاکر اس کے بے ڈکار ہضم کرنے کی ٹھان لی۔ اور سلطان کی عیسائی رعایا کو مفروضہ ظلم وستم سے بچانے کیلئے ۱۸۵۴ میں سلطنت روم کے برخلاف اعلان جنگ کرکے حملہ کردیا۔ ترک اپنی پریشان حالت دیکھکر پہلے سے تو بیٹھے ہی تھے۔ خوب دل کھول کر مقابلہ کیا۔ اور روسی فوجوں کو مار کر ڈینوب کے پار بھگا دیا۔ فرانس اور انگلستان نے بھی اپنے بیڑے بھیجکر ترکوں کی مدد کی۔ آخر ۱۸۵۶ء میں ایسی شرائط صلح کرلی گئی کہ روس کو بھی نقصان پہنچا اور ترکوں کو بھی۔ اس جنگ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی مدد پہنچنے سے ان قوموں کا رسوخ ترکی میں از حد بڑھ گیا اور یہ سلطان تو ان کے ہاتھوں میں ایک آلہ بن گیا۔ یاروں کو ایسا موقع خدا دے پھر کیا تھا۔ سلطنت ترکی کو ہمیشہ کے لئے زیر بار کرنے کیلئے ظاہر ناصح مشفق بنکر سلطان کو قرضہ لیکر سلطنت کے نقص رفع کرنے کی ترغیب دی۔ یہ قرضہ وبال جان اور باعث تباہی نہ ہوتا۔ اگر سلطنت کی آراستگی پر ہی خرچ کیا جاتا۔ اور ہمارے خیال انگریز اور فرانسیسی یہ قرضہ دیتے ہی نہ۔ اگر ان کو یہ یقین نہ ہوتا کہ یہ قرضہ لیا ہوا روپیہ عیاش سلطان کی اپنی نفسانی خواہشوں پر صرف ہوگا۔ حضرت سلطان بے دریغ قرض لیتے اور تمسک لکھدیتے اور خوب گلچھرے اڑاتے۔ ترکی کو سخت زیر بار اور مقروض کرکے سلطان راہی ملک بقا ہوئے۔ اہل الرائے کا خیال ہے کہ اگر سلطان عبدالمجید عیاش نہ ہوتا تو جنگ کرنے کے بعد سلطنت ترکی کی حالت ضرور سدھر جاتی۔ عبدالمجید کے بعد سلطان عبدالعزیز حکمراں ہوئے۔ اول اول تو خوب بیدار مغزی سے کاروبار سلطنت

چلایا۔ مگر آخرکار نفس امارہ نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اور حضرت لہو ولعب میں ایسے ڈوبے کہ دنیا وما فیہا کی خبر نہ رہی۔ سلطنت کے نام پر قرضہ پر قرضہ لیتے اور خوب دل کھولکر عیش و عشرت کرتے۔ وزرات شراب میں غرق رہتے۔ دشمن جو تاک میں تھے۔ اس موقع کو غنیمت جانکر پھر ہاتھ پاؤں نکالنے لگے۔ ملک میں جا بجا بغاوتیں کرادیں۔ یہانتک کہ سنہ ۱۸۷۵ء کے آغاز میں سارا جزیرہ نما بلقان بغاوت کا گھر بن گیا۔ یہ حالت دیکھکر اراکین سلطنت کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ سلطان کیخدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر حضرت سلطان تو ہمیشہ عیش کی نیند سوتے تھے۔ یوں ہی سا جواب دیکر ٹال دیا ۔۔ اور سب سے بڑھ کر غضب یہ ہوا کہ بغاوت کرنے والا روس۔ مگر سلطان ہیں کہ سفیر روس کے ہاتھ کی کٹ پتلی بنے ہوئے تھے۔ یہ حالت دیکھکر آخر اراکین سلطنت نے حضرت سلطان کو معزول کر دیا۔ مگر یہاں یہ فتوی دینا بے محل نہ ہوگا۔ کہ سلطان کو معزول کرنے میں چند نمکحرام وزرا کو اپنا الو سیدھا کرنا زیادہ مدنظر تھا۔ عبدالعزیز کے بعد اس کے بھتیجے سلطان مراد چند ماہ تک حکمران رہکر بوجہ خلل دماغ معزول کئے گئے اور ۳۱ اگست ۱۸۷۶ء کو موجودہ سلطان عبدالحمید خاں تخت خلافت پر وزرا کے سخت اصرار اور منت سماجت کے بعد حکمران ہوئے۔ ان کے حکمران ہوتے ہی ایک لیڈی نے کہا تھا۔ عبدالحمید ایک ہوشیار اور روشن ضمیر حاکم ہے۔ اور ہم سب لوگ یقین کرتے ہیں کہ قضا و قدر کے خزانہ میں روم کی بہتری کے واسطے بھلے دن ابتک باقی ہیں۔ بوقت تخت نشینی سلطان کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ یہ ابھی بچے ہی تھے کہ انکی والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ سوتیلی والدہ کی سایہ عاطفت میں انہوں نے پرورش پائی۔ ۱۸۶۷ء میں ان کے والد سلطان عبدالمجید خاں نے ان کو شاہزادہ مراد کے ساتھ پیرس ملک میں بھیجا وہاں انہوں نے فرانسیسی زبان سیکھی۔ وہ لباس بالکل یورپین طرز کا زیب تن کرتے ہیں۔ قد انکا چھوٹا۔ مگر آدمی مضبوط ہیں۔ جوانی کے وقت طبیعت میں رنگینی زیادہ تھی۔ پرندے اور جنگلی جانوروں کا زیادہ شوق تھا۔ یہ فرمانروا سلطان تخت پر بیٹھا ہی تھا کہ روس سے جنگ شروع ہو گئی۔ اس جنگ میں ترکی کو کامل شکست ملی۔ بہت سا ملک ہاتھ سے نکل گیا۔ اور سلطنت کی حالت اس قدر ابتر ہو گئی کہ دوست دشمن یکساں طور پر کہنے لگے کہ بس اب خاتمہ ہے۔ کوئی تدبیر

اگر سلطان عبدالحمید یا عبدالعزیز ہوتے تو سلطنت کی زندگی کا جام
لبریز ہو چکا تھا۔ مگر خدا کو جسے رکھنا منظور ہوتا ہے۔ اس کے لئے ایسے سامان پیدا کر دیتا
ہے کہ بگڑے ہوئے کھیل بن جاتے ہیں۔ چنانچہ خدا کو منظور تھا کہ سلطنت ترکی قائم
رہے اس نے ایک ایسا شخص کا ذمہ دار بنا دیا کہ جو اپنی ذمہ داریوں کو خوب سمجھتا تھا۔
چنانچہ جنگ کے ختم ہوتے ہی برخلاف اپنے چند بزرگوں کے آپ نے پوری پوری توجہ
معاملات سلطنت پر مبذول فرمائی۔ پہلے قرضہ کا انتظام کیا۔ پھر خزانہ بحالت
سنبھالی ساتھ ہی ملک میں یورپین تعلیم کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان باتوں کی طرف
سے فارغ ہو کر حضرت جلالت مآب نے بڑی فوج کی طرف توجہ کی۔ خدا جانے کیا
جادو کیا کہ چند ہی سال میں فوج کو آراستہ و پیراستہ کر دیا کہ دنیا میں اس کو لاثانی
بنا دیا۔ اور اس کا سکہ ساری دنیا میں جما دیا۔ بڑی فوج کے بہمہ وجوہ مکمل ہو جانے
سے اکثر لوگ خیال کرنے لگے کہ بس اب ترکی کو کوئی ڈر نہیں۔ مگر یہ لوگ غلطی پر
تھے۔ اور ہیں سلطنت میں ریل نہ تھی کہ حسب ضرورت فوج ادھر ادھر آ جا سکے
اور اپنے فرائض ادا کر سکے۔ یورپین ترکی میں تو حسب ضرورت کچھ ریل ہے ہی
مگر ایشیائے روم اور عرب میں ریل کا نشان تک نہ تھا۔ اور یہ بات ہمیشہ ہمدردان
خلافت کو کھٹکتی تھی کہ اگر خدانخواستہ ترکی کا کسی سلطنت سے جنگ ہو پڑے تو
وہ ان ممالک کی بچاؤ کا کیا انتظام کر سکتی ہے۔ اگرچہ یہ کھٹکا ابھی تک بدستور باقی
ہے۔ مگر موجودہ حالت پر نظر ڈالنے سے یہ کانٹا بالکلیت وہ نہیں رہتا۔ چنانچہ اخبار دان دنیا
کو معلوم ہے کہ ایشیائے روم و عرب میں ریلوے کا کام نہایت سرگرمی سے ہو رہا ہے۔ اگر
یہ سرگرمی اور مستعدی جاری رہی تو تین سال کے اندر ترکی کو ریلوے کی شکایت
نہ رہے گی۔ چونکہ اب روس جاپان سے لڑ رہا ہے۔ خواہ وہ فتح پائے یا شکست کھائے
دونوں صورتوں میں وہ ترکی سے آٹھ نو سال تک چھیڑ چھاڑ کرنے کی جرأت
نہیں کرے گا۔ لہذا روس کی طرف سے جو ترکی کا جانی دشمن ہے مطمئن رہنا
چاہیے۔ آسٹریا کی اپنی اندرونی حالت اور اس کی سرحدوں پر ترکی کی افواج
کا جلد جلد جمع ہو سکنا اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ موجودہ وقت میں آسٹریا
بھی بظاہر حال ترکی سے نہیں بگاڑے گا۔ انگلستان اور فرانس۔ روس و

جاپان سے جنگ اور بعض دیگر وجوہات کے باعث ٹرکی سے چھیڑ چھاڑ خالی نہیں کرسکتے اور جرمنی کے اغراض تو ٹرکی سے مقصد والبتہ ہیں کہ وہ کبھی بھی موجودہ حالت ٹرکی سے بگاڑ کرنے کا خیال تک نہ کریگا۔ ان تمام باتوں کو خیال کرکے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ٹرکی اپنی ریلوں کی تیاری کیلئے کوئی ایسی ہم بیرونی مشکلات پیش آئیگی اور اندرونی مشکلات سلطان کو کامیاب نہیں کہہ سکتیں بہرحال یہ حجاز اور بغداد ریلوے لائن کے تیار ہو جانے میں کوئی مشکل حائل نہیں اور غالب ہے کہ یہ دونوں ریلوے لائن پانچ سال کے اندر بالکل تیار ہو کر آمد و رفت کیلئے کھلی ہونگی ... اب اگر ریلوے لائن مکمل ہوئیں تو کیا ٹرکی محفوظ ہے نہیں ہرگز نہیں موجودہ جنگ روس جاپان نے بحری فوج کی اہمیت اور ضرورت کو روز روشن کیطرح ظاہر کر دیا ہے اور اسوقت ٹرکی کے پاس بحری فوج نہیں اور اگر پانچ سال تک ریلوے تیار بھی ہوا اور بحری فوج نہ ہو تو ہم دعوی سے نہیں کہہ سکتے کہ اب ٹرکی کو کوئی ڈر نہیں۔ مگر واہ رے حبیب الجبیب قربان جائیے تیری فہم و فراست کے لوٹنے آنے والے وقت کا اندازہ کر کے موجودہ موقعہ سے خوب فائدہ اٹھایا ہے ایک طرف ریلوں پر زور دیا ہے تو دوسری طرف وہ نہایت مضبوط بیڑہ ہائے جہازات تیار کر رہے ہے۔ چنانچہ اسوقت امریکہ و یورپ میں کوئی ایسا بحری کارخانہ نہیں جسمیں ٹرکی کیلئے عثمانی جہاز کروزر تارپیڈو شکن جہاز تارپیڈو جہاز زیر آب چلنے والے ساحلی جہاز نہ بن رہے ہوں۔ اسلامبول کا بحری کارخانہ بھی دن رات جہازوں کی تعمیر کرنے میں مصروف رہتا ہے ہر ایک کا کا حکم ہے کہ جہاں تک ہو جلدی جہاز بنائے جائیں اسوقت جو جہاز تیار ہو رہے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ ۲ سال میں تیار ہو جائینگے اور یہ جہاز تعداد میں اتنے ہیں کہ ٹرکی کی حفاظت کیلئے اگر ساتھ ہی اوس کی بری فوج کا بھی خیال کر لیا جائے کافی ہیں۔ مگر کیا ٹرکی جہازوں پر ہی بس کر دے گی ہرگز نہیں جوں جوں تیار ہو کر آتے جائینگے اور جہازوں کا حکم ہوتا جائیگا۔ یہاں تک کہ جب ایک طرف حجاز بغداد ریلوے تیار ہو جائے گی تو دوسری طرف ٹرکی کی بحری طاقت بہمہ وجوہ مکمل اور نہایت زبردست ہوگی اور یہ

پانچ سال تک ہو جاویگا۔

جب یہ سب کچھ ہو جاویگا تو ٹرکی کیا کرے گی۔ اسے کسی دشمن کا نہ ڈر ہوگا وہ حملوں سے بالکل محفوظ اور طاقتور ٹرکی ہوگی اور اسوقت اس کی تجارت صنعت و حرفت زراعت وغیرہ میں ترقی کرنیکا زمانہ شروع ہوگا۔ اور اس سے چند سال بعد ٹرکی ہر ایک بات میں یورپ کے برابر ہوگی اور پھر اگر یہی رفتار رہی تو بڑھ جائے گی۔ اور خدا جانے کیا کچھ کر دکھائے گی۔ مگر وہ زمانہ کئی سال کے بعد آئیگا۔ مگر بتانا مشکل ہے۔

چھٹا باب

ٹرکی کے اندرونی خطرات

ٹرکی میں اجانب کی اناف اصول پوزیشن۔ اون کی مراعات اجنبی بحریوں کی گوشمالی میں۔ بابعالی کی بے بسی اجانب کی خلاف اصول پوزیشن کو ہٹانے کی جدوجہد۔ سلطان کی بدعملی کے سبب اس میں ناکامی۔ ٹرکی کی آزادی خیال خام۔ پیر دلیسی عیسائی۔ اونکی جداگانہ ہستیں۔ انکی غدارانہ حرکات انکو انگریز معاون ٹرکی کی متحدانہ پالیسی۔ اسکے خطرات ارمنی اونکی پرانی مراعات قتل عام انکی موجودہ پوزیشن۔

میں نے گذشتہ باب میں سلطان کے آئین و ضوابط کا مختصر سا خاکہ کھینچا ہے اور اسباب کا بھی اشارہ کر دیا ہے کہ جو ٹیشل انسٹی ٹیوشنوں میں ارمنی اور غیر مسلم کیلئے دل سے داخل کئے گئے ہیں اب میں اس پوزیشن پر بحث کرونگا جو اجانب کو اس ملک میں حاصل ہے اور سلطنت عثمانیہ کی عیسائی آبادی کا طرز عمل پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا ٹرکی میں ممالک غیر کے باشندوں کو نامناسب آپ داند پوزیشن حاصل ہے اجنبیوں کی ہر ایک بستی بطور خود ایک ریاست ہے اور دولت عثمانیہ کے دیگر شہروں کی نسبت قسطنطنیہ میں یہ بستیاں

زیادہ ہیں۔ ہر ایک اجنبی کو فائدہ ملکی مراعات حاصل ہیں۔ اور دوسرے ملک میں یہ بات صرف سفیروں اور کانسلوں کو بمشکل نصیب ہوتی ہے ایک اجنبی خواہ کیسے ہی سنگین جرم کا مرتکب ہو ٹرکی گورنمنٹ کا قانون اسپر حاوی نہیں ہو سکتا۔ گذشتہ صدیوں میں عثمانی سلطانوں نے یہ مراعات چند یورپین سیاحوں کو بطور مہربانی کے بطور مہربانی کے عطا کی تھیں۔ مگر بعد کے زمانوں میں ان مراعات کے حاصل کرنیوالوں نے انکا بہت بڑا استعمال شروع کر دیا میں یہاں ان مراعات پر بالتفصیل بحث کرنا نہیں چاہتا انہوں نے عثمانی مدبروں کے ہاتھ کاٹ دیئے ہیں۔ قانون کے عملدرآمد کرانے میں بیش از بیش رکاوٹیں پیدا کر دی ہیں۔ سلطنت کی ترقی اور اصلاحوں کے نافذ کرنے میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔

کسی وقت یہ بات ممکن تھی کہ باب عالی ان بیجا مراعات سے کلی طور پر نہ سہی جزوی طور پر ہی مخلصی حاصل کریں کیونکہ یہ مراعات قانون میں اور اقتدار کے رو سے جائز نہ تھیں اور چند دوست طاقتیں خاصکر برطانیہ اعظم ان میں مناسب ترامیم کرنے پر آمادہ و تیار رہتی۔ البتہ باب عالی کو یہ اختیار رہ گیا کہ اجنبی مجرموں کو سزا دے مگر اسکی تعمیل اس اجنبی کی کونسل کی معرفت کرا سکتی ہے۔ اگر اب بھی ٹرکی اپنے انتظامی پرزے درست کر لے اور حسب ضرورت اصلاحیں نافذ کرے تو وہ دول عظیم سے درخواست کر کے ان مراعات میں قابل قدر ترمیم کرا سکتی ہے تیس سال کا زمانہ ہوا کہ عثمانی مدبروں نے اس بات کا بیڑا اٹھایا تھا مگر عبد الحمید کی تباہی بخش عہد حکومت کے شروع ہو جانے سے باب عالی کی سب تجاویز دھری کی دھری رہ گئیں۔ اس متلون مزاج سلطان نے اس ضروری سلطنت پر جسکی حالت اس بات کی مقتضی تھی کہ اس کے انتظام میں پھونک پھونک کر قدم رکھا جائے ایسی ڈھنگ سے حکومت کا رنگ جمایا کہ روس کی نظیر سوائے وحشی قبائل کی حکومت کے کسی مہذب یا نیم مہذب سلطنت کی تواریخ میں نہیں ملتی جس ڈھنگ سے سلطان حکومت کر رہا ہے اوس کی نظیر صفحہ تاریخ میں ملنی دشوار ہے اس نے چند سالوں میں ہی سلطنت کی ڈوبتی ناؤ کو منجدھار سے نکال کر عافیت کے کنارے پر لگا دیا ہے

منحوس حالت میں وہ تخت پر جلوہ افروز ہوا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتا تو دنیا میں بھی پاگل ہو جاتا اور سلطنت بھی اب تک یاروں کے دام شنید و بیہ کی شکار ہو چکی ہوتی (مترجم)

اس نے بڑے بڑے قابل اور لائق عثمانی مدبروں کے اقتدار کو خاک میں ملایا اور ذمہ داری کے عہدے ناکندہ تراش اور لونڈے لوگوں کے حوالے کئے جنہوں نے بے ایمانی اور رشوت ستانی سے رعایا کا ناک میں دم کر رکھا ہے موجودہ عہد کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ترکی میں رہنے والے اجانب اپنی زائد ملکی مراعات پر سختی سے قائم ہو گئے ہیں اور کئی ایک نئی مراعات حاصل کر لی ہیں جو کسی معاہدہ یا عہد نامے کی رو سے روا اور جائز نہیں ہیں اس وقت ایک قسطنطنیہ میں حکومت کے کئی مرکز دیکھ سکتا ہے جو ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں۔ اور بالکل ہی حیطہ اقتدار سے باہر ہیں پس آجکل ترکی کی آزادی کا خیال کرنا ہوا پر قادر ہونا اور عبدالحمید عالیہ کے اس خسرہ پر جس کو بیرونی مدد کا کوئی سہارا نہیں ہے ہوا کا ظلم کر سکتا ہے (کیا یہ تھوڑا ظلم ہے کہ وہ سلطنت کو غیروں کی دست برد سے بچانے کے وسائل مضبوط کر رہا ہے تعلیم تجارت صنعت و حرفت پر بیش از بیش زور لگا رہا ہے جا بجا اسکول اور ریلوے لائین تعمیر زراعت کو ترقی دینے کیلئے ملک میں سائنٹیفک طریقوں کو رائج۔ خائن اور بے ایمان افسروں سے گورنمنٹ کو پاک و صاف کر کے رعایا کی جان و مال کو محفوظ کر رہا ہے بھلا ان سے بڑھکر اور کیا ظلم ہوں گے مترجم)

بیشک اس کتاب میں موجودہ سلطان کی بد عملی پر نہایت سختی سے نکتہ چینی کی ہے۔ میں اس کی طرز حکومت کے سخت خلاف ہوں کیونکہ میرا خیال ہے کہ ترکی میں اجانب کو بیجا اقتدار اور رسوخ حاصل ہونے کے باوجود ابھی تک ترکی کو موجودہ مظالم سے نجات پانے کی اور بہبود اور فیاضانہ حکومت کی نعمتوں سے بہرہ یاب ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔ مگر بڑی دقت یہ ہے کہ موجودہ بد نظمی کو اٹھا کر دل بجز اپنی رعایا کے لئے تازہ ملکی مراعات حاصل کرنے کے در پے رہتے ہیں اور دولت عثمانیہ کے زیر نگین علیا یونکی حمایت کچھ کوششیں کی جاتی ہیں

اور کہتی ہیں کہ انسانی ہمدردی کا تقاضا یہی تھا۔

"تاہم اُن کی اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ اُن عیسائیوں کے ذریعہ اپنا پولیٹیکل اثر پیدا کریں۔ اسطرح سے دولت عثمانیہ کے عیسائی جن کے قومی کیرکٹر پر لیونانٹ کے انگریز سیاح بخوبی روشنی ڈال چکے ہیں۔ سلطنت کے لئے اندرونی خطرات کا موجب بنی ہوئی ہیں۔ اس میں شک نہیں ان عیسائیوں کی قومیت آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہے۔ یعنی یونانی ارمنیوں سے جدا۔ بلغاری غیر مسلموں سے مختلف۔ ہر ایک عیسائی قوم کے اپنے اپنے گرجے۔ اپنے اپنے سکول اپنے اپنے قومی اغراض و مقاصد ہیں۔ ہر ایک عیسائی قوم کی اپنی اپنی زبان ہے اور ہر ایک بجائے خود عثمانیوں کے خون کی پیاسی ہے۔ اور دولت عالیہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتی ہے۔ ٹرکی کے عیسائیوں کے یہ خیالات کی تائید میں یہ کہہ دیتے ہیں۔ اجی کیا سالوں کے جور و ظلم سہنے کے بعد خیالات غدارانہ نہ ہوں تو کیا دوستانہ ہوں۔ چنانچہ ان کا یہ عذر بدتر از گناہ ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ اصل حال سے وہ بالکل بے خبر ہیں۔ کوئی شک نہیں۔ مدت سے سلطنت عثمانیہ ظلم و جفا کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ مگر صرف عیسائی مظلوم نہیں۔ بلکہ اُن میں سے بہت ظلم کرنے اور کرانے کا آلہ ہیں۔ اور ظالموں کی دائیں موچھ بنے ہوئے ہیں۔ اگر عیسائیوں کے برخلاف کبھی قتل عام کا بازار گرم ہوتا۔ تو آج اسقدر ارمنی یا یونانی ٹرکی میں زندہ نظر نہ آتے۔ گذشتہ صدیوں میں وہ بالکل ترکوں کے رحم پر تھے۔ کیسی یورپین طاقت کو سوچ نہ تھا۔ قتل کا حکم ایک موہوم بات تھی۔ اگر ترک چاہتے تو ان کو آسانی تمام مسلمان بنا لیتے۔ یا صفحہ ہستی سے مٹا دیتے۔ آج ٹرکی میں مختلف قومیت رکھنے والے لاکھوں عیسائیوں کا موجود ہونا ترکوں کی آزادانہ اور متحملانہ پالیسی کا بین ثبوت پیش کرتا ہے۔

عیسائیوں کی صرف جان و مال ہی حفاظت میں نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ جس کی شہادت اُن کے بےشمار گرجوں۔ قومی سکولوں۔ اون کی زبانوں اور قومی رسم و رواج سے مل سکتی ہے مگر افسوس ٹرکی کے عیسائیوں نے اس فیاضانہ سلوک کی قدر نہ جانی

انہوں نے اظہار تشکر میں کبھی اب تک نہیں بنایا۔ اور نہ ہی دولت عثمانیہ کی بابت اپنی خیرخواہی و ہمدردی کا کبھی ثبوت دیا۔ اگر وہ حق نمک ادا کرتے۔ تو یقینا بلغاریہ کی بدامنیوں اور شورشوں سے محفوظ رہتی۔ اور اسکو وہ روز بد جو آنیوالا ہے دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ ادیکھئے وہ دور روز دیکھتی ہو۔ یا اپنی دشمنان روسیاہ کو دکھاتی ہے۔ تمام اس کی تاریخ سے روسیوں نے بڑا فائدہ اٹھایا ہے کیونکہ وہ مفتوحہ اقوام کو روسی رنگ میں رنگ لیتی ہیں۔ اور اپنے قومی شجر کے پاس کوئی خاردار جھاڑی اُگنے نہیں دیتے۔ مسلمانوں نے اپنی غیر مذہب رعایا سے جیسا تحمل سلوک کیا ہے وہ خلاقی پہلو سے قابل تحسین ہے۔ مگر یاد رہے۔ مفتوح تو اد سے ایسا سلوک خود قاتحو کی آئندہ حالت کو تاریکی میں ڈال دیتا ہے

اپنی تمام رعایا میں سے ترکی کو ارمنیوں کی طرف سے بڑا خطرہ رہتا ہے۔ ارمنیوں کی خواہش ہے۔ کہ ایشیائے کوچک میں اپنی ایک آزاد ریاست قائم کریں۔ لہذا میں یہی معاملات پر کچھ بحث کرتا ہوں۔ اگرچہ آجکل انہیں چنداں اشرسٹ نہیں جاتا۔ مگر وہ دن دور نہیں کہ یہ لیل شورپدہ سر پھیر ان کو آگے رکھ کر اطراف انہیں چلنے میں سرگرم نظر آئیں گے۔

جیسا کہ میں نے پہلے باب میں بتایا ہے۔ قانونی کالج میں طلبا میں سے تیرہ ارمنی تھے۔ ارمنیوں کی کل تعداد پر اگر خیال کیا جائے تو یہ تیرہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کوئی شک نہیں ارمنی بڑے محنتی اور جفاکش ہوتے ہیں اونہوں نے داخلہ کے امتحان میں نہایت عمدہ نمبر حاصل کئے۔ محکمہ تعلیم کے افسروں نے تعداد کی قید نہیں لگائی تھی۔ پس انہوں نے جتنے کہ پاس ہوئے سب داخل کر لئے۔ تاہم میرا خیال ہے۔ ان کی ارمنیوں شورشوں کے بعد یہ حالت قائم نہ رہی ہوگی۔ اور اگر نہ رہی ہو۔ تو مقام تعجب نہیں کیونکہ پچھلے دنوں ہی ارمنیوں نے گورنمنٹ کے برخلاف طوفان بے تمیزی برپا کیا۔ اور اپنے ہم وطن مسلمانوں کو ستایا اور ان کا ناک میں دم کیا۔

بیشک اس ملک کے لوگوں نے کشت و خون کی بہت سی داستانیں سُنی ہونگی۔ یہ کشت و خون ناجائز تھا۔ اور کوئی شک نہیں۔ اس میں بہت سے بے گناہ مارے گئے تھے۔ مگر اس کے متعلق رائے قائم کرنے سے پہلے انصاف تقاضا کرتا ہے کہ ارمنیوں کے قتل کرنے کی وجوہات معلوم کیجائیں۔ اسبات کو درست مان لو کہ اس سے پہلے ارمنیوں کے ساتھ کبھی ایسی سختی نہیں کی گئی تھی۔ اور اگر کیجاتی تو آج دولت عثمانیہ کے زیر سایہ ۲۰ لاکھ ارمنی نہ ہوتے۔ ارمنی بیوپاری ہیں۔ وہ ہر جگہ جاسکتے ہیں۔ ہر جگہ آباد ہوسکتے ہیں اور ہر سلطنت کی رعایا بنجاتے ہیں۔

شورش برپا کرنے سے پہلے غیر سلطنتوں کے بہت سے ارمنی۔ فرانسیسی انگریز اور امریکن ترکی میں آئے۔ بعض پادریوں کے بھیس میں اور بعض اُستادوں کے بھیس میں تھے۔ یہ شریر ارمنی روس کے شورزیدہ سر ارمنیوں سے ملکر جو کاکیشیا کیطرف سے آئے تھے۔ اپنے بھائی بندوں کو ایشیائی ترکی میں اپنی ایک ریاست قایم کرنے کی ترغیب دینے لگے۔ نوجوان ارمنی اپنی قومی سلطنت کے قایم کرنے کے خیالات سے جوش میں آگئے۔ اور دور کے خواب دیکھنے لگے۔ یہہ نہ سوچا کہ ترکی میں اُن کی سلطنت کا قایم ہونا ناممکن ہے اور یہ کہ ہر جگہہ ان کی تعداد آٹے میں نمک بھی نہیں۔

انگلستان میں اُن کے پولیٹیکل ہواخواہ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے بہتر گورنمنٹ حاصل کرنے کے لئے شورش برپا کی تھی سلطنت قایم کرنے کا اُن کو وہم و گمان بھی نہ تھا مگر یہ بات بالکل فضول ہے۔ اور بعد میں گھڑی گئی ہے۔ اصل واقعہ تو یوں ہے کہ ارمنی اُسوقت بآواز بلند اس بات کا اعلان کرتے تھے۔ کہ "ہم مشرقی ایشیائے کوچک میں آزاد سلطنت قایم کرنا چاہتے ہیں"۔ ہر جگہہ ہمکو یہ صدا سُنائی دیتی تھی۔ کہ دول عظیم خاصکر برطانیہ اعظم روبہ تنزل سلطنت عثمانیہ کو وہ حصہ دینے پر۔ ارمنیوں کے حوالہ کرنے پر تیار ہیں۔ جس طرح کہ سلطنت کے بہت سے حصص آگے اُنہوں نے دیگر عیسائی قوموں کو دئیے ہیں۔ وہ اُسدن کی نہایت بیتابی سے انتظار ہی کر رہی تھی۔ کہ ترکی کے ٹکڑے ہوں۔ اور وہ اپنا حصہ لیں۔ ہیں نے خود ارمنیوں کو اپنے آئندہ ہمقوم حکمرانوں کے متعلق

سو کرتے ہوئے سنا ہو۔

ترک آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے تھے " یہ لوگ ہمارے برخلاف آمادۂ بغاوت کیوں ہیں جبکہ ہم خود ان سے بھی زیادہ ستم رسیدہ ہیں۔ چہ جائیکہ موجودہ مظالم خود ارمنی افسروں کی ہی بدولت ہو رہے ہیں۔ ہمارے سلطان کے اعلیٰ افسر اور سپاہی زیادہ تر ارمنی ہی ہیں) ارمنیوں کا جوش دن بدن بڑھتا گیا۔ آخر نوبت بایں رسید۔ انھوں نے وہی پرانی چال اختیار کر لی بعض ترکوں کو طیش دلانے لگے۔ کہ وہ کسی طرح اپنی شمشیر نیام سے باہر نکالیں مطلب یہ تھا کہ ترکوں کے انتقام لینے سے یورپ میں یہ خیال پیدا ہو جاوے گا کہ مسلمانوں پر پھر تعصب کا جنون سوار ہو گیا ہے۔ اسطرح دول یورپ دخل دینے پر مجبور ہو جاویں گے۔ اور ٹرکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر لیئے جائیں گے۔ ایشیائی ٹرکی کے مسلمان سوچتے تھے کہاں تک ان نابکاروں کی شورش کو کس طرح فرو کیا جائے۔ ایشیائے کوچک میں ترک عورتوں کی بے حرمتی کی۔ اور بچوں کو ہلاک کیا گیا۔ ترک غایت درجہ صابر ہوتا ہے۔ مگر اگر تم اسکی عورت یا بچہ پر حملہ کرو گے وہ فوراً آگ بھبھوکا ہو جائیگا۔ اور دنیا میں کوئی چیز اس کے غصہ کو فرو نہیں کر سکتی۔ اس نے دیکھا کہ سلطان کی گورنمنٹ ارمنیوں کی گوشمالی کرنے میں عاجز ہے۔ اور ممالک غیر کی انقلاب پسند سوسائٹیوں کی شرارت کو نہیں روک سکتی۔ کیا انگلستان کے ہمدردان بنی نوع انسان کو یہ واقعات معلوم نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ کوئی ایسی بات جاننا پسند ہی نہیں کرتے جو ترکوں کی تائید میں ہو۔ کیا اس ملک کے پولیٹیکل رسالوں اور اخباروں نے یہ واقعات جو میں نے بیان کئے ہیں۔ لکھے ہیں؟ یقیناً ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے۔ ارمنیوں کی شرارتوں میں ان کے اپنے پولیٹیشنوں کا بھی ہاتھ ہے۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہونے سے پہلے میں نے بہت سے ترکوں سے سنا۔ کہ ترک آرمینوں کے پہلو بہ پہلو رہتے چلے آئے ہیں۔ لیکن سنا ہے کہ مشرقی ایشیائے کوچک میں ارمینوں کی نسبت شہر گرادوں کے برتاؤ پر ناراض نہ ہونا چاہئیے۔ ورنہ ارمنیوں کو ضرور ملیامیٹ کر دینا چاہیئے۔ اس کے بعد وہ قتل و غارت کے مواقع شروع ہو گئے۔ ان ارمنی انقلاب پسندوں نے جو آخر خود صاف

بھڑک اٹھے۔ مسلمان کوارٹروں میں بم کے گولے پھینکنے اور اُن کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے مسلمانوں کو سخت طیش دلایا۔ مسلمانوں نے یہ خیال کر کے سلطان کی گورنمنٹ ان لوگوں کی مزید فتنہ پردازی اور شرارتوں کا کوئی انسداد نہ کرے گی۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور آرمنوں کا جوش اس طریقہ سے جس کا سبب کو علم ہے ٹھنڈا کیا۔ ممالک غیر کے انقلاب پسند ارمنوں کی گوشمالی کی طاقت اپنے میں نہ پا کر سلطان پیچ و تاب تو کھا ہی رہا تھا۔ اس لیے اپنی غیظ و غضب میں آئی ہوئی مسلمان رعایا کو اگر قتل و غارت کا خود ایماء نہیں کیا۔ تو ان کی حرکات پر اعتراض ضرور کیا۔ مگر اس کے اعتراض کا نتیجہ یہ ہوا کہ اصلی مجرم تو بہت کم مارے گئے۔ مگر کئی بے گناہ ارمنی ہلاک ہو گئے۔ اگرچہ ارمنی محنتی اور جفاکش ہیں۔ وہ اپنی سابقہ خوشحالی پھر حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ان کو روپیہ کمانے کے ہمیشہ قیمتی مواقع ملتے رہے ہیں۔ سلطانی عملہ میں ان کو اچھا رسوخ حاصل تھا جس کی بدولت وہ سلطنت کے محاصل کے لیے مالٹا اور پٹرمشن بنے ہوئے تھے ایشیائے کوچک پر عثمانی ترکوں کے اقتدار کیسا تھ ہی اُن کی اقبالمندی کا سنگ بنیاد قائم ہو گیا۔ جس وقت ترک آئے وہ پراگندہ حالت میں تھے۔ اور ان کی پولیٹکل زندگی مدت سے ختم ہو چکی تھی۔ اگرچہ عثمانی حکومت نے ان کی پولیٹکل آزادی انکو نہ دی۔ مگر ان کی جان و مال کی کماحقہ حفاظت کر کے ان کو اپنی حالت سنوارنے کا موقع دیا۔

ترک آرمنوں کے لئے کیا کچھ کرنے پر تیار نہیں تھے۔ اسکی مثال بھی میں گذشتہ صدی کی مذہبی مشکلات کا واقعہ پیش کرتا ہوں۔ اسوقت یورپ میں مشنری تحریک زوروں پر تھی۔ پراٹسٹنٹ اور رومن کیتھلک پادری بلائے بے درماں کی طرح ترکی میں گھس کر ارمنیوں کا صفایا کرنے لگے۔ ارمن پیٹریارک نے ان پادریوں کو جو اس کے مذہب میں خلل انداز ہو رہے تھے۔ ملک سے باہر کرنے کیواسطے ترکی گورنمنٹ میں درخواست کی۔ اس درخواست کے جواب میں گورنمنٹ نے یہ کہا کہ پادریوں کو سخت قیود میں جکڑ دیا اور اسبات کی پروا نہ کی کہ اسبات سے یورپ ناراض ہو کر دشمن جان ہو جاویگا۔ اس مثال سے میرا مطلب یہ ہے کہ میں مشنری کام کے برخلاف

ہوں۔ مجھے یہاں صرف یہ جتانا منظور ہے کہ ترک ہمیشہ ارمنیوں کی قدر اون کے مذہب کا ادب کرتے رہے ہیں۔ اور یہ کہ ترکوں پر مذہبی تعصب کا الزام لگانا سراسر لغو اور فضول ہی نہیں۔ بلکہ سرے سے ہی بے بنیاد ہے۔

میرا خیال ہے مسلمان ارمنوں پر پھر کبھی ایسا اعتماد و اعتبار نہیں کریں گے اب ہم ترکی کے اعلیٰ عہدوں پر ویسے ارمن پاشا ممتاز نہیں دیکھتے۔ اسمیں شک نہیں سرکاری حلقوں میں وہ پھر بتدریج رسوخ حاصل کرتے جاتے ہیں۔ مگر وہ بات کہاں۔ چونکہ ارمن اب نظروں سے گر گئے ہیں امید نہیں۔ سرکاری سکول اور کالجوں میں اون کو ویسے ہی کھلے بندوں داخل کر لیا جائیگا۔

ساتواں باب

نیا لباس نئی زندگی

میں یورپین لباس پہنتا ہوں۔ تہذیب کا اندازہ۔ انگریزی کپڑے ، آسٹریا میں بنائے جاتے ہیں! سلطان محمود کے عہد میں پہلے یورپین لباس کو رواج دیا گیا! سرکاری اسامی حاصل کرنے کے لئے میری فضول جد و جہد سرکاری ملازمت کے لئے لیاقت کا معیار رشوت اور جاسوسی ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے صرف ایک راستہ کھلا ہے۔ میں قانونی پیشہ اختیار کرتا ہوں۔ اعلیٰ افسروں تک میری رسائی۔

جب میں نے قانونی کالج کا آخری امتحان پاس کر لیا۔ تو میں نے ضابطہ اور قانونی کارروائیوں سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے کچہریوں میں جانا شروع کیا۔ اب میں علماء کے لباس میں جو ابھی تک زیب بر کرتا تھا۔ عدالتوں اور دفتروں میں جانا پسند کرتا تھا۔ قانونی کالج میں میری جماعت میں صرف چند اشخاص ہی ایسے تھے۔ جن کا مدرسوں سے تعلق تھا۔ اور وہ بھی ہم مذہبی لباس پہنتے تھے۔ جماعت کے دوسرے لڑکوں کے مقابلہ میں جو یورپین

لباس زیب بر کرتے تھے۔ ہم پرانے فیشن کے معلوم ہوتے تھے۔ مجھ کو جدید ترین قسم فیشنیبل جنٹلمین بننے اور نئے قسم کے لباس پہننے کا شوق پیدا ہوا۔ یعنی یہ کہ سوائے ترکی ٹوپی کے سارا یورپین لباس زیب بر کرنے کا۔ تاہم ایسا کرنے سے پیشتر مجھے مدرسے سے قطع تعلق کرنا ضروری تھا کیونکہ ان پرانی درس گاہوں کے آدمی مولوی باندھ پگڑی اور لمبے چوغہ کے ترک کرنے اور یورپین لباس اختیار کرنے کو مولویت کے پیشہ سے دست بردار ہونے کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں۔ جو شخص یورپین لباس پہن لیتا ہے۔ مدرسہ میں رہنے کے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔ میں حیران تھا کہ مدرسہ چھوڑنے کے بعد کہاں جاؤنگا کیونکہ ترک خاندانوں میں غیر شخصوں کو اپنے دسترخوانوں پر شامل کرنے کا دستور نہیں۔ اور یونانی یا ارمنی خاندانوں کے دسترخوان پر شامل ہونا کئی ایک وجوہات سے ایک نوجوان مسلمان کے لئے مناسب نہیں۔ پس میں نے ایک سرائے میں دو کمرے کرایہ پر لئے۔ یہ کمرے ایسے گندے اور غلیظ تھے جیسے کہ سراؤں کے ہوا کرتے ہیں۔ میں قسطنطنیہ کے یورپین کوارٹر کیطرف گیا۔ اور ایک سوٹ (کپڑوں کا جوڑا) خریدا۔ یورپین کوارٹر میں سوٹ فروشوں کی کئی دوکانیں ہیں۔ ان میں زیادہ تر آسٹروی یہودی ہوتے ہیں۔ جو آسٹریا سے بنے بنائے سوٹ لا کر فروخت کرتے ہیں۔ وہ اپنی چیزیں نہایت ارزاں قیمت پر دیتے ہیں۔ مگر سوٹ کی سلائی اور کپڑا نہایت ہی برا ہوتا ہے۔ قسطنطنیہ میں ایک مثل ہے۔ کہ ان آسٹروی دکانوں سے سوٹ پہن کر باہر نکلو۔ پھر تم سنگ طلائی کا پل گذر کر اسلامبول بھی نہ پہنچو گے کہ وہ پرزے پرزے ہو کر پھٹ بھی جائے گا۔ یہ بات خالی از تعجب نہیں۔ کہ بہت سے آسٹروی اپنی چیزوں کو انگریزی ساخت کا بنا کر فروخت کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سوا اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ترکی میں آسٹروی چیزوں کی نسبت انگریزی چیزوں کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔

جو سوٹ میں نے لیا۔ اگرچہ خراب تھا۔ مگر میں اسمیں پھولا نہیں سماتا تھا۔ یہ امر واقعی ہے۔ کہ نزدیک مشرق میں جو لوگ یورپین لباس پہنتے ہیں۔ وہ انلوگوں

کو جو اس طرز کا لباس نہیں پہنتے۔ یا پہننا پسند ہی نہیں کرتے۔ حقارت کی نظر سے
دیکھتے ہیں۔ اور ان کے متعلق ان کی رائے ہے۔ کہ یہ مہذب اطوار اختیار کرنے کے
ناقابل ہیں۔ اگرچہ ان کا یہ خیال کمترین پر نہیں ہے۔ مگر بالکل بے بنیاد نہیں
چند سال ہوئے جب انگلستان میں ترکوں کے برخلاف ایک طوفان بے تمیزی
بپا ہوا تھا میں نے چند ریڈیکل اخبارات میں پڑھا۔ کہ وہ مشرقی عیسائی جو ترکوں
کے جور سے آزاد ہو گئے ہیں۔ مہذب ہو گئے ہیں۔ مگر خود ترک ترقی و تہذیب کے ناقابل
ہیں۔ اور حقیقت حال یوں ہے کہ یہ مشرقی عیسائی جو یورپین لباس پہنکر مہذبوں کے زمرہ
میں داخل ہو گئے ہیں۔ ایشیائے کوچک کی پگڑی باندھنے والی دنیا تو ان سے زیادہ مہذب تھی
چونکہ بظاہر یورپینوں جیسی ٹیپ ٹاپ رکھتے ہیں دنیا یہی خیال کرتی ہے کہ مہذب ہیں۔
کچھ عرصہ ہوا ہے میں نے اخبار سپکٹیٹر میں ایک مضمون دیکھا کہ سیاہ فام اقوام مہذب
اطوار اختیار کرنے کے قابل نہیں۔ اور مثال کے طور پر یہ واقعہ پیش کیا گیا کہ مرحوم
مدحت پاشا یورپین لباس خاصکر شام کے لباس کو سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا
مجھے اسوقت معلوم ہوا کہ مدحت اور اسکی سیاہ فام اقوام کے زمرہ میں سمجھے جاتے ہیں
مجھے یہ بھی حیرانی ہوئی کہ سپکٹیٹر کو یہ بات کبھی نہ یاد رہی کہ بہت سے مہذب اور تعلیمیافتہ
انگریز خود یورپین لباس کی چند طرزوں کو پسند نہیں کرتے۔ خیر بہت سے یورپین کا
اس قسم کا خیال دیکھکر ہمیں یورپین لباس پہننے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ خیال یہ
تھا کہ شاید اسی طرح سے ہم مہذب اقوام میں شمار ہوسکیں گے۔ اگر ترکی گورنمنٹ
عورتوں کو پردہ کی قید سے آزادی دیکر حکم دیدے کہ یورپین لیڈیوں کیطرح
پھرا کیا کریں۔ اور ساتھ ہی اپنی ساری رعایا کو یورپین لباس زیب تن کرنے
اجداد کی ٹوپیوں کی بجائے یورپین ٹوپیاں بر سر کرنیکا حکم صادر کرے تو آج ہی سارے
یورپ میں مبارک سلامت کی صدائیں بلند ہوجائیں۔ اور سمجھا جائے کہ ترکی کی
ترقی و تہذیب کا زمانہ شروع ہو گیا ہے۔ اسی برس کا زمانہ گذرا ہوگا جبکہ ینی چری فوج
کا قلع قمع کرنیوالے سلطان محمود ثانی نے پہلے پہل یورپ کے اس متعصبانہ خیال کو معلوم کیا
اسکو اچھی طرح معلوم تھا کہ یورپین دول کی عداوت اور دشمنی کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ترکی کی
سلطنت عیسائی نہیں۔ اسی خیال کے متعلق ترکی میں ایک روایت مشہور ہے

خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔ مگر ہے معنی خیز۔ لہٰذا میں اسکو درج ذیل کرتا ہوں زمانہ گذشتہ میں ایک ترکی مدبر اپنے وقت کے پوپ سے ملاقی ہوا۔ دوران ملاقات میں پوپ نے کہا "میں جانتا ہوں آپ لوگوں میں کئی نیک اوصاف ہیں۔ مگر پھر بھی آپ عیسائی دنیا میں بدنام ہیں۔ بین الاقوامی کے تنازعہ میں آپ کو ہی غلطی پر سمجھا جاتا ہے۔ کیا آپ کو اس عالمگیر عداوت کی وجہ معلوم ہے؟ مدبر نے جواب دیا "ہاں مجھے معلوم ہے۔ اسواسطے کہ ہم عیسائی نہیں"۔ پوپ نے کہا "بالکل ٹھیک۔ پھر آپ عیسائی کیوں نہیں ہو جاتے۔ اسپر اس مدبر نے تدبر سے معرا یہ جواب دیا۔ "عیسائی تثلیث کے قایل ہیں۔ ہم وحدانیت کے۔ ہم میں سے بعض ایک خدا کی پرستش اور عبادت سے بھی تنگ آ گئے ہیں۔ بھلا وہ تین خداؤں کی عبادت کب کریں گے"۔ وہ عیسائی مذہب کو تو کسی ایک صورت میں بھی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم اوس نے خیال کیا کہ یورپین لوگوں کی ظاہری تمالیش اختیار کرنے سے وہ یورپ کی عداوت کو کم کر سکتا ہے۔ اور کوئی شک نہیں اگر ترکی یورپ میں اسی طرح سے قایم رہتی تو یہ عداوت بہت ہی کم ہو جاتی۔ پس اس نے تمام عہدہ داروں کو یورپین لباس پہننے کا حکم دیا۔ اور سب سے پہلے خود پہنا۔ اور پگڑی اور چوغہ کو الوداع کہا۔ دقیانوسی خیال کے مسلمانوں اور مولویوں نے اسبات کی سخت مخالفت کی۔ مگر وہ اپنی مخالفت کو کسی مذہبی حوالے سے تقویت نہ دے سکے۔ یہ حدیث کہ من تشبہ بقوم فہو منہم۔ بالکل غلط ثابت ہوئی۔ تاہم سلطان محمود نے پرانی رسم کی کایا پلٹ دینے کے باوجود یورپین ٹوپی کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ متعصب مولویوں نے عذر دیا کہ رسول صلعم کافروں کی ٹوپی پہننے کی صاف صاف ممانعت فرما گئے ہیں۔ اس زمانہ میں عیسائی تثلیث کی یادگار میں سہ گوشی ٹوپی سر پر رکھتے تھے۔ اور تثلیث کا مسئلہ اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے۔ معترضوں نے یہ بھی کہا کہ یورپین ٹوپی سے سجدہ کے وقت پیشانی زمین سے رگڑ نہیں کھا سکتی۔ پس سلطان نے یورپین ٹوپی کی بجائے ترکی ٹوپی کا استعمال شروع کیا۔ یہ ٹوپی زیادہ تر اس زمانہ میں یونانی، و مجمع الجزائر یونان کے باشندے پہنتے تھے۔ میں نہیں کہتا کہ سلطان محمود ثانی نے اپنے بزرگوں کے عمامہ و چوغہ کو خیرباد کہنے سے کچھ برا کیا۔ تاہم

یہ افسوس کی بات ہے کہ اس سے خاص خا[illegible] سے ہی قدیم لباس کا
پہننا ضروری نہ سمجھا۔ اس سے اگر کوئی اور فائدہ نہ ہوتا تو یہ تو ضرور ہوتا کہ بزرگوں اور
قدما کی نشانی بطور یادگار محفوظ رہتی۔ قدیم زمانہ کی تصویریں دیکھکر ہر ایک شخص قدیم
شکل لباس کی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ ہر طبقہ اور پیشہ کے لوگ خاص خاص
وضع کی پگڑیوں۔ چوغوں۔ اور شلواروں وغیرہ کے ساتھ ان تصویروں میں نہ صرف
خوبصورت ہی۔ بلکہ بارعب اور معزز معلوم ہوتے ہیں۔ اسوقت سے ترکی میں یورپین
لباس کا رواج ہو گیا ہے۔ اور اب صرف غریب طبقہ کے لوگ۔ تجارت کاشتکار۔ اور
علماء ہی قدیم وضع کا لباس پہنتے ہیں۔ میری دیکھا دیکھی مدرسہ سے تعلق رکھنے
والے قانونی کالج کے چار اور طلباء نے بھی اپنا لباس تبدیل کر دیا۔ اور ان
کو اس تبدیل وضع کی وجہ سے مدرسہ کی اقامت چھوڑنی پڑی۔

فوجی خدمت سے بریت حاصل کرنے اور قانونی کالج کا آخری امتحان پاس
کرنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اصل مشکلات کا آغاز تو اب ہوا ہے۔ اُسوقت
میری روٹی کا گذارہ میری اپنی محنت و مشقت پر منحصر تھا۔ جیسا کہ میں نے کتاب
کی شروع میں بتایا ہے۔ ہم کو ضبط شدہ جائداد کے ملنے کی کوئی امید نہ تھی۔ اور مقدمہ
کے برخلاف مقدمہ کے دوران میں اسی جائداد کی آمدنی سے وقتاً فوقتاً جو رقوم
ملتی تھیں۔ اب وہ بھی بے ترتیبی سے ملنے لگیں۔ ان چھوٹی چھوٹی رقوم کے لئے
جو ہمارا حق تھیں میں نے پسند نہ کیا۔ کہ سلطان کے معروف افسروں کے سامنے جبین
سائی کروں۔ میری خواہش تھی کسی عدالت یا صیغہ عدالت عامہ میں کوئی ملازمت
کروں۔ مگر میری کامیابی کی اُمید بہت کم تھی۔ جیسا کہ میں نے ان صفحوں میں بتانے کی
کوشش کی ہے۔ عبد الحمید کے عہد میں رشوت کا وہ زور ہے کہ ہمارے ملک نے
کبھی دیکھا نہ سُنا۔ کوئی شخص خواہ کیسا ہی لائق کیوں نہ ہو۔ ملازمت حاصل نہیں کر سکتا
جب تک اوس کا تعلق سلطان کے منہ لگوں سے نہ ہو۔ یا وہ کم از کم اعلےٰ افسروں
کو رشوت نہ دے۔ یا کسی شخص پر کوئی سنگین پولیٹیکل الزام نہ لگائے۔ وہ جو پولیٹیکل
الزام لگاتے ہیں۔ محل کے جاسوس کہلاتے ہیں۔ شلطان کے محل میں میرا کوئی
نواحق نہ تھا۔ کہ مجھ کو کوئی سرکاری اسامی دلواتا۔ اور میرے پاس روپیہ بھی نہ تھا

کہ کسی افسر کی نذر کرتا۔ اور جاسوسی کرنا میرے نزدیک ایک شرمناک فعل تھا یہ شخص بالکل جھک مارتا ہے۔ پہلے باب میں میں اس کی کافی تردید کر چکا ہوں۔ سلطان کے عہد کی برکات و فیوض سے کامل آگاہی حاصل کرنے کے لئے حمیدیہ ایجنسی لاہور کی کتب متعلقہ دولت عالیہ عثمانیہ کا مطالعہ کریں۔ مترجم۔)

شاید مجھ پر سوال کیا جائے کہ تم سرکاری ملازمت کے ہی دلدادہ کیوں ہوئے۔ کوئی اور کام کیوں نہ اختیار کیا۔ میں اس کے جواب میں لکھتا ہوں۔ کہ آجکل ٹرکی میں پڑھے لکھے آدمی سوائے ملازمت کے کسی اور طرح اپنا پیٹ پال ہی نہیں سکتے۔ اس امر کی توضیح کرنے کے لئے میں سلطان کی مطلق العنان حکومت کے طریق انتظام کا ذکر کرتا ہوں۔

چونکہ سلطان ممتاز اور سربرآوردہ خاندانوں کے اقتدار اور رسوخ کو ملیامیٹ کرنے کی جدوجہد میں کبھی بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ لہٰذا ان لوگوں کے لئے عرصہ روزگار تنگ ہو گیا ہے۔ اور وہ کوئی آزاد پیشہ اختیار ہی نہیں کر سکتے۔ وہ مجبور ہیں کہ نان قوت لایموت کے لئے گورنمنٹ کے آستانہ پر جھکیں۔ اور اس سلطان کے پاؤں پڑا کریں۔ جس نے ٹرکی کے تمام ایسے وسائل پر جو آمدنی کا ذریعہ ہو سکتے ہیں۔ اپنے حیطۂ اقتدار میں کر لئے ہیں۔

سچ بات تو یہ ہے کہ ٹرکی میں امرا کا کوئی طبقہ ہی نہیں رہا۔ سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ دار خطابوں کا دُم چھلا لگائے ہوئے ایک اجنبی مسافر کو اس طبقہ کے ممبر معلوم ہوتے ہیں۔ مگر بداصل یہ عہدہ دار ادنیٰ یا کہ اسفل طبقہ کے لوگ ہیں۔ صوبجات میں ہمیشہ پرانے معزز خاندان ہوتے چلے آتے ہیں۔ جن کی اگرچہ عوام الناس بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ مگر خود ان پر کسی قسم کی بزرگی و برتری کا اظہار نہ کرتے تھے۔ عہدہ دار جن کی تقرری سنٹرل گورنمنٹ کے ہاتھ میں تھی۔ ترکی صوبوں کے معمول یا غریب لوگوں سے بالکل جُدا تھے۔ موجودہ سلطان کے عہد تک یہی حالت رہی۔ جب عبدالحمید نے اپنی مطلق العنان حکومت کا سکہ جمایا۔ تو اس نے معلوم کیا کہ قدیم خاندانوں کی آزادی

اور غریبوں میں ان کا اقتدار و رسوخ اس کے لئے خطرہ کا موجب نہیں۔

اُس نے ان کو بگاڑنے کا پہلے یہ ڈھنگ نکالا کہ ان کو بڑے بڑے خطاب اور نشان مرحمت کئے۔ غرض یہ تھی کہ ان کو ایسے اعزاز کا چسکہ پڑ جائے اور وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ان اعزازوں کے حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ ان میں حسد کی آگ بھڑکے (یہ بات پہلی دفعہ معلوم ہوئی ہے کہ خطابوں اور نشانوں سے حسد کی آگ مشتعل ہوتی ہے۔ مترجم) علاوہ ازیں سلطان نے زرخیز علاقوں میں بڑے بڑے قطعات زمین خود دبا لئے۔ اور اس کی سول لسٹ کے منتظموں نے کسی نہ کسی بہانے سے مقامی رئیسوں اور سرداروں کی زمینوں اور جائدادوں پر قبضہ کر لیا۔ (سول لسٹ سے مراد صرف خاص کی رقم سے ہے۔ مترجم) پس وہ رئیس اور سردار جو کسی وقت آزاد زمیندار تھے۔ خطابوں سے سرفراز ہو کر محل کی غلامی میں داخل ہو گئے۔ اب وہ لوگ ان تنخواہوں پر گذارہ کرتے ہیں جو انکو پبلک خزانہ سے دیجاتی ہیں۔ اور خزانہ میں روپیہ ان محصولوں سے جمع ہوتا ہے جو غریب کاشتکاروں اور مالکوں سے لئے جاتے ہیں۔

فی زمانہ ترکی رعایا کے گذران کے صرف دو ہی طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے فخر اور غرور کو بالائی کا طاق رکھیں۔ اور مزدوری۔ چھوٹی موٹی تجارت۔ خورده فروشی یا کمپنیوں میں نوکر رہکر کام کریں۔ دوسرے یہ کہ جس طرح بن پڑے سرکاری ملازمت حاصل کریں۔

ایک تعلیم یافتہ آدمی ملازمت کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ترکی میں ضرورت سے بڑھ کر عہدے دار ہیں۔ اور اسی سبب سے ان کی تنخواہیں قلیل اور اکثر بقایا میں رہتی ہیں۔ تنخواہ کا ملجانا ہی سلطان کی فیاضی سمجھی جاتی ہے۔ اور اگر ترقی مل جائے تو پھر تو کمال ہی ہو گیا۔ صرف ان لوگوں ہی کو بقایا تنخواہ یا ترقی ملتی ہے۔ جو سلطان کی ہواخواہی کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

ایک عہدہ دار کے لئے بہترین طریقہ اپنی خیرخواہی اور نمک حلالی جتانے کا یہ ہے کہ وہ دوسروں پر سلطان کے برخلاف سازش کرنے

کاالزام لگاتے ہے۔ جو لوگ اسطرح اپنی خیر خواہی کا اظہار نہیں کرتے جلاوطن ہوتے ہیں۔ قید ہوتے ہیں۔ دار پر کھینچے جاتے ہیں۔ اور جو قسمت والا ان ظلم سے بچ رہتا ہے۔ فاقوں کی بلا میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

آج کل ترکوں کے لئے اپنے ملک میں روپیہ کمانے کے سوائے اس کے اور کوئی ذریعہ نہیں۔ کوئی شخص تجارت کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور بیرونی دنیا سے تعلقات پیدا کرتے ہوئے ڈرتا ہے۔ کوئی شامت کا مارا بغرض کاروبار غیر ملک سے تعلق پیدا کرلے تو محل کے جاسوس جھٹ سازش کا الزام لگا کر پھانس لیتے ہیں۔ ترکوں کے لئے تجارت، صنعت و حرفت اور روپیہ کمانے کا کام قطعاً ممنوع ہے۔ دو شخص آپس میں ملکر کوئی کاروبار نہیں کرسکتے۔ ایسا کرنا سازش کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ اگر کسی شخص پر ایسا الزام لگ جائے تو اُس کی بریت ناممکن ہے۔ جاسوس کامل اختیارات رکھتے ہیں۔ اُنکی رپورٹوں کی تحقیقات نہیں کیجاتی۔ اور جتنی محال اور برخلاف عقل رپورٹیں وہ کریں اُتنی ہی ان کی قدر ہوتی ہے۔ پس میں کسی طرح بھی ملازمت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ مگر قانونی کالج کے ڈپلومہ نے مجھے بیرسٹری کا کام کرنے کے قابل بنا دیا تھا۔ پس میں نے قانونی پیشہ اختیار کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اگرچہ اس آزاد پیشہ میں بھی کوئی آزادی نہیں۔ کیونکہ میں افسروں کی نگرانی میں تھا۔

میرے ڈپلومہ ہولڈر ہم جماعتوں میں سے چند ہی نے آزاد ہو کر پریکٹس کرنے کا ارادہ کیا۔ باقی سب ملازمت کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ جنہوں نے وکیل بننے کا ارادہ کیا اُن کے پاس اس کام کو شروع کرنے کے لئے کافی سرمایہ نہ تھا۔ تاہم میں بہتوں سے اچھا تھا۔ اُس زمانہ میں میں فرصت کے وقت ایک مشہور معروف ترک پبلشر اور عالم کے جو اب ایشیائے روم کے ضلع قونیہ میں جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ دفتر میں کام کرتا تھا۔ میں اس کے رسالہ میں مضمون دیا کرتا اور اُس کے پروف ٹھیک کیا کرتا۔ اسوقت سلطان ابھی علم کے بیخ کنی کے درپے نہیں ہوا تھا۔ آخر وہ اسطرف بھی متوجہ ہوا۔ کئی پریس اور اخبار بند کئے گئے کتابیں جلائی گئیں۔ اور علمی دنیا سے متعلق لوگوں کو جلاوطن کیا گیا۔ اس دفتر میں

میں نے قسطنطنیہ کے ایک عیسائی مقیم سے جو اخبار ٹائمز کا نامہ نگار تھا۔ واقفیت پیدا کی۔ رس جنٹلمین اور اس کے یورپین دوستوں نے ترکی گورنمنٹ سے چند معاملات کا تصفیہ کرنا چاہا۔ وہ کبھی کبھی مجھسے ترکی دستاویز لکھاتے۔ اور اپنی طرف سے ترک دفتروں میں بھیجتے تھے۔ وقتاً فوقتاً ان کے کام پر جانے سے میری محل کے پیند اعلےٰ حکام تک بلکہ خود محل تک رسائی ہوگئی۔ اسطرح مجھے محل کی منصوبہ باز پارٹی کو کام کرتے ہوئے دیکھنے کے موقعے ملجاتے۔

اب میں ترکی سلطنت کے حکمراں مرکز کا ذکر کروں گا۔ اور میرا خیال ہے۔ اس کا ٹھیک ٹھیک علم ان انگریز پولٹیشنوں کو بھی نہیں۔ جو معاملات روم میں گہرا انٹرسٹ رکھتے ہیں۔ اس باب میں پہلے اس شخص نے سلطان پر تعلیم کی مخالفت کا الزام لگایا ہے۔ سو اس بارہ میں ہم ایک واقفکار کی رائے درج کرتے ہیں۔ تعلیم سلطان کا پیارا اور خاص مضمون ہے۔ اس کا شوق تعلیم عشق کے درجہ کو پہنچا ہے اور مسلمانوں میں بعد خلفائے عباسیہ کے کسی اور بادشاہ کو تعلیم کے بارہ میں اتنا غلو نہیں ہوا جتنا عبدالحمید کو ہے۔ یہ عشق اس درجہ تک اس کے مزاج میں دخیل ہے۔ کہ جب روسی فوجیں اڈریانوپل کو فتح کرکے دراسپہ قسطنطنیہ کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اور گویا قسطنطنیہ بالکل روسی فوجوں کے نرغہ میں تھا اور کوئی صورت مدافعت کی نہ تھی۔ ہر ایک شخص کو اپنے ننگ و ناموس کا فکر تھا۔ دنوں بلکہ گھنٹوں کی دیر تھی۔ کہ دنیا میں ایک انقلاب عظیم واقعہ ہوا اور چھ صدیوں کی ایک حکمراں قوم صفحۂ ہستی سے معدوم ہو جائے۔ اور اس کے بقیۃ السیف آفاق عالم میں بے سروسامانی اور تباہی کے عالم میں سرگرداں ہوں۔ ایسے وقت میں سلطان نے مدرسۂ ملکیہ کی بنیاد رکھی۔ جس کی غرض یہ ہے کہ اس مدرسہ کے پاس یافتہ طالبعلم سول سروس کالج میں تعلیم پایا کریں۔ جب لڑائی عارضی طور پر ختم ہوئی۔ اور سان سٹفانو کا عہدنامہ مرتب ہونے لگا۔ تو سلطان نے باوجودیکہ ابھی دم نہ لیا تھا اور روسی فوجیں قلمرو عثمانیہ میں قسطنطنیہ سے تیس میل کے فاصلہ پر پڑی ہوئی تھیں۔ کہ مدرسہ قانونی کا افتتاح کیا۔ مختصر یہ ہے کہ اس مبارک زمانہ میں جو بلاد عثمانیہ بلکہ کل اسلامی دنیا کے لئے روشنی اور برکت کا زمانہ ہے سلطان

نے پچاس ہزار مدرسوں کی بنیاد ڈالی جس میں زنانہ مدرسے بھی شامل ہیں۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ اور تاریخ کو اپنی رائے کی تصدیق اور شہادت میں پیش کرتے ہیں کہ کسی ملک اور قوم میں اتنے قلیل عرصہ میں اتنی تعلیم علم نہیں ہوئی۔ جتنی کہ عبدالحمید کی وقت میں ہوئی۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ یورپ کے دیگر ممالک کے مقابلہ میں ترک تعلیم میں ابھی بہت پیچھے ہیں۔ اور اُسکا عشر عشیر بھی انہیں نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ بات بات میں وہ اُن کے دست نگر ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ دعوے ہے کہ یورپ کی یہ ترقی صدیوں کی تعلیم کا ثمرہ ہے۔ اور ٹرکی نے فقط ایک بادشاہ کے عہد میں فقط پچیس برس کے مختصر زمانے میں تعلیم کو اس درجہ تک ترویج دی۔ جو واقعی قابل تقلید ہے"

پھر ہر شخص سلطان پر الزام لگاتا ہے کہ وہ تجارت کا دشمن ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ فی زمانہ ترقی تجارت کے بڑے وسائل ریل تار اور ڈاک سمجھے گئے ہیں۔ اور واقعی جو فوائد ان ذریعوں سے آج کل عام تجارت کو پہونچ رہے ہیں اون کی تکرار تحصیل حاصل ہے۔ سو اب اس الزام کا فیصلہ یہ دیکھنے سے ہو سکتا ہے کہ موجودہ سلطان نے اس صیغہ میں کوئی ترقی کی ہے یا نہیں۔ پہلے ریلوے کو لیجئے ۱۸۵۸ میں کل قلمرو عثمانیہ میں ۹۸۵ میل ریلوے تھی۔ ۱۸۸۳ میں اس کی وسعت ۱۰۷۰ میل تک ہوئی۔ ۱۸۸۶ میں ۱۲۵۱ میل تک پھیل گئی۔ ۱۸۹۱ میں ۱۳۰۰ میل تک پہنچ گئی۔ ۱۹۰۰ میں ۱۵۸۶ میل یورپ میں اور ۱۵۵۸ میل ایشیائے کوچک میں جاری تھی۔ علاوہ بر آں بصرہ بغداد ریلوے آج تک قریب ۴۰ میل اور حجاز ریلوے ۱۰۰۰ میل مکمل ہو چکی ہے۔ بصرہ بغداد ریلوے لائن ۱۶۰۰ میل لمبی ہوگی۔

تار برقی کا سلسلہ ۱۸۷۸ میں ۱۷۰۹۰ میل تھا۔ اس وقت ۳۱۸۹۰ میل سے زیادہ ہے۔

۱۸۷۸ میں تار گھر ۲۱۷۔ اور اب ۷۰۰ ہیں۔

یکم جنوری ۱۹۰۸ء کو ۳۴۳ ڈاکخانے تھے۔ اب ۱۵۴۳ کھلے۔

زراعت کو فروغ دینے کا ثبوت زراعتی بنکوں کے اجرا سے ہی ہو سکتا ہے جو غریب کسانوں کو ساہوکاروں کے ظالمانہ دست تطاول سے محفوظ کرنے کے

سے لئے جاری کئے گئے ہیں۔ بینک کا ہیڈ کوارٹر قسطنطنیہ میں ہے۔ مگر ۹ شاخیں اور ۲۰۴۳۲ ایجنسیاں قلمرو کے مختلف حصّوں میں ہیں۔

صنعت و حرفت صرف ان کارخانوں سے اندازہ کرلو۔ جو اس سلطان کے عہد میں قائم ہوئے ہیں۔

اراضیات کے متعلق جو کچھ اسنے لکھا ہے وہ بھی بالکل غلط ہے۔ ٹرکی میں اراضی مندرجہ ذیل چار مختلف اقسام میں منقسم ہیں۔ (۱) میری یعنی اراضیات سرکاری (۲) وقف۔ اراضیات برائے مقاصد مذہبی و خیراتی (۳) ملکانہ یعنی عطیات شاہی (۴) ملک یعنی اراضیات لاخراج۔ ٹرکی کا اراضیات کا بہت سا حصہ میری ہے۔ اور وہ دوست سرکار سے برائے کاشت لیجاتی ہے۔ گورنمنٹ غیر مقبوضہ یعنی خالی قطعہ پر کاشت کرنے کا استحقاق بعض مقررہ رسوم لیکر عطا کردیتی ہے مگر اراضی مذکورہ پر اسکا استحقاق ملکیت برابر قائم رہتا ہے۔ کیونکہ عطاء اراضی کی ایک یہ بھی شرط ہوتی ہے۔ کہ اگر مالک (یعنی قابض) تین برس تک اسے کاشت نہ کرے تو وہ ضبط ہو جاوے گی۔ ممکن ہے۔ ایسی اراضیات ضبط ہوتی ہوں جن کو اس بھلے مانس نے ایسے برے پیرایہ میں ظاہر کیا ہے۔ باقی رہی سلطان کی سیول لسٹ۔ وہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس میں عبدالحمید نے گیارہ طلبی پونڈ کی تخفیف کردی ہوئی ہے۔

آٹھواں باب

بابعالی اور یلدز کوشک

باب عالی کی حکومت کا قدیم ذکر۔ وزراکی موجودہ حقیر پوزیشن۔ یلدز کا مطلب۔ سلطان کی اپنی صورت۔ یلدز میں اس کے رہنے کے وجوہات۔ ایک قلعہ بند محل۔ اس کے باغات اور جنگل۔ ایک فیاض ہم بوٹل۔ محل کے ایوان

حکمران اشخاص کا ان میں رہنا ایک عالمگیر قاعدہ۔ محل کے خانگی اخراجات سلطان کی سول لسٹ کے اعنی منتظم۔

موجودہ سلطان کی عہد حکومت سے پہلے ٹرکی پر حکومت کرنے کا مرکز باب عالی تھا۔ مگر اسکی تخت نشینی کے وقت سے حکومت کا مرکز یلدز تک ہو گیا ہے۔ اگرچہ ڈپلومیٹک اور اخباری زبان میں باب یا بالعالی سے مراد گورنمنٹ ٹرکی سے ہوتی ہے مگر اب ایسا سمجھنا درست نہیں۔ یلدز کاسک کے حالات قلمبند کرنے سے پہلے سبلائم پورٹ کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سبلائم پورٹ ترکی اصطلاح باب عالی کا فرانسیسی ترجمہ ہے۔ باب کے معنی دروازہ اور عالی کے معنی بزرگ کے ہیں۔ ٹرکی میں ہر حکومت کے مرکز کو باب کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ توقع رکھی جاتی ہے کہ عدالتوں کے دروازے معدلت عامہ کے لئے ہمیشہ کھلے رہنے چاہئیں۔ وزیر اعظم اور تمام دیگر وزرا جو کونسل آف سٹیٹ کے پریزیڈنٹ ہوتے ہیں۔ وزیر صیغہ خارجہ اور وزیر صیغہ مذہبی معہ اپنے ماتحت عہدہ داروں کے باب عالی کے رکن ہوتے ہیں۔ بالعالی تمام سرکاری دفاتر میں سب سے زیادہ ضروری سمجھا جاتا ہے۔ وزیر معدلت عامہ۔ وزیر صیغہ مال وزیر تعمیرات عامہ۔ وزیر سررشتہ تعلیم۔ وزیر صیغہ جنگ وغیرہ کے دفاتر جو مختلف کوارٹروں میں بنے ہوئے ہیں۔ اور بالعالی سے کم سمجھے جاتے ہیں۔ اور باب کہلاتے ہیں۔

وزرا کی کونسل وزیر اعظم کی زیر صدارت باب عالی کی عمارت میں منعقد ہوتی ہے۔ اگرچہ دکھاوے کی طور پر امورات سلطنت کی نگرانی وزیر کے سپرد ہے مگر دراصل آج کل وہ صرف وہی سرکاری کام سرانجام دیتے ہیں جو محل کی پارٹی انکے حوالے کرتی ہے۔ ٹرکی کی مجلس خاص کے موجودہ وزیر نالائق آدمی ہیں کہ ان میں لیاقت نام کو نہیں۔ یا ایسے ہیں کہ گویا ہیں ہی نہیں۔ ان کا عدم وجود برابر ہے اور ان کو محض محل کی پارٹی کے احکام کی تعمیل کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ وزیر سلطان کے بارسوخ درباریوں کی سفارش سے مقرر ہوتے ہیں۔ اور انہی کی زیر حمایت رہکر برقرار رہتے ہیں۔ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے کہ محل سے موصول شدہ کاغذات پر بغیر ان پر بحث کرنے کے سوائے۔ مجلس کے وزرا سلطنت کے

امور ات پر بطور خود بحث کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ یہ نہیں عام طور پر معلوم ہوا ہے کہ وزرا کی باہمی گفتگو محض موسم اور دیگر ایسی ہی باتوں پر ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ کونسل میں ایک دفعہ شیخ الاسلام نے گفتگو کی ابتدا اسطرح پر کی کہ "ہمارے آقائے نامدار کی مہربانی سے آج موسم بہت اچھا ہے"۔ وزیروں میں سے کوئی بھی کسی پولیٹکل مسئلہ پر رائے دینے کی جرأت نہیں کرتا۔ اپنے ماتحتوں کی طرح وزیروں کا بھی فرض ہے کہ ایک دوسرے کے برخلاف جاسوسی کرتے رہیں۔ قصہ کوتاہ یہ کہ مجلس خاص کا وزیر آج کل محض نام کے وزیر ہیں۔

جب رشید پاشا (جو جنگ کریمیا کے وقت وزیر اعظم تھا) علی پاشا۔ جواد پاشا (جو مرحوم سلطان عزیز کے ہمراہ اس ملک میں آیا تھا) اور مدحت پاشا (جس نے سلطان کو دارالعوام کی تجویز کو منظور کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اور جو کہ کے نزدیک مقام طائف میں جلاوطن ہو کر گھل گھل کر مر گیا) جیسے مدبر موجود تھے۔ تمام اختیارات کا مرکز باب عالی تھے۔ اس بات کی وجہ کہ جب عبد الحمید نے باب العالی کو تمام اختیارات سے محروم کر دیا ہے۔ تو پھر اس نے اس کو قائم ہی کیوں رہنے دیا ہے۔ یہ ہے۔ کہ بعض جان جوکھوں کے وقت اس نے وزیروں کے ذریعہ بڑے بڑے کام نکالے ہیں سلطان نے ابھی پچھلے دنوں میں ہی دول یورپ کے سفرا کو یہ کہہ کر الو بنا دیا تھا کہ بین الاقوامی کے تنازعات کا تصفیہ باب عالی کے اختیار میں ہے۔ اسطرح اس نے اس ذمہ داری سے چھٹکارا پا لیا۔ جو بدعملی اور بدنظمی کے باعث اس پر وارد ہوئی تھی۔ وہ عمارت جس میں باب عالی کے دفاتر ہیں قسطنطنیہ کے اسلامی کوارٹر میں مسجد صوفیہ کے پاس واقع ہیں۔

میں نے یہ تو بتا دیا ہے کہ باب عالی کیا تھا اور اب کیا رہ گیا ہے۔ اور اس بات کا بھی اشارہ کر دیا ہے کہ اب وہ حکومت عثمانیہ کا مرکز نہیں ہے۔ اب یلدز کوشک کا ذکر کرتا ہوں۔ یلدز کے معنی ترکی زبان میں ستارہ کے ہیں۔ وہ خوبصورت پہاڑی جو باسفرس کے یورپی کنارہ پر ایشیا کے سامنے بحیرہ مارمورا کے نزدیک واقع ہے یلدز کہلاتی ہے۔ کاسک یا جیسا کہ ترکی میں ہے کوشک کے معنی قلعہ یا مکان کے ہیں۔ میرا خیال ہے سلطان عبد الحمید نے یلدز پہاڑی کی چوٹی

پر ایک قلعہ بنوایا۔ اور اُسکا نام یلدز کوشک رکھا۔ روایت ہے۔ کہ سلطان نے یہ قلعہ اپنی ایک معشوقہ کے لئے بنوایا تھا جس کو سلطان کی بیوی اور ماں حرم میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ وہ مشہور ارمنی تھی۔ اور موجودہ سلطان اس کے بطن سے ہے۔ اگرچہ عبدالحمید کے خال و خط ارمنوں جیسے ہیں اور اس کے عادات و خصائل بھی ان سے ملتے جلتے ہیں۔ تاہم اس روایت میں صداقت کا بہت کم گمان ہے۔

چھبیس سال ہوئے موجودہ سلطان یلدز محل میں آگیا۔ اُس وقت یہ محل بالکل معمولی حالت میں تھا۔ اس تبدیل مکان کے کئی وجوہات بیان کئے گئے۔ سب سے زبردست وجہ یہ بھی کہ پرانے محل کی آب و ہوا کی نسبت یلدز پہاڑی کی آب و ہوا بہت عمدہ ہے۔ مگر اصل وجہ یہ ہے کہ یلدز محل ناقابل تسخیر ہے۔ اور وہاں سلطان کی ذات باہر کے حملوں سے جو اُسکو معزول کرنے کے لئے کئے جا سکتے ہیں محفوظ ہے۔ پچھلے چھبیس سالوں سے وہ یلدز کو خوب مضبوط اور مستحکم کرتا رہا ہے۔ وہ جنگل جو پہاڑی کی چوٹی سے شروع ہو کر باسفرس کے کنارے تک چلا گیا ہے اس کے گرداگرد ایک بلند اور مضبوط دیوار کھنچی ہوئی ہے۔ مجھے اس جنگل میں جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا اور بیان کیا جاتا ہے۔ دیوار کے گرد ہمیشہ سنتریوں کا پہرہ رہتا ہے۔ چند سال ہوئے ہیں۔ مقدونیا کی ایک پلٹن کئی ماہ تک یلدز محل کے جنگل میں کام کرتی رہی۔ سپاہیوں کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ جنگل میں چند سرنگیں ہیں اور زمین دوز راستوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ کیوں۔ اس کا بتانا مشکل ہے۔ میں نے جنگل کی دیواروں کو اُسی زمانہ میں دیکھا۔ سب یلدز محل کے پاس سیر کرنا ایک غیر شخص کے لئے ناممکن ہے۔ دیوار کے پاس پاس کئی بارکیں ایک دوسرے سے تیس گز کے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں۔ ان بارکوں میں عرب۔ البانوی۔ اور کرد فوجیں رہتی ہیں۔ مختلف پلٹنوں کے سپاہیوں میں بہت کم تفاوت ہے۔ مگر سپاہ [illegible] کے ان بھولے بھالے سپاہیوں کے دل میں باپ (یہ سپاہی سلطان کو باپ کہہ کر پکارتے ہیں) کی محبت کا ایسا تخم بیج دیا گیا ہے کہ وہ اس کے پسینہ کی جگہ [illegible] بہانے کو تیار ہیں۔ ان [illegible] پہاڑیاں اور [illegible]

ہیں جن میں جا بجا چوکیاں بنی ہیں۔ اور پہرا کھڑا رہتا ہے۔ چند سال ہوئے جب حکومت سے بیزار ترک بے تاب ہو کر آپے سے باہر نکل گئے تو سلطانی سپاہ محافظ کے ایک نوجوان افسر نے محل اور اس کے حفاظتوں کا ایک نقشہ نہایت احتیاط سے کھینچا۔ اور تمام ضروری مقامات اس میں دکھائے۔ کچھ سال ہوئے جنیوا کے شوریدہ سر ترکوں نے اس نقشہ کو شائع کیا۔ اور اسکا نام رکھا "یلدز کوشک پر حملہ کرنے سے متعلق ہدایات"۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نقشہ کے شائع ہو جانے پر سلطان نے یلدز کی حفاظتوں کو تبدیل کر دیا۔

بیگمات شاہی کے محلات اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت و شاندار کاسک جنگل کے اندر بنے ہوئے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے جنگل۔ چمنوں۔ گلزاروں۔ سڑکوں جھیلوں اور نہروں سے معمور ہے۔

محل کے باغات بھی کئی۔ گنبد دار ایوان ہیں۔ ان میں جو زیادہ خوشنما اور آراستہ ہے اس میں سلطان اپنے معزز مہمانوں کو دعوت دیتا ہے۔ قیصر جرمنی جب قسطنطنیہ آیا۔ دونوں دفعہ اسی ایوان میں اترا۔ سلطان اپنے مہمانوں کو ہمیشہ یلدز کوشک کے اندر ہی اتارتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی ملاقات کی غرض سے محل سے باہر نہ جانا پڑے۔ یہ بات تو عام طور پر مشہور ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کی بڑی خاطر مدارات اور ان کے آرام کا بیش از بیش اہتمام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکو بطور طنز فیاض مہتمم ہوٹل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ (واہ صاحب جو سلطان مہمان نوازی کے اسلامی شعار بجا لائے۔ وہ آپ کے نزدیک حقیر ٹھیرے۔ مترجم)

سلطان محل کے جنگل میں ورزش اور سیر کرتا ہے۔ اسکی بڑی تفریح یلدز تھیٹر کا تماشہ دیکھنا ہے۔ وہ خود بمعہ بال بچوں اور ممالک غیر کے معزز مہمانوں کے اس تھیٹر کے کھیل دیکھتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ خود تو وہ جدید ترین سامان سے آراستہ و پیراستہ تھیٹر کی بہار لوٹتا ہے۔ مگر رعایا کو پولیس کے ذریعہ سے ایسی تفریحوں سے باز رکھتا ہے۔

افسروں۔ عہدہ داروں اور فوجی ملازموں کے مکانات جنگل کے بلند

ترین حصّہ میں بنے ہوئے ہیں۔ ارمنی کوہ کے بالمقابل ساحل بحر پر محل چراغاں واقع ہے جس میں عبدالحمید کا قیدی سابق سلطان مراد رہتا ہے۔ (سلطان مراد فوت ہوچکا ہے۔ مترجم) اور اس کی سخت نگرانی کیجاتی ہے۔ پہرہ داروں کے علاوہ کوئی شخص اس محل کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ افسروں اور عہدہ داروں کے دفاتر بیاش کی چوٹی پر دیوار سے احاطہ کئے ہوئے باغ کے پاس ہیں۔ عہدہ داروں کے مکانات اور سلطان کے دفاتر اور کوارٹروں کے درمیان جو اندرونی راستہ ہے اسکو مابین کہتے ہیں۔ مابین ایک عربی لفظ ہے جس کے معنی درمیان کے ہیں یہی وجہ ہے کہ سلطان کے زنانہ محل کو اصطلاحاً مابین کہتے ہیں۔ تاکہ وہ دیگر شاہی محلات سے ممیز رہے۔ ان دفاتر کے سامنے ایک اور وادی ہے۔ جس میں پہلے ترک اور ارمنی۔ خاندان رہتے تھے۔ ان کے گھر اب سول اسٹیٹ کی نذر ہوگئے ہیں مطلب یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے لوگ یلدز کوشک سے دور رہیں۔ اس وادی کے پرے ایک اور بلند پہاڑی ہے جس پر امرا و وزرا کے لئے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ یہ مکان سلطان نے اپنے اسیروں کے لئے اپنی گرہ سے بنوائے ہیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ سلطان کو ڈر تھا کہ کہیں اس زمین پر سٹیر اسکے یورپین قابض ہوکر مکانات نہ بنوالیں۔ اور اسطرح یلدز کوشک تک اپنا کوارٹر وسیع نہ کرلیں۔

سلطنت کی کسی ایک برانچ سے متعلقہ امورات کا تصفیہ خال خال صورتوں میں ہی سلطان کے درباریوں اور بڑے بڑے سیکرٹریوں کے سپرد کیا جاتا ہے اور وہ پہلے ساری حقیقت حال سلطان کے گوش گذار کرکے پھر کوئی فیصلہ کرتے ہیں۔ بطور مثال۔ حالانکہ سلطنت کے قانون کے بموجب ابھی تک صیغہ جنگ موجود ہے۔ جس کے سپرد فوجی معاملات ہیں۔ مگر باوجود اس بات کے محل میں منظور نظر سٹاف افسروں کی ایک کونسل ہے۔ جو تمام ضروری فوجی معاملات کا فیصلہ کرتی ہے۔ محل میں جاسوسی اور پولیس کا محکمہ ہے۔ حالانکہ سلطنت کا صیغہ پولیس بمعہ بیشمار افسروں کے ابھی تک موجود ہے۔ محل میں سلطان کے دو منشی موجود ہیں۔ جو مسلمانوں کے معاملات پر نظر رکھتے ہیں۔ اور اسلامی دنیا میں سلطان کو خلیفہ ہونے کی پوزیشن کی کنسوہ لیتے رہتے ہیں۔ کہ آیا وہ پوزیشن بدستور قائم

ہے۔ یا اس میں کچھ فرق آگیا ہے۔ حالانکہ شیخ الاسلام کا محکمہ بیشمار افسروں کے
تا ہنوز قایم ہے۔ اور قانوناً تمام ایسے مذہبی معاملات اُس کی تفویض میں ہو چکے ہیں
یلدز میں ایک پولیٹیکل اور ترجمے کا محکمہ ہے۔ جو یورپ کی پولیٹیکل کتابوں اور پولیٹیکل
اخباروں کے اون مضامین کو جانچ پڑتال کرتا رہتا ہے۔ جو ٹرکی سے متعلق ہوں
اور جن میں ڈپلومیٹک معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ گو قانوناً یہ کام باب عالی کے صیغہ
خارجیہ کے سپرد ہے۔ یلدز کوشک کا محکمہ تار ڈاک شہر کے تمام ڈاک خانوں سے
زیادہ مصروف و مشغول رہتا ہے۔ تمام گورنمنٹ کمانڈر انچیف سفیر قاصد اسی ڈاکخانہ
کے ذریعہ براہ راست محل میں پیغام ارسال کرتے ہیں۔ وہ اشخاص جو سلطان کے
گرد ہالہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور سلطنت پر حکومت کر رہے ہیں۔ مختلف مذہب
ملت کے ہیں۔ اون میں سے چند یورپین ہیں۔ جو شخص ان لوگوں کے اصل حال
سے واقف ہے۔ وہ اس بات کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہ کرے گا۔ کہ ٹرکی کی موجودہ
حکومت اصل ترکوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اگرچہ اس شخص نے لکھا ہے
اسکو درست بھی مان لیا جاوے۔ تو سلطان کے نیک ارادوں میں کوئی شک نہیں
پیدا ہو سکتا۔ چونکہ ترک کچھ عرصے سے زمانہ کی رفتار اور حال سے غافل اور بیخبر
ہو چکے ہیں۔ سلطان مجبور ہے۔ کہ جہاں تک ہو سکے سارے معاملات کا تصفیہ
بذات خود کرے۔ سلطنت کے محکموں کے علاوہ اپنی ملک کے لئے پرائیویٹ
محکمے رہنے میں کوئی ہرج نہیں۔ بلکہ موجودہ حالت میں بہت فائدہ ہے۔ مثلاً
محل کے عہدہ داروں میں ترک کم ہوں۔ مگر اس میں سلطان کا کیا قصور ہے
اگر اسکو لایق ترک ملیں تو کیا وہ غیروں کو پسند کرتا۔ ہرگز نہیں۔ سلطان کی
سخت جد و جہد کے باوجود ٹرکی ابھی تک اُس دم خم میں نہیں آئی۔ اس کی
وجہ صرف یہی ہے کہ ترک ابھی تک اپنے ہوش میں نہیں آئے۔ اگر ان کو ہوش
آجاتا۔ تو سلطان سلطنت کے محکمے چھوڑ بیٹھتے۔ محکمے ہی کیوں قایم رکھتا اور
سارا بوجھ اپنے ذمہ لیکر اس قدر مشکلات میں پھنستا۔ بہر حال مسلمانوں کو
یقین رکھنا چاہیے کہ جو شخص اس وقت تخت سلطنت پر رونق افروز ہے
وہ بڑا مدبر و دانا ہے اور ہر طرح مسلمانوں کی حالت کو سنوارنے کی کوشش

کر رہا ہے۔ اگر مسلمانان خاص کر ترکی رعایا عبد الحمید کے فرمانوں کو دل و جان سے
بجا لاتی رہی۔ تو بفضل خدا سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ اور اگر موجودہ سلطان
کے عہد میں بھی ترکی نہ سنبھلے اور کروٹ نہ بدلی۔ تو جان لو مشیت ایزدی یہی ہے کہ
مسلمان غلامی کی زندگی بسر کیا کریں۔

اس سلطان کے متعلق کچھ عرصہ ہوا۔ لنڈن کے فنانشل گزٹ میں ایک
باخبر انگریز نے لکھا تھا کہ روئے زمین پر قیصر جرمنی یا اوس کے بڑے سے
بڑے مدبر کا ہم پلہ بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اگر کوئی پولیٹشن موجود ہے
تو وہ سلطان ٹرکی ہے۔ یہ میری اپنی ہی رائے نہیں بلکہ انگلستان کے ایک
بہت بڑے مدبر نے بھی جو نصف صدی تک ملک کی قابل قدر خدمات کرتا رہا ہے
ایک دفعہ اپنی تقریر کے دوران میں یہی خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ یورپ بھر میں اس وقت
دو تاجدار مدبرانہ عالی دماغی و بیدار مغزی سے بہرہ مند ہیں۔ اول سلطان عبد الحمید
خان۔ اور دوم ملک معظم ایڈورڈ ہفتم۔" اس کے بعد یہی موجودہ حالت پر بحث کر کے
انگریز لکھتا ہے "دو سلطان درحقیقت نہایت ہی صلح جو۔ اور امن پسند واقع
ہوئے ہیں۔ اور تہذیب و تمدن کے بڑے حامی ہیں اور اپنے ملک
کی مالی۔ علمی۔ اخلاقی اور نیز دیگر ہر ایک قسم کی ترقی میں بقدر امکان سعی اور
تدبیر سے دریغ نہیں کرتے"۔ بھلا ایسے عالی دماغ سلطان کی پالیسی کو
مکتب کا پڑھا ہوا اور اخبار کے دام میں پھنسا ہوا ایک نمک حرام اور غدار
ترک کیا سمجھ سکتا ہے۔ مترجم)

سینکڑوں افسر، خزانہ دار۔ اور خدمت گار محل کے اندر رہتے ہیں
ایک دفعہ میں نے محل کی آبادی میں کھانا تقسیم ہوتے دیکھا۔ بے شمار خدمتگار
سروں پر رکابیوں سے معمور سینیاں اٹھائے ہوئے ادھر سے اُدھر
اور ہر طرف جلدی جلدی قدم اٹھا کر جا رہے تھے۔ طباخوں اور نائب
طباخوں کی تعداد دو سو سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔ محل کے خدمت گاروں
کا خرچ روزانہ پانچ ہزار پونڈ ہے۔ مگر یہ گراں قدر رقم سلطان اپنے صرف
خاص سے دیتا ہے۔ سِول لسٹ کی آمدنی بہت ہی زیادہ ہے۔ اور مختلف ممالک

سے حاصل ہوتی ہے۔ قریباً تمام قابل قدر جائدادیں اور زمینیں اناطولیا اور شام کے زرخیز و زرادبیز اضلاع ہیں۔ بغداد اور خلیج فارس کے ساحلی قطعات سلطان کی ملکیت اور اسکی پرائیویٹ آمدنی کا ذریعہ ہیں۔ مزید برآں آجکل تمام اختیارات اُس کے اپنے ہاتھ میں ہیں وہ پبلک خزانہ سے جس وقت جتنا روپیہ چاہتا ہے۔ منگا لیتا ہے۔ سلطان کی مقررہ ماہوار آمدنی پچاس ہزار پونڈ ہے۔ باب عالی نے ایک دفعہ اسکو گھٹا کر تیس ہزار پونڈ کر دیا تھا۔ مگر جیسا کہ میں نے پہلے بتادیا ہے۔ کہ باب عالی کا اب عدم وجود برابر ہے۔ پچھلے بیس سالوں میں سول لیسٹ کی آمدنی ہشت از ہشت بڑھ گئی ہے۔ اور اس کے منتظم سارے کے سارے بغیر کسی استثناء کے ارمنی لوگ ہیں۔ ان ارمنی افسروں میں ایک اغوب پاشا پہلا شخص تھا۔ جس نے سلطان کو صوبجات کے سربرآوردہ مسلمانوں کی جائدادیں غضب کر لینے کا مشورہ دیا تھا سول لیسٹ میں روپیہ کی کبھی کمی نہیں ہوئی۔ مگر ترکی کا پبلک خزانہ اکثر خالی رہتا ہے۔ باوجود اس امر کے محل کے وہ افسر جو پبلک کی خدمت ذرا بھی نہیں کرتے۔ پبلک خزانہ سے تنخواہیں پاتے ہیں۔ خزانہ کو جو رقم صرف جاسوسوں کی تنخواہیں محل میں بھیجنی پڑتی ہیں۔ نوّے ہزار پونڈ سالانہ ہے محل کے اخراجات کے علاوہ سول لیسٹ میں سے صرف دربار کے اہلکاروں کی تنخواہیں۔ سلطان کی خیرات کا روپیہ اور وظائف وغیرہ کے لئے روپیہ لیا جاتا ہے۔

شہزادوں اور شہزادیوں کو بھی پبلک خزانہ سے ہی وظائف ملتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شاہی خاندان کے ممبروں (جو الگ چھوٹے چھوٹے محلوں میں سات پردوں کے اندر رہتے ہیں اور سلطان کے ڈر سے قوم کے راہ و رسم پیدا نہیں کرتے) کے وظائف سلطنت کے عہدہ داروں کیطرح لٹکائے میں رہتے ہیں۔ اور اُن کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اس شخص نے جو یہ کہا ہے کہ باب عالی نے سول لیسٹ کی تنخواہ کم کر دی ہے۔ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ سلطان نے بطور خود اپنی تنخواہ کم کر دی تھی

مکمل اور مفصل اور ٹھیک ٹھیک حالات کے لئے دیکھو تیتیس سالہ عہد حکومت سلطان عبدالحمید مطبوعہ حمیدیہ پریس و ایجنسی لاہور۔ مترجم)

نواں باب

رسم سلامتی (سلاملک)

سلطان کی خدمت میں اپیل کرنے کا قدیم رواج موقوف ہو گیا ہے۔ وہ محل سے ہفتہ میں ایک بار ہی باہر نکلتا ہے۔ سلاملک۔ مذہبی رسوم اور مقدس کارواں۔ مکہ کیطرف اسکی روانگی۔ فوجی نمائش۔ مسجد حمیدیہ۔ اس کا محل کے نزدیک ہونا۔ حفظ ماتقدم۔ محل کے بونے۔

چونکہ سلطان نے تمام اختیارات کا مرکز اپنے محل کو بنا لیا ہے۔ یہ خیال ہوگا کہ لوگ دادخواہی کے لئے محل کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہونگے۔ مگر نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ جاسوسوں کے سوا کوئی شخص اپنی ذات صفات اتہ پتہ اور کام بتلائے بغیر محل کے ایوانوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ سلطان کی رعایا کے وہ بدقسمت اشخاص جن کا محل کے افسروں کے ساتھ کوئی تعلق یا واسطہ نہیں۔ دادخواہی کے لئے قدیم وزارتوں چارہ جوئی کرنے میں اپنا وقت اور روپیہ یونہی ضائع کرتے ہیں۔ ان کمبخت بدقسمت لوگوں کو دادرسی کی کوئی امید نہیں۔ دس سال قبل ازیں مظلوم و ستم رسیدہ اشخاص سلطان کی خدمت میں اپیل کر سکتے تھے۔ سلاملک کے موقع پر جبکہ وہ جامع مسجد کیطرف جاتا تھا۔ لوگ صفوں کو کاٹ کر اسکی خدمت میں اپنی عرضیاں پیش کرتے تھے۔ اور وہ صرف سلاملک کے موقع پر ہی اپنے محفوظ محل سے باہر نکلتا ہی مگر اب سلطان کی خدمت میں براہ راست عرضیاں پیش کرنا ناممکن ہو گیا ہے۔ کیونکہ سلاملک کی رسم مختلف طریقہ سے ادا کیجاتی ہے۔

انگریزی اخبارات میں سلاملک کی ترکی اصطلاح اکثر دیکھنے میں آتی ہے مگر اسکو اچھی طرح وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جنہوں نے ممالک غیر کی سیاحت کی ہے

یا جن کو دوسرے ممالک کے حالات معلوم کرنے کا موقع ملا ہے۔

سلامک ایک فوجی رسم ہے۔ جو ہر جمعہ کے روز جب دولت عثمانیہ کا حکمراں تزک و احتشام کے ساتھ اپنے محل سے مسجد کی طرف جاتا ہے۔ ادا کی جاتی ہے۔ سلام کے معنی آداب بجا لانے کو کہتے ہیں۔ اور سلامک اس فوجی اعزاز و آداب کو کہتے ہیں جو اس موقع پر بادشاہ کا کیا جاتا ہے۔

عام سلامک کے علاوہ سال میں پانچ اور موقعوں پر ایسا ہی تزک و احتشام کیا جاتا ہے۔ مگر ان موقعوں پر دھوم دھام زیادہ ہوتی ہے۔ اور سلطان ان تمام ملکی و فوجی اور مذہبی عہدے داروں اور امیروں کو شرف ملاقات بخشتا ہے جو اس وقت دار الخلافہ میں موجود ہوں۔ وہ سلامکیں تو عیدین کے دن ہوتی ہیں تیسری ماہ رمضان کے پندرہویں کو۔ سلطان سے بیکر اونے ارکین سلطنت تک رسول مقبول صلعم کی یادگاروں کی زیارت کرتے ہیں۔ چوتھی حضرت سرور کائنات کی ولادت کے دن۔ جب سلطان بمعہ اعیان مجلس اور وزرا مسجد کو جاتا ہے میلاد شریف سنتا ہے۔ پانچویں مقدس کارواں کی روانگی کے دن روانگی کی رسم بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے ادا کی جاتی ہے۔ اگرچہ اس موقعہ پر سلطان محل سے باہر نہیں آتا۔ مگر خیال ہے کہ وہ محل کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر کارواں کو سلام کرتا ہے۔ بہت سے لوگ کارواں کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اسکی روانگی کی رسم صرف شاہانہ ہی نہیں۔ بلکہ مذہبی بھی ہے۔ یہ مقدس کارواں ہر سال سلطان کے دار الخلافہ سے ماہ رمضان کے وسط میں روانہ ہوتا ہے۔ وہ صندوق جن میں حرمین الشریفین کے لئے تحائف اور ہدیے بند ہوتے ہیں۔ اونٹوں پر بار ہوتے ہیں۔ یہ اونٹ زیورات اور مرصع نگارینوں سے سجے سجائے قسطنطنیہ کے بازاروں میں سے گذرتے ہیں۔ ان کے ہمراہ پہرہ خوب ہوتے ہیں۔ جو بارود تفنگوں میں تلوار کے کرتب دکھاتے ہیں۔ اور ان کے ہمراہی زور زور سے طبل بجاتے ہیں۔ ہزارہا لوگ اس نظارے کے دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ قافلہ کی روانگی سے پیشتر ذی حیثیت آدمی یا امیروں کے لئے پیر تن۔ تحائف اور تحفے اپنے خاندان کے مذہبی سرپرستوں کے لئے

ہوئے حرمین الشریفین کیطرف گزرتے ہیں۔ اس جلوس میں قابل دید چیز وہ کجاوے ہیں۔ جن پر خوبصورت زرد نشدہ پردے پڑے ہوتے ہیں تاکہ اس میں بیٹھنے والے تمازت آفتاب سے محفوظ رہیں۔

اس جلوس کے ساتھ کئی سوار اور لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ وہ نظارہ واقعی قابل دید ہے۔ جب یہ نظارہ یلدز کی پہاڑیوں پر محل کیطرف جانے کے لئے چڑھتا ہے۔ سڑک کے دونوں طرف فوج محافظ کے سپاہی صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ سڑک کے دونوں طرف کی پہاڑیوں پر بے شمار مستورات کو چٹے پہنے۔ چہرے پر لگائے گونا گوں رنگ کے نقاب چہروں پر ڈالے کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ سارا مجمع بالکل مسلمانوں کا ہوتا ہے۔ کسی میں لڑائی جھگڑا مطلقاً نہیں ہوتا۔ ایک خاموشی کا عالم طاری ہوتا ہے۔ ہاں ہاں کبھی کبھی قبول حج کی دعائیں اس خاموشی کے پردہ کو چاک کرتی ہیں۔ خلیفہ کے محل کے سامنے نماز پڑھنے کے بعد یہ قافلہ ساحل بحر کیطرف بڑھتا ہے۔ جہاں ایک خاص جہاز پر سوار ہو کر باسفورس کو عبور کر کے شہر کے ایشیائی حصہ میں پہنچتا ہے۔

پرانے زمانوں میں یہ قافلہ سقوطری سے جہاں تک خشکی کے راستہ سے جاتا تھا۔ مگر اب جہاز کے ذریعہ بیروت کی طرف جاتا ہے۔ اور دمشق پہنچنے سے پہلے یہ قافلہ قافلہ حجاج کی صورت اختیار نہیں کرتا۔ وہاں اُس کے انتظام و اہتمام کے لئے ایک درباری جسکو سوار امینی کہتے ہیں۔ مقرر ہوتا ہے۔ ہزار ہا حجاج دمشق سے قافلہ کی روانگی کی انتظاری کرتے رہتے ہیں۔ اور اس کے ہمراہ حجاز کیطرف روانہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ ایک دستہ فوج ہوتا ہے۔ جس کے باعث وہ لٹیرے بدوؤں کی دست برد سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر انہیں خدانخواستہ حجاج کو کسی بات کا ڈر ہے تو وہ ان شریر بدوؤں کی لوٹ مار کا ہے ورنہ ہر طرح ان کو آرام رہتا ہے۔ اس فوجی حفاظت کے باوجود اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک چالاک، وحشیانہ بدو چوریات کے پردہ میں اونٹوں کی ٹانگوں کے بیچ چھپتا لگتا ڈیرے میں گھس جاتا ہے۔ کئی غریب حجاج کو جان سے مار کر ان سب کی سب کی دولت غائب غلہ ہو جاتا ہے۔

بہت سے حاجی براہ جدہ سمندری سفر کرنے کی بجائے صحرائی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سے ان کو کوئی مالی فائدہ مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ خیال اس بات کا محرک ہوتا ہے کہ خدا کے کاموں میں جتنی زیادہ تکلیف اٹھائی جائے اتنا ہی زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح یروشلم کے راسخ روسی زائرین کرتے ہیں۔ وہ جافہ سے ریل پر نہیں جاتے۔ بلکہ پشتوں پر اپنا اسباب اٹھائے سڑک سڑک جاتے ہیں۔

ان سالانہ سلامکوں کے علاوہ جیسا کہ میں نے بتلایا ہے۔ ہر جمعہ کو رسم سلاملک ادا کیجاتی ہے۔ اس رسم سے اہل یورپ بخوبی آگاہ ہیں۔ اس رسم کے بعد سلطان سفرائے دول غیر اور اپنے اراکین سلطنت سے ملاقات کرتا ہے۔

ہر جمعہ کی دوپہر کو سلطان کا محل سے نکلکر بکمال مہابت وجاہ وجلال سے مسجد کیطرف جانا پرانی رسم ہے۔ سلطان کو سوائے کسی ایسے عذر کے کہ جس میں وہ سخت لاچار ہے۔ ضرور بالضرور سرکاری طور پر مسجد میں آنا پڑتا ہے۔ شاہی اغراض کا خیال کر کے ایسے عذر کو بھی بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر سلطان حسب معمول جمعے کے دن مسجد میں رونق افروز نہ ہو۔ تو لوگوں میں یہ خیال کہ سلطان قضا پا گیا ہے۔ پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ اور اس سے سخت تشویش۔ بدامنی اور انقلاب کے واقع ہو جانے کا احتمال ہے۔ موجودہ سلطان جمعہ کے روز مسجد کی طرف جانے کا بہ نسبت اپنے متقدمین کے زیادہ خیال رکھتا ہے۔ جب کبھی کسی ملک میں سلطان کی علالت طبع کی افواہ اڑتی ہے۔ وہ فی الفور اپنے سفرا کے ذریعہ اس کی تردید کرتا ہے۔ بدیں خیال کہ کہیں یہ افواہ اڑتی اڑتی ٹرکی میں بھی نہ پھیل جائے۔ وہ ہمیشہ اس بات کا اظہار کرتا رہتا ہے کہ وہ بدولت بالکل تندرست و توانا ہیں۔ مگر وہ اکثر ان بیماریوں میں مبتلا رہتا ہے۔ جو قضا و قدر نے انسان کے ساتھ مخصوص کر رکھی ہیں۔ اور جو کم و بیش ہر ایک کو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اور یہ ان بیماریوں ہی کیوجہ سے ہے۔ کہ وہ ہر جمعہ کو سخت پیلا اور زرد معلوم ہوتا ہے۔ تاہم وہ ان موقعوں پر باقاعدہ آتا ہے۔

یہی سلطان جمعہ کے ایام کو گھوڑے پر سوار ہو کر دار الخلافہ کی مختلف

مساجد میں رونق افروز ہوتے تھے۔ اور صرف فوج محافظ کے سپاہی ہی نہ کھڑے ہوتے تھے۔ بلکہ خلق خدا کا بھی ہجوم ہوتا تھا۔ مگر سلطان عبدالحمید نے اپنے لیے اپنے قلعبند محل کی دیواروں کے پاس ہی ایک مسجد بنوا رکھی ہے۔ سلامک سے کچھ عرصہ پہلے اوّل دو دم ڈویژن کی فوجیں مسجد کے آس پاس چھا جاتی تھیں۔ پہلے البانوی رجمنٹوں کی پلٹنیں آتی تھیں۔ پھر عرب زوبوں کی۔ پھر ملاحوں کی۔ اناطولین فوج پیدل کی۔ یہ سب چند قطاروں میں سڑک کے دونوں طرف کھڑی ہو جاتی تھیں۔ فوج رسالہ ان قطاروں کے پیچھے دونوں طرف اور دو قطاروں میں کھڑی ہوتی تھیں۔ ان سواروں کے پیچھے جنگی پولیس۔ اور اس کے پیچھے چند چند قدموں پر سول پولیس میں دو دو ہو کر استادہ ہوتے ہیں۔ جاسوسی جو اپنی مشکوک اور خوفناک شکل سے فوراً پہچانے جاتے ہیں۔ ادھر اُدھر گشت کرتے رہتے ہیں۔ آج کل مصیبت زدہ لوگ فوجوں کی آمد رفت کے سوائے اور کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ حسرت ہے اوس تعلیم یافتہ نوجوان ترک پر جو فوجی قطاروں کے نزدیک ہونے کی کوشش کرتے ہوئے جاسوسوں کے شک کا شکار ہو جائے۔ فوجی کالج کے طلبا کو حکم ہے۔ کہ اُس دن محل کے پاس نہ جائیں۔ ان پلٹنوں کے افسر سب کے سب سپاہیوں سے ترقی پاکر افسری کے درجہ کو پہنچے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ بھولے بھالے افسر خدا سے دوسرے درجہ پر خلیفہ کا ادب کرتے ہیں۔ اور اگر تعلیم یافتہ افسر ہوں۔ تو وہ نوجوان ترکوں کے ہم خیال ہوں۔ (ٹرکی میں چند نمکحرام لوگ اپنے آپ کو نوجوان ترک کر کے پکارتے ہیں۔ یہ شخص بکواس کرتا ہے کہ سارے تعلیم یافتہ ترک ان کے ہم خیال ہیں۔ ناظرین کو یاد ہوگا۔ فوجی خدمت کا ذکر کرتے ہوئے اس شخص نے لکھا تھا۔ کہ سپاہیوں کو افسری کے درجہ پر ترقی نہیں دی جاتی تھی میرا سپاہی بھرتی ہونا آئندہ امیدوں کا خون کرنا تھا۔ اب دیکھو وہ کیا لکھتا ہے۔ کہ ان پلٹنوں کے سارے افسر سپاہیوں سے ترقی پاکر افسر بنے ہیں۔ اس شخص کے متضاد بیانات ہی اس امر کا کافی ثبوت دے رہے ہیں۔ کہ وہ کسی ذاتی طمع کی غرض سے سلطان پر بیجا حملے کر رہا ہے۔ مترجم)

ان دیواروں کے اندر جو ہزاروں سپاہیوں نے بنائی ہیں۔ کیا ہو رہا ہے؟

اس کا جواب دینا سخت مشکل ہے۔ جب یلدز محل سے سلطان کی سواری برآمد ہونے لگتی ہے۔ تو ایک بگل بجایا جاتا ہے۔ اور تمام سپاہی تین نعرے بلند کرتے ہیں بادشاہ ہم چوق یشا۔ (ہمارا بادشاہ مدت تک زندہ رہے) اس کے بعد مختلف رجمنٹیں ایک دوسرے کے بعد سلطانی مارچ کا باجہ بجاتی ہیں۔ سلطان ایک ہلکی گاڑی میں جس کو چار گھوڑے کھینچتے ہیں۔ بیٹھ کر آتا ہے۔ اس کے سامنے محل کا کوئی مارشل یا کبھی کبھی اوسکا اپنا سب سے چھوٹا بیٹا بیٹھا ہوتا ہے۔ اس کی گاڑی کے پیچھے پیچھے سینکڑوں محل کے افسر اور شاہی ایڈیکانگ ہوتے ہیں۔ وہ بشاشت سے سپاہیوں کو سلام کرتا ہے۔ مگر اسکی شکل پر خوف کے وہ آثار ہویدا ہوتے ہیں۔ جو اسکو باہر آنے سے محسوس ہوتا ہے پہلے تو لکھا تھا کہ بیماری کے آثار نمودار ہوتے ہیں۔ اب ڈر اور خوف کے آثار میں ہویدا ہونے لگے شاباش بیٹے۔ جب جھوٹ بولنا ہی ٹھہرا۔ تو پھر اس بات کا خیال ہی کیا۔ ہاں ابھی تو لکھا تھا کہ سوائے فوجوں کی آمد و رفت کے کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اب جو ہر گاڑی کا دیکھنا اور لطف یہ کہ اس میں بیٹھنے والوں کو بخوبی شناخت کر کے چہروں سے آثار بھی معلوم کر لینا۔ عجیب نرالی منطق ہے۔ مترجم) جب وہ فوجوں کی صفوں میں سے گذرتا ہے۔ ایک ہو کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی بے ضابطہ حرکت سرزد ہو جائے۔ یعنی کوئی سپاہی سلطان کو عرضی دینے کی جرأت کرے تو فوراً موقع پر جاسوس آموجود ہوتے ہیں۔ اور جھٹ پٹ ویسا ہی امن قائم کر دیا جاتا ہے۔ جب سلطان تین یا چار منٹ میں مسجد کے دروازہ پر پہونچ جاتا ہے۔ تو چوبدار جو ایک قدیم محل سے لائے جاتے ہیں۔ اونچے سُروں میں کہتے ہیں۔ "اے میرے بادشاہ مغرور نہ ہو جا۔ ایک ذات ایسی ہے کہ تجھ پر بھی غالب ہے۔ اور وہ ذات خدا کی ہے۔ آج کل قدیم دستوروں میں صرف یہی ایک باقی رہ گیا ہے۔ سلطان مسجد کی پرائیویٹ گیلری میں نماز پڑھتا ہے۔ اور کھڑکی سے فوجوں کی مارچ دیکھتا ہے۔ بیس منٹ کے بعد کمتر تزک و احتشام سے محل کی طرف واپس ہوتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جب قلعہ بند محل میں بہ سلامتی پہنچ جاتے ہے وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ اور پھر اگلے

بہ نسبت جبکہ اُسکو خلاف مرضی مجبوراً آنا پڑتا ہے - یا ہرگز نہیں نکلتا ۔

دسواں باب

سلطان کی پالیسی (حکمت عملی)

سلطان کی شخصی طاقت - علاقوں کی عدم ضرورت - انٹرسٹ رکھنے والا یورپ [illegible] - دلیسی عیسائی - سلطان کی خودغرضانہ مطلب براری - ہر ایک شخص کی اپنی [illegible] - بخشش اور امتیازات - سلطان کی اعلےٰ لیاقت وقابلیت - اُسکا مزعوم [illegible] خاطر نشان تحریر

اِس قدر روپیہ خرچ کرنے اور تمام اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے سے سلطان کا سوائے اس کے اور کوئی مطلب نہیں - کہ اپنے جور وظلم کی خواہشوں کو دل کھول کر پورا کرے - اِس غرض کی تکمیل کے لئے وہ دہوکہ اور رشوت دیتا ہے - اور سازشیں اور بڑا بندیاں کرتا ہے - اور اسی غرض کی تحصیل کے لئے وہ جلاوطن کرتا ہے - زنداں میں ڈالتا ہے - نیز ایسے شخص کو مروا ڈالتا ہے - جو اسکی مطلق العنانی پر حرف گیر ہو - اُس نے اپنی ظالمانہ حکومت کی بدولت سلطنت کے بہترین صوبے کھوئے ہیں - اور جب تک اُس کے زیرنگیں ظلم کا نشانہ بننے کے لئے کافی ممالک رہیں گے وہ مزید صوبوں کے نکل جانے کی بھی چنداں پروا نہیں کریگا - اُس نے ملک میں شخصی آزادی کا خاتمہ کردیا - اُس کے مظالم کو جو دن بدن سال بسال زیادہ سخت ہوتے جاتے ہیں - روکنے کی کوئی اُمید باقی نہیں رہی - کیونکہ ٹرکی میں مختلف مذہب وملت مختلف خیالات وجذبات کے لوگ آباد ہونے کے سبب سلطان کے برخلاف متفقہ ومتحدہ کوشش ناممکن ہیں - اور ساتھ ہی دول یورپ کئی ایک وجوہات کی بنا پر قسطنطنیہ میں ایسا انقلاب عظیم ہونا پسند نہ کرے گی - اُن میں سے بعض کا فائدہ تو اِسی میں ہے کہ موجودہ سلطان ہی تخت پر متمکن رہے اور اُس کے برخلاف کوئی

کوشش کیجائے تو ممکن ہے کہ وہ اُسکی تدبیر تیار رعا مادہ ہو جائیں۔ اجو شخص اخبارات خاص کر وطن کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں اُن پر اس شخص کی خلاف بیانی کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حیران ہونگے۔ کہ اس شخص نے خواہ مخواہ ہی اس قدر ہذیان کیوں بکنا ہے۔ مترجم اسٹرکی کی تباہی و بربادی سے متعلق جس قدر سلطان روس کے منشا کو پورا کر رہا ہے۔ شاید کاسک بھی نہ کر سکیں۔

اب قدیم مسئلہ مشرق میں کئی ایک نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ جو پولیٹیکل مشکلات کے وقت سلطان کے اغراض کو تقویت دیتی ہیں۔ یعنی یہ کہ چند سلطنتیں سلطان کی حکومت کو قائم رکھنے میں بڑا گہرا انٹرسٹ رکھتی ہیں۔ اما خواہ موجودہ مظالم سے ٹرکی رعایا کا کچومر ہی کیوں نہ نکل جائے۔ اُسکا نقصان سلطان کے خود غرض دوستوں کا فائدہ ہے۔ سلطان کیطرف بے شمار دوستانہ پیغامات تار میں ایک میں قیصر جرمنی نے خدا سے اُسکی درازئی عمر کی دعا مانگی۔ یقیناً اس دعا سے اُسکا مطلب یہ تھا۔ کہ ٹرکی میں جرمن ٹھیکہ داروں اور قسمت آزماؤں کو وہ فوائد حاصل ہوتے رہیں۔ جو سلطان کی طفیل ان کو ہو رہے ہیں۔ اگر روز جزا کوئی چیز ہے۔ تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ اوسدن خدا قیصر سے ضرور جواب طلب کریگا۔ کہ اوس نے ٹرکی کی مصیبتوں کو بڑھانے میں عبدالحمید کا ہاتھ کیوں بٹایا۔ اُس کے تاروں اور قسطنطنیہ میں اُس کی آمد ولد نے عبدالحمید کی ظالمانہ پالیسی کو بڑی تقویت دی ہے۔ ٹرکی کے ان لوگوں کے سامنے جو ناخواندہ ہیں۔ اور جن پر تعلیم کے دروازے بند ہیں اور جو سلطان کی پوزیشن کو سمجھنے میں عاری ہیں۔ اُن تاروں اور ملاقاتوں کا مطلب اسطرح بیان کیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ قیصر سلطان کے آستانے پر کورنش بجا لاتا ہے۔ اور اُس کی عظمت و بزرگی کے مقابلہ میں اپنی عبودیت وخاکساری کا اقرار کرتا ہے۔ جب ایک بڑی یورپین قوم کا بادشاہ عبدالحمید کے سامنے سرتسلیم خم کرتا ہے۔ تو یہ لازمی ہے کہ اُس کی بھولی بھالی رعایا کے دلوں پر اُسکی زبردست طاقت کا سکہ جم جائے۔ اور وہ اس کے ظالمانہ حکم کے سامنے سر جھکا دے۔

کئی اور طاقتیں ہیں۔ جن پر سلطان کے مظالم کو نظر انداز کرنے کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔ وقتاً فوقتاً انہوں نے اپنا پولیٹیکل الو سیدھا کرنے کے واسطے ٹرکی کی عیسائی رعایا کی حمایت کا بیڑا اٹھایا ہے۔ اور کئی ایک دیگر غدروں اور بہانوں سے سلطان پر دباؤ ڈالا ہے۔ کیونکہ وہ اسکی خود غرضانہ مطلب براری سے واقف ہیں۔ یہ فقط ایک دفعہ ایک انگریزی اخبار نے یہ بتاتے ہوئے کہ سلطان دول کے دباؤ کس طرح برداشت کرتا ہے لکھا تھا "ایسے شخصی معاملات میں اس قسم کے دباؤ جبر سمجھے جاتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلطنتیں اپنے پولیٹیکل ضابطے میں انکو روا اور جائز سمجھتی ہیں۔" مثلاً مٹلین پر فرانس کا عارضی قبضہ کرنا۔ اٹلی کا طرابلس الغرب پر بحری نمائش کا دکھانا۔ بحیرہ قلزم کے ایک عثمانی شہر پر گولہ باری کا کرنا البانیا میں بجز اطالی ڈاک خانوں کا کھولنا۔ قانون بین الاقوامی کی عزت کرنے کی تازہ ترین مثالیں ہیں۔ مگر جب عبدالحمید کی اپنی ذات محفوظ ہے۔ اور اسکی مطلق العنانی قائم ہے۔ وہ ایسی ذلتوں کی پرواہ نہیں کرے گا۔ ایک خود وقار آدمی خود غرضی کو اس حد تک کبھی نہیں پہونچاتا۔

سلطان نے اپنی ذات کو ذمہ داری اور طعن و تشنیع سے بچانے کے کئی ڈھنگ اختیار کر رکھے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یورپ کی بہت سی اقوام کے ایجنٹوں کی تقرری ہے۔ جو اس کے متعلق عمدہ باتیں لکھتے اور کہتے رہتے ہیں۔ بلاد مشرقیہ کے دوسرے امیروں اور پادریوں کو تحائف دینے کا مقصد یہی ہے۔ ورنہ ایسے خود غرض اور مطلب برار آدمی سے فیاضی کی توقع رکھنا ایک عبث خیال ہے۔

اس بات کو بتانے کے لئے کہ سلطان اس ڈھنگ کو کیسے وسیع پیمانہ پر اختیار کئے ہوئے ہے۔ میں اس کے تحائف اور نذرانوں کا ذکر کرتا ہوں۔

تخت نشینی کے وقت سے لیکر تا ایندم سلطان عبدالحمید کو پختہ یقین رہا ہے کہ وہ پولیٹیکل حلقے کے ان ممبروں کو جن سے اسے ہمیشہ سابقہ پڑتا ہے تحائف اور نذرانے دینے سے اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے۔

اسکی رائے ہے کہ ہر شخص کی اپنی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ اگر زر کے زور سے نہیں تو اعزاز اور تحائف کے ذریعہ سے خریدا جا سکتا ہے۔ (یعنی گرویدہ بنایا

جا سکتا ہے۔ مترجم۔) اپنے افسروں کو مطیع و فرمانبردار رکھنے کے لئے وہ اُن کو ایسی ذمہ داری کے عہدے دیدیتا ہے۔ کہ جن کے وہ مستحق نہیں ہوتے۔ وہ اُن کو روپیہ کی تھیلیاں مرحمت کرتا ہے۔ خطابوں اور ستاروں سے سرفراز فرماتا ہے اس بات کا اندازہ کرنے کے لئے کہ سلطان ان جانوروں کو قابوں میں رکھنے کے لئے کتنا روپیہ خرچ کرتا ہے۔ ایک شخص کو یلدز محل کے محکمہ صرف خاص کا معائنہ کرنا چاہیئے۔ وہاں وہ حریص و طامع تاہم مطمئن اشخاص دیکھے گا کہ سفید وطلائی تھیلیوں میں روپیہ اشرفیاں اُٹھائے لیجا رہے ہیں۔

اگر پھر وہ قسطنطنیہ کے اخبارات پر نظر ڈالے تو اسکو ہزاروں نامعلوم اشخاص کے نام دکھائی دیں گے۔ جو نشانوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ ترقیاں پاتے ہیں یا نئی اسامیوں پر مقرر ہوتے ہیں۔ ایک فرانسیسی اخبار کے نامہ نگار مقیم قسطنطنیہ نے ایکدفعہ اُن اشخاص کی تعداد لکھی تھی۔ جن کو تمغہ شفقت مرحمت ہو چکا ہے۔ بہت سی دیگر تمغوں کیطرح۔ یہ تمغہ بھی اس سلطان کی ایجاد ہے۔ اور اجانب ذی رتبہ خاتونوں کو دیا جاتا ہے۔

اُس فرانسیسی نامہ نگار کے قول کے مطابق آجتک پچیس ہزار خاتونوں کو (تمغہ نشان) مرحمت ہو چکا ہے۔

ٹرکی کے قدیم نشان مجیدیہ اور عثمانی اس قدر فیاضی سے تقسیم کئے جاتے ہیں کہ معمولی سرکاری ملازم کا سینہ بھی اُن سے مزین نظر آتا ہے

تمغہ جات حاصل کئے ہوئے لوگوں کی وہ کثرت ہے کہ سلطانی محلوں کا کوئی ادنیٰ ایسا ہوگا۔ کہ اسکو ایک یا ایک سے زیادہ تمغے نہ ملے ہوں۔ لہذا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کہ محل کے حلقہ سے باہر کے خاندانی تعلیم یافتہ لوگ اس بات کا فخر کیا کرتے ہیں۔ کہ ہمارے پاس کوئی تمغہ یا نشان نہیں ہے۔"

نشانوں کا مرحمت کرنا اور ترقیوں کا دینا ہی سلطان کے نزدیک محبت حاصل کرنے کا کافی ذریعہ ہے۔ اجانب کو اپنا گرویدہ کرنے کے لیے وہ اور ڈھنگ اختیار کرتا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ وہ بڑا اعظم یورپ کے ایڈیٹروں اور

نگاروں کو انعامات - نشانات - امتیازات - یا ترکی میں کوئی تجارتی صنعتی
رعایت دیکر اپنے متعلق مفید مطلب مضامین لکھوانے پر راضی کرے - مگر وہ
اخبارات غیر ممالک اور مدبروں کو کس طرح رام کر سکتا ہے - جو معاملات مشرقی
میں انٹرسٹ رکھتے ہیں؟ کیا یہ ممکن ہے - کہ وہ کسی صداقت شعار صاف
گو یورپی وزیر کو مرصع نشان یا ایک گراں قدر رقم انعام میں دیکر راضی کرے
کہ وہ اپنے متعلق کلمات خیر کہلوائے؟ کبھی ممکن ہی نہیں - مگر سلطان اس
اصول پر کہ انسان احسان سے غلام بنایا جا سکتا ہے، راسخ یقین رکھتا ہے - پس
اگر روپیہ یا نشانات دیکر کامیاب نہیں ہو سکتا - تو یا داد کے قبول کرنے کی وجہ سے منت
کش ہو؟ اور ایسا ہی [illegible] انداز اختیار کرتا ہے - جو اس کے ساتھ مخصوص ہے -
سلطان کے تحائف قیمت و مقدار میں مختلف موقعوں پر مختلف ہوتے ہیں -
عالیشان نشان - سونے کے گلدان - سگریٹ کیس (ڈبے) اور سگریٹ ہولڈر (ایک
جس میں سگریٹ رکھ کر پیتے ہیں) جواہرات سے مرصع اور زرنگار گھڑیاں - خوبصورت
گھوڑے - مرصع ایشیائی تلواریں - خنجر - شاہی خزانہ کے پستول - جن کو
خاندان عثمان کے پہلے سلطان بطور تبرک محفوظ رکھتے تھے - اور ایسی دیگر چیزیں
ہیں جو بادشاہوں اور امیروں کو بطور تحفہ ارسال کی جاتی ہیں -
منجملہ ان اشخاص کے جو سلطان سے تحائف لیتے ہیں - قیصر جرمنی اول
نمبر ہے - قسطنطنیہ کی دو ملاقاتوں کے دوران میں بے شمار اور بیش بہا یادگار
لینے کے علاوہ قیصر وقتاً فوقتاً عمدہ عمدہ گھوڑے - عرب - اور مشرقی صنعت
و حرفت کے نادر نمونے بطور تحفہ لیتا رہتا ہے - شہنشاہ روس بھی سلطان
سے تحائف لیتا رہتا ہے - مگر بھیجتا بھی رہتا ہے - دس سال ہوئے سلطان
نے باسفورس کے ساحل کا ایک عالی محل شاہزادہ ماہی نگو کو عنایت کیا - اور
ایک سٹیمر جو سینک طلائی کے سلطانی بحری کارخانہ میں تیار کیا گیا تھا - ابھی
ابھی اسی شاہزادہ کو استعمال کے لئے بحرہ ادریاٹک کی طرف بھیجا گیا ہے -
دس سال ہوئے سلطان کا خاص ایڈیکانگ ایک خوبصورت مرصع گلدان لارڈ
سالسبری کے لئے انگلستان لایا تھا - اور اسکوتر کی سفیر متعینہ دربار لندن نے

وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

خدا جانے ان تحائف کا کچھ اثر بھی ہوا یا نہیں۔ مگر جو مقصد سلطان کے مد نظر تھا۔ اس میں اسکو پوری پوری کامیابی ہو گئی ہے۔ یعنی وہ ابھی تک تخت پر متمکن ہے۔ اور اسکی حکومت مطلق العنان ہے۔ اگر سلطان کی اسی پالیسی پر نگاہ نظر ڈالی جائے۔ تو ماننا پڑے گا کہ وہ بڑی اعلیٰ لیاقت اور قابلیت کا بادشاہ ہے تاہم وہ اپنی ساری لیاقت بڑے کاموں ہی میں خرچ کرتا ہے۔ جتنا وہ لائق ہے اتنا ہی اگر نیک نیت ہوتا تو آج اسکی سلطنت نہایت زبردست۔ طاقتور۔ اور دولت مند ہوتی۔ طعن وتشنیع اور آبروریزی کی پروا نہ کرنا۔ مشکل سے مشکل مسائل کو بآسانی تمام سلجھا لینا۔ عیاری سے مطلب برآری کر لینا اُس کے بائیں ہاتھ کے کرتب ہیں۔ اپنے بہت سے متقدمین کے خلاف وہ زن مرید نہیں ہے اور نہ ہی عورتوں کی صحبت میں رہنا پسند کرتا ہے۔ اگرچہ اب تک اُس کے حرم میں بے شمار غلام اور لونڈیاں موجود ہیں۔ مگر وہ جاہل طبقہ کو جتانے شان وشوکت دکھانے کی غرض سے رکھے ہوئے ہیں۔ اُس کی عقل خداداد کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا۔ کہ اُس نے مسلمانوں کو یقین دلایا ہے کہ ٹرکی پہ آئے دن جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ اوسکا ذمہ وار یورپ ہے۔ جو آئے دن معاملات سلطنت میں دخل اور معقولات کرکے انتظام کو درہم برہم کرتا رہتا ہے۔ برخلاف اس کے وہ یورپینوں کو یہ کہتا ہے۔ کہ جس قوم کے نام پر میں حکومت کر رہا ہوں وہ پارلیمنٹری حکومت کے فوائد سمجھنے سے معذور ہے ۔ اور اپنے اس بیان کو ٹھیک اور سچا ثابت کرنے کو وہ ملک میں صنعتی۔ سائنٹفک اور لٹریچر کی ترقی کے راستہ میں روڑے اٹکاتا رہتا ہے۔

اگرچہ اُس نے اپنی شخصی حکومت کو برقرار رکھنے میں بیش از بیش ذہانت اور لیاقت کا ثبوت دیا ہے۔ مگر سلطان عبد الحمید کی تعلیم بہت ہی تھوڑی ہے۔ وہ لوگ جو اسکو اچھی طرح جانتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ تخت نشینی سے پہلے وہ دیگر شہزادوں کی نسبت تعلیم و لیاقت میں بہت کمتر خیال کیا جاتا تھا۔ اس تعلیمی نقص کے باوجود چھبیس سال تک وہ ہر ایک قسم کی مخالفت۔ رقابت اور عداوت

پر غالب رہا ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ وہ اتنا کام کرتا ہے کہ ترکی میں کوئی بھی نہیں کرتا۔ وہ بڑی بڑی رپورٹیں پڑھتا اور اپنے سکریٹریوں سے سنتا ہے۔ مگر جو کچھ وہ پڑھتا ہے۔ وہ سب جاسوسوں اور ایجنٹوں کی رپورٹیں ہوتی ہیں جو ہر روز سینکڑوں کی تعداد میں موصول ہوتی ہیں۔ اسکا مرغوب خاطر لٹریچر یہ ہے کہ وہ بہت سی زبانوں سے ترجمہ کرکے دنیا کے مطلق العنان بادشاہوں اور ان کے دشمنوں کے حالات اور ان کے کارنامے بہ آواز بلند سنتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ خفیہ سوسائٹیوں اور سازشوں کا شوقین ہوگیا ہے۔ وہ خفیہ تحقیقات اور انکشافات مقدمات سے متعلق کہانیوں کے سننے کا بھی بڑا اشتاق ہے!

گیارہواں باب

ینگ ٹرکش پارٹی

سلطان کے دشمن۔ ان سے اسکا برتاؤ۔ یورپ کی انسانی ہمدردی۔ سلطان کو قتل کرنے کی کوششیں۔ ینگ ٹرکش پارٹی میں انتظام کا نقص۔ انگلستان میں ریفارمروں کا پناہ لینا۔ سلطان کا چند روزہ پارلیمنٹ کو موقوف کرنا۔ ترکی کی اصلاحی سکیم کی انگریزی خیال روسیوں کی مخالفت۔ نوجوان ترک کیا چاہتے ہیں۔ نوجوان ترکوں کا قتل۔ مقتولوں کی لمبی داستان۔ آخر سر نو بیداری کا امکان۔

ان تمام وسایل کے باوجود جو سلطان نے اپنی شخصی حکومت کے قایم رکھنے کے لئے اختیار کئے ہیں۔ اسکو وقتاً فوقتاً ترکی رعایا کے ایک فرقہ سے نپٹنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ترکی میں صرف اس فرقہ کے لوگ صورت معاملات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور اپنے ملک کے تنزل کے آثار دیکھ رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ تمام عثمانی رعایا

میں سے ترک جن کے نام پر محل کی پارٹی ظالمانہ حکومت کر رہی ہے۔ سب سے زیادہ موجودہ انتظام کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اس فرقہ کو یورپ والے ینگ ٹرکش پارٹی کے نام سے پکارتے ہیں۔ (یعنی نوجوان ترکوں کی جماعت مترجم) اس پارٹی کے ممبروں نے وقتاً فوقتاً عبدالحمید کو تخت سے اُتارنے کی کوششیں کی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُن کے اور سلطان کے درمیان ہمیشہ کھٹ پٹ رہتی ہے۔

سُلطان جانتا ہے کہ جس طرح غیر مسلم رعایا کیطرح ترک کسی یورپین طاقت کے پولیٹکل آلۂ مدعا کرنے کے لئے اُس کے ڈھب پر کبھی نہ آئیں گے۔ لہذا اُنکو مظالم سے بچنے کے لئے بیرونی مدد کبھی نہیں ملے گی۔ اس لئے وہ اُن سے جسطرح چاہتا ہے سلوک کرتا ہے۔ اور وہ اُن ترکوں کو جو اُس کے مظالم کے روکنے کی کوشش کریں جس طرح بن پڑے کچل ڈالتا ہے۔ مگر وہ اُس کے ہاتھ سے بچکر ممالک غیر کو بھاگ جائیں۔ تو وہ اُن کو قابو کرنے کے لئے کئی ایک قربانی کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب رحمت پاشا نے سمرنا کے فرانسیسی قونصل کی کوٹھی میں پناہ لی۔ تو اُس نے واپس لینے کے لئے اُسکو (سلطان نے) ٹیونس پر فرانس کی درازدستیوں کو نظرانداز کر دیا۔ (یہ شخص سخت جھوٹا اور دروغ گو ہے۔ فرانس نے ٹیونس پر اُس زمانہ میں تسلط جمایا۔ جب انگریزوں نے مصر میں پاؤں جمایا۔ یہ سنہ ۱۸۸۲ء کی بات ہے۔ اور اُسوقت ترکی میں اتنی طاقت ہی کہاں تھی۔ کہ فرانس کو بزور شمشیر باز رکھتا۔ پاس ہی مصر تھا۔ اسکو بچانے کے لئے کچھ نہ ہو سکا۔ تو بھلا ٹیونس جیسے دور دراز ملک کیلئے کیا ہو سکتا تھا۔ مترجم)

کچھ عرصہ ہی کی بات ہے کہ سوئٹزرلینڈ کے ایک اطالی کونسل نے مرحوم محمود پاشا سلطان کے بہنوئی اور دشمن جان سے جو موسٹرن میں مقیم تھا۔ ملاقات کی اور کہا۔ کہ مہربانی کر کے اٹلی کیطرف نہ جانا کیونکہ گورنمنٹ اطالیہ کے تعلقات سلطان سے دوستانہ ہیں۔ یہ اُس وقت کی بات ہے کہ جب اٹلی البانیا اور طرابلس الغرب کے ساحلوں پر بحری نمائش کر رہی تھی۔ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے۔ کہ سلطان کے قائم مقام یورپین سلطنتوں کے

دفتر صیغہ خارجیہ میں آتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں۔ کہ اگر فلاں پناہ گزین کو سلطان کے حوالہ کر دو۔ یا کم از کم اپنی سلطنت کی حدود سے نکال دو۔ تو ٹرکی میں فلاں فلاں مراعات دی جائیں گی۔"

ٹرکی رعایا پر ایسی نمایاں کامیابیاں حاصل کرنے کے باوجود سلطان کی جان بہت سے موقعوں پر اس پارٹی کی جدوجہد سے محض خطرہ میں پڑی ہے۔ ایک دفعہ تو سودی آفندی نے جس کا نام پہلے میں درج کر چکا ہوں جو جماعت علماء کا ایک روشن ضمیر اور دلیر ممبر تھا۔ اور ینگ ٹرکش تحریک کا ایک زبردست بانی تھا۔ سلطان پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ پینتیس برس ہوئے۔ سودی لندن میں مقیم تھا۔ اور یہاں اطمینان سے پولیٹکل رسالے چھاپ کر ٹرکی میں تقسیم کرتا تھا۔ مگر جب پہلا سلطان معزول ہوا وہ قسطنطنیہ واپس چلا گیا۔ اور تعلیمی و اخباری کام میں مصروف ہو گیا۔

عبدالحمید کے تخت نشین ہوتے ہی۔ سودی نے ایک سو کے قریب جانباز پناہ گزین جمع کئے۔ یہ ان صوبوں سے آئے تھے جو روس و روم کی جنگ کے بعد سلطنت عثمانیہ سے جدا ہو گئے تھے۔ ان کو لے کر اس نے سلطان کے محل پر حملہ کیا۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ سلطان مراد کو حراست سے نکالیں۔ محل کی فوج نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ سخت ہنگامہ برپا ہوا۔ اور سودی اور اس کے کئی ہمراہی ہلاک ہوئے۔ جس ناتراشیدہ سپاہی نے سودی کا سر تن سے جدا کیا تھا۔ اب وہ ایک زبردست حسن پاشا ہے۔ جو دارالخلافہ کے یلدز کوشک کے۔ یہی سواروں کی پولیس کا افسر اعلیٰ ہے۔ یہ شخص بڑا مضبوط اور غضبناک ہے بہت سے آدمی جن پر ینگ ٹرکش پارٹی کی شمولیت کا الزام لگتا ہے۔ جلا وطنی سے پہلے اس کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ اور کئی دردناک روایتیں مشہور ہیں کہ وہ ان کو سخت بے رحمی اور بیدردی سے مارتا ہے۔ اگرچہ حسن یہاں تک ان پڑھ ہے کہ اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتا۔ تاہم سلطان نے تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ اس کو خیرخواہی و نمک حلالی کے صلہ میں فیلڈ مارشل بنا دیا ہے۔

سلطان کو تخت سے اتارنے کی دوسری کوشش بیس سال ہوئے ایک

سرکیشین رجمنٹ سواروں نے جو آرزر کوشک کے نزدیک مقیم تھی۔ کی تھی۔ اس رجمنٹ کے سپاہی بظاہر محل کی مستورات تک رسائی رکھتے تھے۔ انہوں نے عبدالحمید کے برخلاف سازش کا جال پھیلایا۔ آخیر وقت میں وہ بھی اپنی کوشش میں ناکام ہوئے۔ اور وہ رجمنٹ ایسے پراسرار طریقوں سے ہلاک کی گئی کہ کسی کو معلوم بھی نہ ہوا ارمنوں کی شورش کے زمانے میں سب سے پہلی کوشش جو کی گئی۔ وہ بڑی سخت تھی۔ اسوقت سلطان کے کمرہ کے دروازہ پر دو ڈاکٹروں کا پہرہ تھا۔ یہ گروہ اُس مذہبی فرقہ میں سے تھے جس کے افراد مذہب کے رو سے اپنے شیخوں اور سرداروں پر جان قربان کرنے پر مجبور ہیں۔ اس فرقہ کا شیخ سلفاریم پارٹی (اصلاح چاہنے والی جماعت) کے ممبروں کے ڈھب پر آگیا۔ اور اُس نے اپنے ان دو کرد مریدوں کو اس شخص کے اصلی حالات بتلائے۔ جو اُس وقت تخت خلافت پر قابض ہے۔ اُن دونوں نے سوگند اوٹھائی۔ کہ وہ سلطان کا کام تمام کردینگے مگر عبدالحمید کا بخت یاور تھا۔ اس سازش پر بھی وقت پر ناکامی رہی۔

اُس روزیہ ترقی عنصر کا جس نے نہایت سختی سے عبدالحمید کی مخالفت کر رکھی ہے۔ انگلستان میں بہت کچھ چرچا ہے۔ مگر اصل حالات بہت کم معلوم ہیں۔ لہٰذا میں اُس کی تاریخ۔ مقاصد و اغراض اور اُس کی موجودہ حالت پر بحث کرتا ہوں۔

اِس عنصر کا عام مروجہ نام ینگ ٹرکش پارٹی ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اور میں خود اصلاح کے ان حامیوں سے متعلق اس کا نام استعمال نہ کروں گا۔ بلکہ میں ایسی کوئی باضابطہ جماعت نہیں کہ پارٹی کہلا سکے۔ اگرچہ اصلاح کے حامیوں نے مختلف موقعوں پر مختلف سوسائیاں بنائی ہیں۔ جن کے اغراض و مقاصد یکساں رہے ہیں۔ یعنی سلطان کی مطلق العنانی کو روکنا۔ اور ملک میں پالیمنٹری حکومت کا قائم اور ضروری اصلاحات کا نافذ کرنا۔ ٹرکی کا انقلاب پسند عنصر فرانسیسی انقلاب کا دیکھا دیکھی قائم نہیں ہوا۔ بلکہ اُس کا آغاز پہلے پہل آزادی کے بارہ میں انگریزی خیالات کی اشاعت۔ اور حکومت کرنے کی انگریزی سسٹم کی معلومات سے ہوا ہے۔ شاید بہت کم انتخاص کو معلوم

ہوگا۔ کہ پہلا عثمانی ریفارمر لندن کی طرف پہلی عثمانی ڈپلومیٹک مشن کا ایک ممبر تھا۔ چند سو سال ہوئے ہیں۔ کہ آغا آفندی پہلے پہل دربار لندن میں ترکی سفیر مقرر ہو کر متعین ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک نوجوان رائف محمود آفندی پرائیویٹ سکرٹری ہو کر آیا تھا۔ یہ نوجوان سکرٹری انگلستان میں کئی سالوں تک مقیم رہا۔ اور سائنٹفک مضامین خاص کر جغرافیہ کے مطالعہ میں بہت مشغول رہا۔ بعد ازاں اس نے انگریزی اٹلس کا ترجمہ کر کے ٹرکی زبان میں پہلے اٹلس شائع کیا۔ جب محمود آفندی اس ملک میں تھا۔ وہ یہاں کی طرز حکومت اور ایڈمنسٹریشن سے متعلق باب العالی میں رپورٹیں ارسال کیا کرتا تھا۔ جب سلطان محمود ثانی تخت خلافت پر رونق افروز ہوا۔ تو یہ نوجوان ڈپلومیٹ اصلاح انتظام میں مدد دینے کے لئے قسطنطنیہ بلایا گیا۔ مگر ینیچری فوج کی تباہی سے پیشتر ایک مذہبی جاہلیت کا طوفان بے تمیزی برپا ہوا۔ جس میں ٹرکی کا یہ پہلا ہونہار مدبر وسیع خیالی کے جرم میں تلوار کی گھاٹ اتارا گیا۔ تاہم اصلاح کے جو بیج اس نے بوئے تھے۔ وہ بالکل ہی ضائع نہ ہوئے۔ اور اس بات کا کریڈٹ مورخین کی تدبر دانی کو حاصل ہے۔ کہ انہوں نے حکومت میں اصلاح کرنے کے متعلق اسکی تقلید کی۔ اور مشہور آفاق خط شریف یا دولت عثمانیہ کا پہلا ریفارم چارٹر مرتب ہو گیا۔ اور دوست طاقتوں کی مدد سے اسکا اعلان کیا گیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے۔ سلطنت عثمانیہ کو ناقابل تغیر مشرق کا ایک حصہ سمجھنا درست نہیں۔ گزشتہ صدی میں ٹرکی میں کئی ایک انقلاب ہو چکے ہیں۔ گو وہ انقلاب ہمیشہ بہتری کے لئے نہیں ہوئے۔ سلطان عبدالعزیز نے تخت پر متمکن ہونے کے تھوڑے عرصہ بعد سلطنت کے نئے انتظام کو ہٹانے اور مطلق العنانی سے حکومت کرنے کی کوشش کی۔

پارلیمنٹری اصول اختیار کرنے کی بجائے جنہوں نے سلطنت میں جان ڈالی تھی۔ اس نے اسی مطلق العنانی کا ڈھنگ اختیار کیا۔ اور یہی بات قومی آزادی کو ملیامیٹ کرنے کے لئے ایک محل پارٹی بنائی۔ اس وقت کے نوجوان ریفارمروں نے سلطان اور اس کے مشیروں کے اس جابرانہ رویہ پر نہایت سختی سے

نکتہ چینی کی۔

مگر چونکہ ملک اُن نوجوانوں کی مدد کے لئے کافی تعلیم یافتہ نہ تھا۔ ان کے معروضات کا نتیجہ یہ نکلا کہ گورنمنٹ نے ان کو سخت سزا دی (یہ عقل کا اندھا انگلستان کیطرح ٹرکی میں پارلیمنٹ بنانے کے خبط میں مبتلا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ انگلستان میں ایک مذہب ایک قوم ہے۔ اور پھر زمانے سے باخبر۔ قومی سپرٹ میں سرشار۔ تعلیم سے بہرہ ور۔ اپنی ضروریات سے آگاہ۔ ٹرکی میں مختلف مذہب و ملت کی آبادی۔ اُن میں النیٹ گنتی کے پھر زمانہ سے بے خبر۔ اپنی ضروریات سے بے پروا۔ بھلا پارلیمنٹ بنے تو کیونکر۔ صرف چند شوریدہ سر نوجوانوں کو خوش کرنے کے لئے پارلیمنٹ بنا کر سلطنت کو تباہی میں ڈالنا کہاں کی دانائی ہے۔ سلطان عبدالحمید نے پارلیمنٹ بنائی تھی۔ اُس نے کیا فائدہ دیا۔ یہی نہ۔ کہ یورپ کے بہترین صوبے ہاتھ سے کھو دئے۔ اور سلطنت کو تباہ و برباد کرنے کی ٹھان لی۔ عبدالحمید کے عہد میں تو کنسٹی ٹیوشن تھی۔ اُس نے کیا خاک بنایا۔ بلکہ سلطنت کو اُلٹا مقروض بنا دیا۔ اسی کے عہد کے کانٹے بوئے ہیں۔ کہ عبدالحمید کی متواتر اور پے درپے جدوجہد و کوشش کے باوجود سلطنت ابھی اپنی اصلی حالت پر نہیں آئی۔ ہمارے خیال میں تو نوجوان ترک بھی ان باتوں کو سمجھتے ہیں۔ مگر خود غرضی ان کو کچھ نہیں کرنے دیتی۔ وہ دشمنان سلطنت سے رشوت لیکر غداری پر کمر باندھ لیتے ہیں۔ اور سلطنت کی ترقی میں روڑا اٹکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ آج تک جتنے ترک غداری اور نمک حرامی کے میدان میں اُترے ہیں۔ وہ ہیں۔ جو ذاتی نالائقی کے سبب اعلٰی عہدے تو حاصل کر نہیں سکتے تھے۔ مگر حاصل کرنے کی خواہش کرتے تھے بھلا عبدالحمید ایسے باخبر اور روشن ضمیر سلطان کے عہد میں ایسے نالائق ذمہ داری کے عہدہ پر کیطرح مقرر ہوں۔ اور کوئی بس نہ چلا تو یورپین ممالک میں بھاگ گئے غیروں کی خیرات کے ٹکڑوں پر گذارہ کیا۔ اور سلطان کی ذات اقدس پر اخبارو رسالوں۔ کتابوں میں بزدلانہ اور بے بنیاد حملے کرتے رہے۔

اگر عبدالحمید ایسا ہی ظالم ہوتا۔ اور رعایا اس قدر تنگ ہوتی۔ تو یہ ترقی کس طرح ہو سکتی تھی۔ یہ فرزانہ روزگار سلطان اپنی سلطنت اور قوم کیحالت بخوبی

جانتا ہے۔ اور اسی طرح کام کر رہا ہے جس طرح موجودہ حالت میں کرنا مناسب ہے اگر آج اُسے معلوم ہو جائے کہ پارلیمنٹ بنانے سے قوم کی حالت بہتر ہو جائے گی تو واقعات بتا رہے ہیں۔ وہ کبھی انکار نہ کرے۔ نہیں۔ بلکہ اگر اسکو کہا جائے کہ تمہارے تخت و تاج سے دست بردار ہونے اور فلاں شاہزادہ کے تخت پر متمکن ہونے سے صورت حال بہتر ہو جائے گی۔ تو وہ استعفا دینے میں کبھی تامل نہ کرے۔ یہ یورپین اخبارات جو آئے دن اُسکے برخلاف شور مچاتے ہیں۔ اسکی وجہ ہی کیا ہے۔ صرف یہ کہ عبد الحمید کی تدبیر و دانائی اور فراست سے سلطنت دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ اور ان کو جو خیال تھا کہ اب یہ سلطنت یا ردل کا نوالہ بننے کی منتظر تیار ہوا ہے۔ اور تو کچھ کر نہیں سکتے۔ صلواتیں دے دے کر دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ آجکل کوئی یورپین سلطنت اکیلی روم کے منہ آنے کی جرات نہیں کرتی۔ اور سب ملکر اسپر دباؤ ڈالتے ہیں۔ اسکی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ وہ جانتی ہیں۔ ٹرکی بڑی طاقت ور اور زبردست ہو گئی ہے۔ اگر کوئی اکیلی قابو آ گئی۔ تو بس کچومر ہی نکل جائے گا۔ غرضیکہ عبد الحمید جس ڈھنگ سے حکومت کر رہا ہے۔ ٹرکی کی موجودہ حالت اسکی مقتضی ہے۔ یہاں یہ بتانا بے محل نہ ہوگا۔ کہ ایک دفعہ نامور کے مشہور اخبار ٹری گزٹ اخبار نے نہایت جلتے ہوئے یہ گستاخانہ فقرہ لکھا تھا کہ جب تک موجودہ شیر سلطان زندہ ہے۔ اُسکی شیرانہ پالیسی برابر کام کرتی رہے گی۔ اور یورپ اُس کی سلطنت کے حصے بخرے نہیں کر سکے گی (مترجم)

بعض لیڈروں کو سلطنت کے مختلف ضلعوں میں قید کیا گیا۔ مگر بعض یورپ کیطرف بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان مفرورین میں سے چند لنڈن میں مقیم ہو گئے۔ تیس سال سے زیادہ کا عرصہ گذرا ہے جب نوجوان ترکوں نے جیسا کہ اُن کو اسوقت بلایا جاتا تھا۔ اصلاح کی تحریک نہایت زور شور سے شروع کی۔ ریفارمر انگلستان میں اخبار اور رسالے چھاپ کر ایسے ذرائع سے جو سلطان عبد العزیز کے افسروں کو معلوم نہیں تھے۔ ٹرکی کیطرف بغرض اشاعت روانہ کرتے تھے۔ چونکہ آدمی لائق اور قابل تھے۔ اپنی تحریروں سے اُنہوں نے ملک میں تعلیم اور بیداری کی

روح پھونک دی۔ ان کے جوش اور تحریک کا اثر محل کی پارٹی اور باب عالی کے قدیم خیال خائن افسر محسوس کرنے لگے۔ موجودہ سلطان کے نامبارک عہد حکومت کے آغاز پر رعایا کے تعلیم یافتہ طبقہ اور فوج میں ریفارمروں کے اِس قدیم خیال تھے۔ کہ عبدالحمید کو مدحت پاشا حنیف ریفارمر۔ انہیں چیف مڈیبٹر۔ مترجم۔ [یا] ان کے ساتھ مجبوراً وعدہ کرنا پڑا۔ کہ رسم تاجپوشی کے بعد وہ باضابطہ گورنمنٹ کی بناڈالے گا۔ اور دارالعوام کی منظوری دے گا۔ اُس نے جیسا کہا۔ ویسا کیا۔ وہ اِس تاک میں لگا۔ کہ موقع ملے تو ان ریفارمروں کو ملیا میٹ کرکے مطلق العنانی حکومت کا رنگ جمائے۔ ۱۸۷۷ء کی جنگ نے اُسے موقع دیدیا ترکی رعایا جنگ کی لازمی مصیبتوں میں مبتلا تھی۔ اور وہ یلدز کوشک کے برے ارادوں سے باخبر نہ تھے۔ کہ مغربی یورپ کی دوست سلطنتوں کے آگے دوہائی دیتے۔ کہ سلطنت کی بہتری وسلامتی اسی میں ہے کہ پارلیمنٹری حکومت قایم ہو۔ (اجی ہاں۔ مغربی یورپ کی سلطنتیں واقعی سلطنت عثمانیہ کی دوست اور خیرخواہ تھیں۔ کہ اوسکی تباہی کے درپے تھیں۔ اور اب بھی ہیں۔ اور کیا یہ تھوڑی خیرخواہی و دوستی ہے۔ کہ منچلے بھڑے ہیں لاکراسبات کی کوشش کررہی ہیں کہ تو دوسرے مسلمانوں کو بھی اپنے ساتھ ملاکر غلامی کا لعنتی طوق اُن کے گلوں میں ڈلوایے مترجم) لہذا چندروزہ عثمانی پارلیمنٹ جس کو عبدالحمید نے بیخ و بن سے اُکھاڑ دیا۔ ینگ ٹرکش پارٹی کی کوشش کا نتیجہ تھی۔ جس کی غرض بقول مسٹر گلیڈسٹون "باضابطہ پارلیمنٹری حکومت" سے ملک کو ترقی دینے کی تھی۔ اور جیسا کہ دولت عثمانیہ کے بدترین دشمن کہتے تھے۔ مغربی یورپ کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے لئے "سلطان کی عیارانہ چال نہ تھی۔ تاہم مسٹر گلیڈسٹون اور اُس کے چیلے چانٹے ترکی میں ایسی گورنمنٹ کے قایم کرنے کی کوشش سے دلی ہمدردی نہ رکھتے تھے۔

مرحوم ڈیوک آف ارگائل نے اپنی ایک کتاب متعلقہ معاملات مشرق میں لکھا ہے کہ "ہم انگلستان میں اُن کی پارلیمنٹ پر قہقہہ لگاتے تھے" اور اصل بات تو یہ ہے۔ انگلستان کے پریذیڈنٹوں، سلطنت ترکی کی طرف عیسائی رعایا کے لئے

اصلاحیں چاہتے ہیں۔ ولیس۔ (انہیں حضرت صرف عیسائی رعایا کیلئے اصلاحیں ہی نہیں چاہتے۔ بلکہ آپکو بھی بے لڑ کا ہضم کرنا چاہتے ہیں۔ مترجم)

اسطرح روس و روم کی جنگ کے بعد ملک ریفارم پارٹی کی مادی مدد کرنے کے قابل نہ رہا۔ اور سلطنت عثمانیہ کے انگریز ہوا خواہوں نے بھی اسکی کوئی مدد نہ کی (اجی واہ۔ انگریز ہوا خواہوں نے یہ تھوڑی سی مدد کی تھی۔ کہ قبرص دبا لیا۔ مصر پر فوجی قبضہ کر لیا۔ عہد نامہ برلن کے وقت بہت سے صوبے یورپینوں کو دلوا دئیے۔ مترجم)

ینگ ترکوں کی پارٹی نے اس موقع سے برمحل فائدہ اٹھایا۔ پارلیمنٹ کو ٹھوکر لگائی۔ اور زبردست و مستعد ریفارمروں سے اس طرح خلاصی پائی کہ بعض کو گورنر کر کے بھیجدیا۔ اور بعض کو جلا وطنوں کیطرح دور دراز صوبوں میں روانہ کر دیا۔ اور وہ ظالمانہ حکومت قائم کی کہ توبہ بھلی۔

اس موجودہ طرز حکومت سے سلطنت ٹرکی کو نا قابل تلافی نقصان پہونچے ہیں (کیا یہ نقصان تھوڑے سے ہیں کہ خزانہ کی حالت درست ہوگئی۔ فوج مضبوط اور قواعد داں اور تعداد بھی بہ نسبت سابق دگنی ہو گئی۔ تجارت چمکی۔ تعلیم پھیلی۔ صنعت و حرفت کا چرچا ہوا۔ غیروں کی دست اندازیوں سے نجات ملی۔ مترجم)

اپنے برخلاف زبردست جنبش کے قیام کو روکنے۔ صنعتی ولولہ کو بجھانے اور لوگوں کو مشترکہ کام کرنے سے باز رکھنے کے لئے عبدالحمید نے مختلف قوموں میں مذہبی و قومی عناد کی آگ جو مدت سے بجھ چکی تھی۔ پھر بھڑکا دی۔ ساتھ ہی تو خفیف خفیف جذبات پر پرائیویٹ جائدادیں خاص کر ریفارمروں کی ضبط کرنے کی دھمکی دی۔ ریفارمروں کو قتل اور برباد کرنے کے باوجود سلطان اصلاح کی تحریک کو کلی طور پر بالکل دبا نہیں سکے۔ اُس نے تعلیم کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش بعد از وقت کی۔ لوگوں کو مغربی یورپ کے خیالات سے ہوش آچکے تھے۔ وہ شخص آزادی اور گورنمنٹ کے فرائض سے واقف ہو چکے تھے۔ لہٰذا اُس کی اس کوشش نے عالی دماغ لوگوں کو اور بھی زیادہ ناراض و بیزار کیا۔ ان عالی دماغوں کا ایک نمونہ تو

آپ خود ہیں۔ کہ نہ سر کی خبر ہے نہ پا کی۔ مترجم)

شورش آرمینیا کے شروع شروع میں ریفارم ایجی ٹیشن (اصلاح کے لئے جوش وخروش کا اظہار کرنے) کا بہت زور ہو گیا تھا۔ ریفارمرز نے سلطان عبدالحمید کی بدعملی کا خاتمہ کرنے کی سخت جدوجہد کی۔ ان کو بہادر قوم کی حکومت کے لئے بہادر سلطان درکار تھا۔ وہ ایک ایماندار اور بہترین بادشاہ چاہتے تھے۔ نہ کہ ایک سازش اور دھوکہ مند جو بکار خود ہوشیار۔ اور ویسے دیوانہ۔ اور چھبیس سالوں سے اپنے محفوظ اور مستحکم محل کے اندر ہی پڑا سڑ رہا ہے۔ وہ ایک لائق خلیفہ چاہتے تھے۔ جو اسلامی دنیا پر ظاہر کر دے۔ کہ ترکی کی اسلامی سلطنت کا طرز و قاعدہ مہذب یورپ کی نظروں میں بیش از بیش قائم ہے۔ وہ ایک ذمہ دار وزارت کے طالب تھے۔ نہ کہ چاپلوسوں کے ایک منچلے گروہ کے جس نے اپنی بدنظمی اور بدعملی سے ترک قوم کو دنیا کی نظروں میں حقیر بنا دیا ہے۔ اس تحریک کو بند کرنے کے لئے پچیس ہزار نوجوان ترکوں کا قتل کرنا کافی ثابت نہیں ہوا لہذا سلطان نے اس کے متعلق دیگر وسائل اختیار کئے۔ اس کے بہت سے جاسوس یورپ کی طرف بھاگ گئے۔ گویا کہ وہ نوجوان ترک تھے۔ اور مختلف ینگ ٹرکش کمیٹیوں میں شامل ہو گئے۔ وہ جو کچھ دیکھتے یا سنتے۔ اس کی خفیہ رپورٹ سلطان کو بھیج دیتے۔ اور ممبروں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے بہت سے پناہ گزینوں کا گذارہ ان وسائل پر تھا۔ جو ترکی میں تھے۔ سلطان نے وہ وسائل بند کر کے ان کو فاقہ مستی کی مصیبت میں ڈالا۔ اور لطف یہ کہ اس وقت اس کے جاسوس روپیہ کی بڑی بڑی تھیلیاں لیکر ان کے پاس آتے۔ عہدے دینے کا وعدہ کرتے۔ اور ان پناہ گزینوں کو ترکی واپس چلنے کی بڑی شد و مد سے ترغیب دیتے۔ ان میں سے چند نے سلطان کی مالی مدد کو منظور کر لیا۔ اور اس طرح وہ ترکوں کی ہمدردی سے محروم ہو گئے۔ بعض تلاشی روزگار عہدوں کے خواہاں۔ اور مراعات کے طالب جن میں سے چند ہرگز ترک نہ تھے۔ ترکی ریفارمر ہونے کا بہانہ کر کے بھاگ گئے۔ اور لندن اور دیگر مقاموں میں باغیانہ اخبارات نکالے۔ کہ سلطان سے جائز فائدہ اٹھائیں۔ اور

اسطرح ان لوگوں نے نوجوان ترکوں کے نام پر دھبّہ لگایا۔

اس طرح ینگ ترکش تحریک اولٹی حالت میں پڑگئی۔ مگر بالکل سرد ہی نہیں پڑگئی۔ وہ پھر چمک سکتی ہے۔ اور یلدز کے قوی ہیکلوں پر حملے جاری رکھہ سکتی ہے۔ مگر یہ حملے صلح آمیز پیرایہ میں ہوں گے۔ کیونکہ اگر ترک عبدالحمید کے خلاف تلوار اٹھائیں۔ تو یورپ والے بھی کہیں گے کہ عیسائیوں کے قتل کا سامان کرنے لگے ہیں۔ مزید برآں ایسا انقلاب سخت خونریز ہوگا۔ کیونکہ یلدز کوشک کی فوج محافظ کے سپاہی مختلف اقوام کے اور ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ علاوہ اس کے جب سلطان اپنی جان کو خطرہ میں دیکھیگا۔ تو وہ دارالخلافہ کو ترکی کے قدیم اور تاریخی دشمن کے حوالے کردیگا۔ اور یہ بات اُس نے چند دفعہ کنایتاً کہی بھی ہے۔

بارھواں باب

انگلستان اور خلافت

عبدالحمید کا بہ حیثیت خلیفہ اپنے اختیارات کا استعمال کرنا۔ مسلمانوں کا اسکی بابت خیال۔ انگریزی مسلمان رعایا خلافت کے متعلق عثمانیوں کے مضبوط دعاوی اُن کی مخالفت کرنے میں انگریز مدبروں کی غلط پالیسی۔ اسلامی دنیا کو بدظن کرنے کے خطرات۔ انگریز مخبروں کی غلط بیانیاں۔

قوموں کی تاریخ میں یلدز کوشک کے مالک سے بڑھکر شاید ہی کوئی خوش قسمت ظالم نکلے گا۔ ان حالات کے علاوہ جن پر میں نے روشنی ڈالی ہے۔ عبدالحمید کو خلافت کے اختیارات سے بیش از بیش تقویت مل رہی ہے۔ اور ان اختیارات کو وہ جب چاہے۔ اپنے اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لئے برت سکتا ہے مسلمانان روم کی خلیفہ سے محبت اور دیگر اسلامی ممالک کے سنی مسلمانوں کی اُس سے عقیدت بہت ہی زیادہ ہے۔ اور دن بدن زیادہ ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کی

محبت خلافت سے ہے۔ عبدالحمید کی ذات سے نہیں (بالکل جھوٹ عبدالحمید کی تخت نشینی سے پہلے خلافت کا چرچا ہی نہ تھا۔ اور اسلامی دنیا پر تاریکی کا پردہ چھایا ہوا تھا۔ اس فرزانہ روزگار سلطان نے خلافت کو پھر چمکایا۔ اور مسلمانوں کو خلیفہ وقت کی جاں نثاری کے فوائد بتلائے مسلمانوں کی محبت خلافت سے ہے۔ کیونکہ عبدالحمید خلیفہ ہے۔ اور مسلمانوں کی محبت عبدالحمید کی ذات سے ہے۔ کیونکہ وہ خلیفہ ہے۔ مترجم)

اور خلیفہ کی شرائط بموجب ایک خلیفہ کو انسانیت کا کامل و مکمل نمونہ ہونا چاہیئے۔ اگر خلیفہ مذہب اسلام کی مقررہ شرائط پوری نہ کر سکے۔ تو ایمانداروں کو حکم ہے کہ اسکو معزول کر دو۔ اور ہمہ صفت موصوف شخص کو خلیفہ منتخب کرو۔ موجودہ مسلمانوں کے لئے یہ بات بھی قریباً ناممکن ہے کہ موجودہ سلطان ان اوصاف سے جو خلیفہ کے لئے ضروری ہیں۔ وہ بالکل معرا ہے۔ اور وہ کسی طرح بھی خلافت کے لائق نہیں۔ (جب خلیفہ کو انتخاب اور پسند کرنے کا حق مسلمانوں کو ہے۔ اور مسلمان عبدالحمید کو خلیفہ مانتے ہیں۔ تو آپ کون ہیں۔ کہ خواہ مخواہ ٹانگ اڑا رہے ہیں۔ مترجم) سلطان نے نہایت استادی سے مسلمانوں کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ ایک سچا خلیفہ ہے۔ اور اسلام کا بڑا حامی ہے۔ اور اسلامی دنیا کے اغراض و مقاصد کی حفاظت نہایت دلیرانہ طور پر کرتا ہے۔ اس غرض سے وہ بے شمار روپیہ خرچ کرتا ہے۔ (تم خود مانتے ہو کہ سلطان نے مسلمانوں کو یقین دلا دیا ہے کہ وہ سچا خلیفہ ہے۔ کیا سارے مسلمان ملکر اپنے مذہب سے اتنے واقف نہیں۔ جتنے کہ تم اکیلے ہو۔ ؟ مسلمانوں کا ماننا اور سلطان کا منوالینا ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ سلطان ایسا خلیفہ ہے جیسا کہ ہونا چاہیئے۔ مترجم)

تاہم امر واقعی یوں ہے کہ وہ اسلام کا بدترین دشمن ہے۔ اور کسی مسلمان بادشاہ نے اپنی غلط کاریوں سے مذہب کو ایسا ذلیل و رسوا نہیں کیا جتنا اس نے کیا ہے۔ (اجی آپ جیسے شیطان مجسم کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کیا ذلت و رسوائی ہو سکتی ہے کہ اس نے اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو بچا لیا۔ اس نے

سچے دل سے کوشش کی۔ بفضلِ خدا اُس کے شاملِ حال ہو گیا۔ اور مذہب کا بیڑا پار ہو گیا۔ اگرچہ اس سچے مذہب کا حامی و مددگار خود خدا ہے کہ اس نے اسکی تائید کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر جس ظاہر سبب سے خدا نے اپنے سچے دین کی حمایت کی وہ عبدالحمید کی کوشش و تندہی ہے۔ مترجم)

جس شخص نے اس کے زندگی کا غور سے مطالعہ کیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے کام بالکل اسلامی شعار کے برعکس ہیں۔ مگر اس بات کا مسلمانانِ عالم کو یقین دلانا ناممکن ہے۔ وہ مسلمان جو ٹرکی میں ہیں۔ سمجھنے لگ گئے ہیں۔ کہ موجودہ سلطان اصل میں کیا ہے۔ مگر جو مسلمان ٹرکی سے باہر ہیں۔ وہ اسکی محبت اور عقیدت میں از بس سرشار ہیں۔

ایک انگریز جسکو مشرق کا بڑا تجربہ حاصل ہے اور جو پرنس آف ویلز کیساتھ نو آبادیوں کے دورہ پر گیا تھا۔ اُس نے ایک دفعہ مجھ سے کہا "وہ جتنا تم ٹرکی سے دور ہٹتے جاؤ۔ اتنا ہی پیروانِ اسلام میں سلطان کا اقتدار زیادہ پاتے جاؤ گے۔"

اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے سلطان اپنے خلافت کے اختیارات کو کس طرح برتتا ہے۔ اسکی بحث کے ضمن میں خلافت اور اسلامی دنیا پر خلیفہ کے اقتدار پر بحث کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ برطانیہ اعظم کے زیرِ نگیں بہت سے مسلمان ہیں۔ بعض معتبر اشخاص کہتے ہیں۔ کہ انگلستان کی مسلمان رعایا ٹرکی کی مسلمان رعایا سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ مطلب یہ کہ برطانیہ اعظم کی مشرقی سلطنت کے مسلمان کسی دن مشرق سے متعلق انگریزی پالیسی پر بڑا اثر کر کے رہے گی۔ آجکل سلطان ٹرکی اور اُن انگریز حکام میں جو اسلامی دنیا پر اپنے ملک کا اقتدار اور رعب قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ رقابت کے آثار ہویدا ہیں یہ اس رقابت کی ہی وجہ ہے۔ کہ بعض انگریز اہلِ قلم اور پولیٹشن سلطان کے مذہبی اقتدار کو اصل سے کم بتانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور بعض تو ایسے بڑھ نکلے ہیں۔ کہ سرے سے عثمانی خلافت سے ہی انکار کر جاتے ہیں۔ اس بات میں کوئی کلام ہی نہیں کہ موجودہ سلطان خلیفہ ہونے کے قابل نہیں۔ مگر تختِ عثمانیہ

کے قابض کے دعاوی خلافت اُن کے کیرکٹر سے بالکل الگ ہیں۔ اور یہ دعاوی ہر طرف سے مسلّم الثبوت ہیں۔ چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں۔

وہ شخص جو ان دعاوی کے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ یا سُنّی مسلمانوں پر سلطان کے مذہبی اقتدار کو کم کرنا چاہتے ہیں۔ آئے دن ٹرکی پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ شورش آرمینا کے وقت تھی غالباً اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انگریزی مسلمان رعایا اور ٹرکی میں پھوٹ ڈال دیں اور میرا خیال ہے کہ اُن کی اس پالیسی کا بالکل اُلٹا اثر پڑتا ہے۔ برطانیہ اعظم کی مسلمان رعایا میں انگریزی زبان کی اشاعت عام طور پر ہو رہی ہے۔ لیکن جب وہ اُن بہت سے مخالفانہ خیالات کو پڑھتے یا سُنتے ہیں۔ جو انگلستان میں عثمانی خلافت کے برخلاف یا تقریروں میں ظاہر کئے جاتے ہیں۔ یا تحریروں میں۔ تو وہ انگریزوں سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ اور سخت برافروختہ ہوتے ہیں۔ جتنی اس ملک میں مخالفت کی جاتی ہے۔ اُتنی ہی مسلمانوں کی محبّت عثمانی خلافت سے بڑھتی جاتی ہے۔

ان کے خیالات میں جو تغیر واقع ہو رہا ہے۔ وہ آج کل پوشیدہ ہے اور مشرق کے کسی حصّہ کی پیچیدگیوں اور اُلجھنوں میں انگلستان کے لئے مفید ثابت نہ ہوگا۔ بہت سی یورپین طاقتیں اُس سے فائدہ اُٹھا سکتی اور انگریزی گورنمنٹ کے اغراض و مقاصد کے برخلاف اُس سے کام لے سکتی ہیں۔ قیصر جرمنی نے دمشق میں جو تقریر کی تھی۔ وہ بہت سے آدمیوں کو ابھی تک یاد ہوگی۔ اُس نے کہا تھا وہ دُنیا کی چار و چہد میں تیس کروڑ مسلمانوں کے خلیفہ کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہوگا۔ اُسکی غرض صرف یہی تھی۔ کہ مشرق میں اس کے ملک کا اقتدار بڑھے۔ ایک دفعہ ایک روسی نے مجھے کہا۔ کہ کوئین وکٹوریہ کے عہد میں برطانیہ اعظم نے چھوٹے بڑے پچاس جنگ کئے۔ اور قریباً سارے کے سارے ایشیا اور افریقہ کے مختلف حصص میں مسلمانوں کی آبادی ملیامیٹ کرنے اور اُنکی مملکتیں چھیننے کے لئے۔ قیاس غالب ہو کہ اُس نے دیگر مسلمانوں اور میرے ہموطنوں سے بھی یہ بات کہی ہوگی۔ تاکہ اس بات کی اشاعت ہو۔ کہ انگلستان اسلام کا بدترین

دشمن ہے۔
جب بعض آدمی لارڈ سالسبری پر آرمینیا کی بہالیوں کیطرف جنگی بیڑہ جہازات بھیجنے کے لئے زور دیرہے تھے۔ کہ آرمینیوں کا بدلہ لیں۔ اسوقت ایک لارڈ نے مجھے کہا "اگر ٹرکی ہماری مسلمان رعایا کے جوش کو بھڑکا ہی دے۔ تو وہ کیا کرسکتے ہیں۔؟" پھر نہایت مدبرانہ انداز سے کہنے لگا "ہم اُن کو ہر جگہ اور ہر وقت ٹھنڈا کرکے بٹھال سکتے ہیں۔" ہاں۔ ہم سب جانتے ہیں۔ کہ مشرق میں انگلستان بڑا زبردست اور طاقت ور ہے۔ اور ہم تعریف کرتے ہیں۔ کہ اپنے ملک کے اغراض کی حفاظت ایک انگریز نہایت مستعدی اور دانائی سے کرتا ہے۔ مگر تاریخ میں کئی ایک ایسی مثالیں موجود ہیں۔ کہ چھوٹی چھوٹی اور کمزور قوموں نے بڑی بڑی سلطنتوں کو وہ ہاتھ دکھائے ہیں۔ کہ صفحہ ہستی سے ان کے وجود مٹادئے ہیں اگر بدقسمتی سے مسلمانوں کو جنگ کا تہیہ کرنا ہی پڑا۔ تو وہ ہمیشہ نیزوں بھالوں اور زمانہ وسطی کے ہتھیاروں سے ہی لڑتے جائیں گے۔ اونکا پائمال کرنا یا مطیع و فرمانبردار بنالینا کوئی خالہ جی کا گھر نہیں۔ اور نہ ہی جیسا کہ پادری کہتے ہیں مسلمان بتدریج عیسائی بنائے جاکر رام و مطیع ہوسکتے ہیں۔ پادریوں کے اس بیان میں صداقت کا شمہ تک نہیں۔ یہ محض اون کی یاوہ گوئی اور خام خیالی ہے اور واقعات سے بیخبری کی دلیل ہے۔ یہ کروڑہا مسلمان اسیطرح موجود و قایم رہیں گے۔ ایک دن وہ ضرور بالضرور بیدار ہوں گے۔ اور جنگ کی موجودہ آلات کا استعمال کریں گے۔ میں نہیں خیال کرتا۔ کہ برطانیہ اعظم کی مسلمان رعایا کو بھڑکا کر انگریزوں سے عداوت کرنا ٹرکی کے حق میں مفید ہے۔ اور مجھے یقین ہے جب موجودہ عہد کا خاتمہ ہوجائے گا۔ ٹرکی میں کا ہر فرد انگریزی اقتدار کے از سر نو قایم ہوجانے سے خوش ہوگا۔ لہذا اسبات کی کوئی وجہ نہیں۔ کہ بعض انگریز عثمانی خلافت کے برخلاف رقیبانہ انداز اختیار کریں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی نسل کے انگریز مدبر موجودہ نسل کے انگریز مدبروں سے زیادہ دانا تھے کیونکہ خلافت کے رسوخ و اقتدار سے اپنے ملک کو فائدہ پہونچاتے تھے۔ بطور مثال۔ ہندوستان کی فتوحات کے ابتدائی زمانہ میں انگریزی

سفیر متعینہ دربار قسطنطنیہ نے باب العالی سے درخواست کی تھی کہ وہ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے آگے انگریزوں کی سفارش کرے۔ پولیٹیکل پہلو چھوڑ کر اب میں عثمانی خلافت پر مذہبی پہلو سے بحث کرتا ہوں۔ اس مضمون پر طبع آزمائی کرتے ہوئے۔ بعض انگریز وقائع نگاروں نے ایسے الفاظ لکھے ہیں جیسے کہ وہ مسلمانوں کی سرداری سے متعلق سلطان روم کے جھوٹے دعوے جب تک مسلمانوں کی کثرت تعداد اس خلافت کو مانتی ہے۔ میں نہیں جانتا۔ ان بیرونی متعصبین کو اس خلافت پر اعتراض کرنے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ اکثر یہ حجت پیش کیجاتی ہے۔ کہ شیعہ مسلمان خلافت عثمانی کو کیوں نہیں مانتے مگر یاد رہے۔ ایسے آثار پیدا ہو گئے ہیں۔ کہ وہ بھی دیر سے یا جلد ہی اگر مذہبی حیثیت کی بنا پر نہیں تو پولیٹیکل اغراض کے لحاظ سے ہی ضرور بالضرور اس خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔ کیونکہ اسلامی دنیا کی رہی سہی آزادی بھی اب خطرہ میں ہے اور اس خطرہ کو سُنی اور شیعہ دونوں فرقوں کے مسلمان محسوس کر رہے ہیں عثمانی خلافت کے برخلاف دیگر دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خلیفہ قبیلہ قریش اور رسول مقبول کی براہ راست نسل میں سے ہونا چاہیئے۔ اور یہ کہ عثمانی سلطان قریشی نہیں ہیں۔ ممکن ہے اس دلیل میں کوئی اس قسم کی دلیل پیش کیجاتی ہو۔ جو ان وضعی حدیثوں میں سے ہو جو آنجناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مختلف لوگوں نے خود ہی بنا لی تھیں۔ اور یہ کبھی ممکن ہی نہیں کہ رسول مقبول جیسا منصف مزاج مقنن ایسا قانون بناتا۔ کہ آنجناب کی اولاد سوائے اُمت میں سے کوئی بھی خلیفہ نہ ہو سکے آنجناب کی تعلیم بموجب سب مسلمان آپس میں مساوات کے درجہ پر ہیں اور اپنے سارے پیرووں کو بلا تمیز قوم و رنگ اُمتی کر کے پکارتے تھے لہذا خلیفہ کے لئے رسول کی نسل سے ہونا ضروری نہیں۔ علاوہ ازیں رسول مقبول کا فرزند نرینہ کوئی نہ تھا۔ اور اسلامی شرع کے مطابق وراثت کا حق لڑکی کو نہیں ملتا۔ اور یہ کہ خلیفہ دنیاوی سردار ہوتا ہے۔ نہ کہ مذہبی پیشوا۔

عثمانی خلافت کی تائید میں دوسری بڑی دلیل یہ ہے کہ عثمانی سلطان مدت سے خلیفہ کہلاتے ہیں۔ پہلے پہل خلیفہ کا لقب ۱۵۱۷ء میں فتح مصر کے دوران میں سلطان سلیم نے اختیار کیا تھا۔ جبکہ حجاز کے ایک وفد نے حرمین شریفین کی کنجیاں اس کے حوالہ کیں۔ اور اسکو اپنا خلیفہ تسلیم کیا۔ اُس وقت سے لیکر آجتک بغیر کسی وقفہ کے عثمانی سلطان اس لقب سے معزز و مفتخر ہوتے آرہے ہیں۔ اور رسول خدا کے علم کے محافظ رہے ہیں۔ اسوقت سے کلیۂ مدینہ دولت عثمانیہ کا ایک ضروری جزو ہو گیا ہے۔

ایک خلیفہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ آزاد حکمران ہو۔ اور نیز حرمین الشریفین بھی اسکی نگرانی میں ہوں۔ یہ ایک خام خیالی ہے کہ ایک غیر مذہب سلطنت کی زیر حمایت ایک عرب خلیفہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ ایسی لغو خیالات محض ٹرکی سے عداوت رکھنے کی وجہ سے بعض اشخاص ظاہر کرتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ "انگریزی راج سے بڑھ کر کوئی بہتر خلیفہ نہیں ہو سکتا" مسلمانوں کو برٹش راج کی خلافت منوانا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ اس ملک کو مشرف بہ اسلام کرنا۔ اگر انگریز فی الواقعہ اسلامی دنیا میں اپنا اقتدار و رسوخ بڑھانے کے خواہشمند ہیں۔ تو اُن کو عثمانی خلافت پر حملے نہ کرنے چاہئیں۔ بلکہ اُس کے اقتدار سے فائدہ اُٹھانا چاہئے۔ یہ رائے جو میں نے دی ہے۔ ایک مسلمان کو دوستانہ رائے معلوم نہ ہوگی۔ کیونکہ مسلمانوں کا عام رجحان موجودہ خلافت کی پوزیشن کو مضبوط کرنے کا ہے۔ یہ رجحان اس تیزی سے بڑھ رہا ہے کہ بر اعظم کے اخبارات کو یقین ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ پان اسلامک تحریک کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ دنیا میں ایسی تحریک کا وجود تک نہیں۔

تیرہواں باب

ایشیائے کوچک کا آخری پیرا

محل کے جاسوسوں کی مجھ پر نظر۔ اُن کے ڈر سے کچھ عرصہ کے لئے میرا

قسطنطنیہ چھوڑنا۔ انگلستان اور اناطولین ریلوے۔ ایک مکار گورنر۔ ایشیائے کوچک میں حکومت کا تغیر۔ لوگوں کے ایک جا جمع ہونے میں رکاوٹیں۔ شادی ضیافتوں میں تخفیف۔ جبریہ کی جنگی مشق۔ تیسری روانگی انگلستان پر میری ماں کے اعتراضات۔ میرا جھوٹ بولنا۔

اسوقت میں ان یورپینوں کا کام کر کے جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے اچھی روزی کما لیتا تھا۔ میں نے اپنی سہولت کے لئے دارالخلافہ کے یورپین کوارٹر پیرا میں رہنے کا ارادہ کیا۔ مگر پیرا میں اجانب کے درمیان رہنے سے محلے کے چند اشخاص مجھ سے بدظن ہو کر میری نگرانی کرنے لگے۔

مجھے شک پیدا ہوا۔ کہ چند پُراسرار اشخاص میری حرکات پر خیال رکھتے ہیں۔ اور سایہ کی طرح میرے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ تاہم یہ میرا شک تھا یقین نہ تھا۔ میں نے اخبار ٹائمز کے سابقہ نامہ نگار اپنے انگریز دوست کو کہا۔ کہ مجھے ڈر ہے۔ کہ جاسوس میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور مناسب ہے کہ انگلستان جانے کا میرا ارادہ پورا کر دوں۔ اُس نے مجھ سے اتفاق کیا۔ کہ ترکی سے چلا جانا ہی بہتر ہے۔ مگر ساتھ ہی مجھکو ہدایت کی۔ کہ کام چھوڑنے۔ ملک میں تمام امیدوں سے ہاتھ دہونے اور غیر ملک میں جہاں پہلے سے کوئی واقفیت نہیں۔ جانے سے پیشتر معاش کا کوئی ذریعہ پیدا کر لینا لازم بلکہ الزم ہے۔ مگر میرے دل میں یہ وسواس پیدا ہو گیا ہے کہ میں جلد یا دیر سے موجودہ ظلم کا شکار ہو کر شہیدان ظلم و جفا کی فہرست میں داخل ہونے والا ہوں۔ خوش قسمتی سے موسم گرما کی تعطیلیں آگئیں۔ اور میں نے کچھ عرصہ کے لئے قسطنطنیہ سے چلا جانا ضروری سمجھا۔ میرے انگریز دوست نے نئی تعمیر شدہ اناطولین ریلوے کے ڈائرکٹر سے میری سفارش کی۔ اور اُس نے مجھے انگورا تک اوّل درجہ کی گاڑی کا ٹکٹ مفت دیدیا۔ یہ ٹکٹ میں نے چند سالوں سے نہیں دیکھا تھا۔ چند دن بعد قسطنطنیہ کے گہاٹ گذر کر ایشیائی ساحل پر پہونچا۔ اور حیدر پاشا کی سرحد پر اُس گاڑی میں سوار ہوا۔ جو مجھے فی الفور ایشیائے کوچک کے وسط میں لے گئی۔ حیدر پاشا اور انگورا کے درمیان لنڈن اور گلاسگو کے درمیان فاصلہ

سے کمتر فاصلہ ہے۔ تاہم ڈاک گاڑی اس فاصلہ کو دو دن میں طے کرتی ہے۔ جرمنی ریلوے کمپنی مسافروں کو زیادہ آرام نہیں دیتی۔ اور بغداد کو جانے والی کمپنی کے کسٹم افسر اور انسپکٹر سفر میں مختلف مقامات پر مسافروں کے اسباب کی تلاشی لینے میں سخت تکلیف دیتے ہیں۔ نصف مسافت طے کرنے کے بعد شام کے وقت گاڑی ٹھہر جاتی ہے۔ اور رات کو نہیں چلتی۔ یہاں مسافروں کا اندرونی پاسپورٹ دیکھا جاتا ہے اور اور خود اس پر بھی کئی سوالات کئے جاتے ہیں۔ پہلے دارالخلافہ میں۔ پھر پہلی رات کو۔ اور آخری دوسری رات کو۔ جبکہ وہ منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔

جب اناطولین ریلوے لائن پہلے پہل انگورا تک تیار ہوئی۔ تو اس ملک کے لوگوں کا خیال تھا۔ کہ انگورا ابھی تیسری لائن کا ایک اسٹیشن ہوگا۔ جو دارالخلافہ سے لے کر ساحل خلیج فارس تک بننی تجویز ہوئی ہے۔ مگر یہ خیال ٹھیک نہ نکلا۔ کیونکہ تیسری لائن عسکی شہر پر جو انگورا اور دارالخلافہ کے درمیان واقع ہے۔ جنوب کی سمت پھر کر قونیہ کی طرف بڑھتی ہے۔

کوئی شک نہیں۔ یہ بات بہت سے لوگوں کو یاد ہوگی۔ کہ یورپ اور نزدیک مشرقی ہندوستان کے درمیان آمد و رفت ریلوے لائن تعمیر کرنے کی تجویز سب سے پہلے پیش کی تھی۔ مگر اس تجویز میں کامیابی نہ ہوئی۔ جرمنی جو انگریزوں کی جگہ روم میں پولیٹیکل و تجارتی فوائد حاصل کر رہے ہیں۔ آگے بڑھے۔ اور اسی کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور اب وہ اس ریلوے لائن پر اقتدار حاصل کر رہے ہیں۔ جو انگریزوں کے لئے ہندوستان کا ضروری راستہ ہے۔ میں نہیں جانتا۔ اس لائن کا جرمنی قبضہ انگلستان کے لئے واقعی مضر ہے یا نہیں۔ مگر اس لائن کا انگریزی کمپنی کے ہاتھ میں نہ ہونا میرے ہم ملکوں کے لئے ضرور نقصان دہ ہے۔ کیونکہ انگریزوں کے ساتھ معاملہ کرنے سے طرفین کا فائدہ ہوتا ہے۔ مگر جرمنی جو یورپ میں سب سے زیادہ حریص ہیں مطلب کے یار ہیں۔ اُن سے ٹرکی کو فائدہ پہونچنے کی توقع نہیں ہو سکتی۔ وہ تو ایسے ہیں۔ کہ چرسی یار کس کے سوٹا لگایا کھسکے۔

میری روانگی کی دوسری تاریخ کو غروب آفتاب کے وقت گاڑی انگورا پہونچی۔ میں نے اپنی گاڑی کی کھڑکی سے دیکھا۔ کہ شہر کے کچے مکان اور پرانے قلعہ

کی دیواریں سفید رنگ کا جامہ پہنکر خوب چمک دمک دکھلا رہی ہیں۔ پہلے میں نے خیال کیا۔ چونکہ ریلوے لائن بن گئی ہے۔ لوگ متمول اور خوشحال ہوگئے ہونگے یہ مکان اُنہوں نے نئے بنوائے ہونگے۔ مگر مجھے اپنے خیال کی غلطی جلد ہی معلوم ہوگئی۔ اصل بات یہ تھی۔ کہ ریلوے کے باضابطہ افتتاح سے پہلے گورنر جنرل نے میونسپل حکام کو قلعہ اور شہریوں کو اپنے مکان سفید کرنے کا حکم دیا تھا۔ تاکہ یورپین سیاح اور ریلوے کمشنر جو انگورا میں آئیں یہ خیال کریں کہ شہر متمول اور خوشحال ہے۔ کوئی شک نہیں۔ گورنر نے یہ سبق آلبرٹ کوشنک سے سیکھا ہوگا۔ جس نے قیصر کی پہلی رونق افروزی کے وقت قسطنطنیہ کے برباد حصّوں کو اسیطرح سفید کردیا تھا۔ مجھے اسبات سے سخت حیرانی ہوئی۔ کہ قلعہ کے پرانے پتھر خراب سفیدی کرنے سے بدنما ہوگئے۔

اس گورنر کا نام عابدین پاشا تھا۔ اور وہ آجکل ٹرکی کے زیرنگیں مجمع الجزائر کا والی ہے۔ وہ البانوی الاصل ہے اور وینسٹر میں تعلیم پائی ہے۔ وہ قدیم یونانی میں نظمیں لکھ سکتا ہے۔ اور بڑا ماہر زباندان اور عالم سمجھا جاتا ہے۔ وہ چند سالوں تک انگورا کا گورنر رہا ہے۔ مگر اس نے صوبہ کی حالت درست کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ اگر ایسا شخص کسی اور ملک میں ہوتا۔ تو کسی کالج میں پروفیسر بنادیا جاتا مگر ذمہ داری کے اعلےٰ عہدہ پر کبھی بھی مامور نہ کیا جاتا۔ ٹرکی ایسے خیالی عالموں کے ذریعہ مفید مطلب اصلاحیں نافذ نہیں کراسکتی۔ خیر یہ تو پھر بھی عالم ہے۔ مگر اُن نالایق اور جاہل افسروں سے کیا توقع ہوسکتی ہے۔ جن کو ابھی تک محل کی پارٹی صوبوں کی گورنری پر مامور کررہی ہے۔

میں اب چند سالوں کے بعد الشیائے کوچک میں آیا تھا۔ میری غیر حاضری میں کئی تغیرات عظیم واقع ہوچکے تھے۔ ایک تو یہ تھا کہ سنٹرل گورنمنٹ نے نا عاقبت اندیش افسر مقرر کرکے صوبہ کے لوگوں کو خواہ مخواہ زیر بار کر رکھا تھا۔ بطور مثال انگورا میں کوئی بھی قطعہ زمین ایسا نہیں۔ کہ اُسپر جنگل کا لفظ صادق آسکے۔ تاہم ایک محکمہ جنگلات قائم کردیا۔ اور کوئی ڈائرکٹر۔ سب ڈائرکٹر۔ اور ماتحت افسر مقرر کرکے بھیجدیئے۔ اس محکمہ کے اخراجات چلانے کے لیئے باشندوں پر محصول لگائے

اور کئی خلافِ مصلحت قانون بنا کر رائج کر دیئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ محض یورپ کو دکھانے کے لیے۔ کہ اصلاحیں نافذ کی جا رہی ہیں۔ سلطان کی گورنمنٹ نے منجملہ دیگر ضابطوں کے جنگلات کے انتظام سے متعلق فرانس کا ضابطہ سلطنت میں رائج کیا ہے۔ قسطنطنیہ میں ایک نیا ڈیپارٹمنٹ قائم کر دیا ہے۔ اس پارلیمنٹ نے ولایتوں اور سنجم حصوں میں اپنی شاخیں قائم کی ہیں۔ اور بہت سے محل کے آوردہ افسران جنگلات مقرر کئے ہیں۔ اور اس بات کا کوئی خیال نہیں کیا گیا۔ کہ جہاں افسر بھیجے جا رہے ہیں۔ آیا وہاں کوئی جنگل بھی ہے یا نہیں۔

صوبجات کی گورنمنٹوں میں مقامی افتا اور مشورہ کو ملیامیٹ کرنے کے لیے قصبوں کی انتظامی کونسلوں کے اجلاس میں ہر مذہب و ملت کے مسلم و غیر مسلم رئیسوں اور مذہبی پیشواؤں کو جو جو کی تعداد میں سلطانی افسروں کے ساتھ ملکر انتظامی معاملات پر بحث کرتے تھے شامل ہونے سے اسطرح روک دیا۔

ایسی رسومات کو کہ جن میں بہت سے لوگ جمع ہوں۔ دارالخلافہ کیطرح یا تو بند کر دیا گیا اور ان پر سخت قیود لگا دئیے۔ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جو شخص دغا باز ہے۔ وہ بزدل بھی ہے۔ اور عبد الحمید جس نے رعایا کو ناقابل تلافی نقصانات پہنچائے ہیں۔ ڈرتا ہے۔ کہ لوگوں کا انبوہ آپس میں متحد ہو کے کہیں اس کے برخلاف علم بغاوت بلند کر دے۔ میں یہاں اول ان دو باتوں کا ذکر کروں گا۔ کہ جن میں لوگوں کا بڑا مجمع ہوتا ہے۔

ایک تو شادی کے موقع پر بہت سے آدمی جمع ہوتے تھے اور دوسرے جنازہ کے موقع پر۔ اول الذکر میں انبوہ کو کم کرنے کے وجوہات بتلائے گئے۔ کہ اس موقع پر لوگ بیدریغ روپیہ خرچ کر کے ارمنوں یا دیگر ساہوکاروں کے پنجہ میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر غریب نتیجہ ان کی نذر کر بیٹھتے ہیں۔ سلطان کی اس حماقت کو پدرانہ شفقت پر محمول کیا جاتا ہے۔ فی الحقیقت بات یہی ہے۔ کہ ایشیائے کوچک میں صرف بیوی کرنے اور رکھنے سے چنداں اخراجات کا متحمل نہیں ہونا پڑتا۔ البتہ شادی کے موقع پر بڑی بڑی ضیافتیں دیکر بہت سا روپیہ لٹا دیتے ہیں۔ [illegible] جاننے سے [illegible] اور غریبوں کی بڑی بڑی پارٹیوں کو [illegible]

لنچ اور کھانے دئے جاتے ہیں۔ مکروں کے اندر ہارمونیم۔ ارگن وغیرہ بجائے جاتے ہیں۔ اور عجیب رنگ ڈھنگ کیا جاتا ہے۔ شہر کے بڑے بڑے بازاروں میں سے ایک بڑا جلوس دلہن اور اسکی سہیلیوں کے ساتھ جو بند تخت رواں بیٹھی ہوتی ہیں گذرتا ہے۔ رات کے وقت آتشبازی چھوڑی جاتی ہے۔ اور مشعلوں کی روشنی کیجاتی ہے۔ دن کے وقت شہر کے پہلوانوں کی کشتی کرائی جاتی ہے۔ کشتی ترکی میں قدیم سے مروج ہے۔ جوان اور بالغ آدمیوں کے علاوہ صوبوں میں تمام طالب علم ہی کشتی کی مشق کرتے ہیں۔ اس سے جسم کو بڑی طاقت حاصل ہوتی ہے۔ اور صوبوں کے ترک اسکی بدولت خوب سڈول گٹھے رہتے ہیں) دلہن کے جلوس اور دیگر موقعوں پر دف اور ڈھول زور زور سے بجائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نفری یا بین پھونکی جاتی ہے۔ بین غریب طبقہ کے لوگوں اور کاشتکاروں میں بڑی پسند کیجاتی ہے۔ اور حقیقت میں یہی باجہ ہے جو ان کو میسر آتا ہے۔

جرید ایک پرانی قومی رسم ہے۔ اس کو دیکھنے کے لئے بہت آدمی جمع ہوتے تھے۔ اسکو بھی بند کر دیا گیا۔ جرید کا فن ایشیائے روم کے ہر شہر میں مروج تھا جمعہ کے روز سہ پہر کے وقت خطبہ ختم ہو چکنے کے بعد لوگ چند موٹی اور لمبی چھڑیوں سے مسلح اور گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر کے باہر جاتے تھے۔ جرید کا کھیل صرف مضبوط اور توانا آدمی کا کام ہے۔ اہل جرید کے لئے دو چیزیں انہیں ضروری ولازمی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اعلےٰ درجہ کے شہسوار ہوں۔ دوسرے یہ کہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اپنی چھڑیوں کو بالکل سیدھا پھینک سکیں۔ دونوں طرف بیس بیس آدمی کے قریب ہوتے ہیں۔ اور وہ پچاس گز کے فاصلہ پر کھڑے ہوتے ہیں تماشائی بلند جگہوں پر جہاں کہ مشغول شہسواروں کے گھوڑوں کی جھپٹ میں آنے کا خوف نہیں ہو سکتا کھڑے ہو کر مقابلہ دیکھتے ہیں۔ کھیل کا آغاز ایک شخص کرتا ہے جو ایکطرف سے گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ اور اپنی ایک چھڑی اپنے ایک حریف کیطرف پھینکتا ہے۔ اس کے چھڑی پھینکنے کی دیر ہوتی ہے۔ کہ اوسکا تعاقب شروع ہو جاتا ہے۔ تعاقب کنندے بھی اپنی باری چھڑیاں پھینکتے ہیں۔ اور اسیطرح کھیل جاری رہتا ہے۔ کسی قسم کا فساد یا بے ایمانی کرنی روا نہیں۔ اور ہر شخص اپنی

باری پر بہادرانہ اور دلیرانہ کھیلتا ہے۔ چھڑیاں حریف کے سر پر دیدہ و دانستہ نہیں پھینکنی چاہئیں۔ کھیلنے والوں کو اختیار ہے کہ جس طرح مناسب سمجھیں اپنے آپکو چھڑیوں کی زد سے بچائیں۔ اور زد سے بچنے کے لئے وہ عجیب عجیب کرتب کرتے ہیں۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے ہوتے ہیں۔ لیکن وہ کبھی تو گھوڑے کی گردن کیطرف کبھی پیٹ کیطرف عجب انداز سے جھک جاتے ہیں۔

جو شخص تمام چھڑیاں پھینک چکا ہو۔ اُسکو اختیار ہے کہ زمین پر گری ہوئی چھڑیوں کو گھوڑا سرپٹ دوڑاتا ہوا یا تو جھک کر خود ہاتھ سے پکڑے یا اُس پالس سے جس کے آگے کانٹا لگا ہوتا ہے۔ بعض اوقات دو حریفوں کے گھوڑے آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ اور سوار دھم سے زمین پر گرتے ہیں۔ اور اکثر گھوڑوں کے سموں تلے آجاتے ہیں جس شخص کا گھوڑا تیز ہو۔ وہ اس کھیل میں بڑا افراکرتا ہے۔ حریف کی طرف چھڑی پھینککر وہ اپنی قطار کیطرف واپس نہیں بھاگتا۔ بلکہ کھلے میدان کیطرف ہوا کیطرح اُڑ جاتا ہے۔ بعض حریف اُسکا میدان کے سرے تک تعاقب کرتے ہیں۔ یا تو پکڑا گیا۔ یا بچ رہا۔

جب میں اس دفعہ آیا۔ یہ کھیل واقع نہ ہوا تھا کیونکہ سخت حادثات وقوع میں آئے اور بہت سی جانیں تلف ہوئیں۔ لہذا مہربان گورنمنٹ نے اس کو بند ہی کر دیا۔ اس واقعہ سے مجھے سخت رنج ہوا۔ اور میں نے گورنمنٹ پر کھلم کھلا نکتہ چینیاں کیں۔ یہ دیکھکر میرے ایک رشتہ دار نے مجھے ایک قدیم ضرب المثل یاد کرائی۔ کہ ہر ایک شخص کی سلامتی اسی میں ہے کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔ مزید برآں اُس نے کہا کہ بد زبانہ مخالف ہے۔ اگر تم حزم و احتیاط سے کام نہ لوگے تو...... جان لو میں اُسکا اشارہ سمجھ گیا۔ اُسکا مطلب تھا کہ اگر موجودہ حکومت پر نکتہ چینی کرو گے۔ تو یا تو زنداں میں ڈالے جاؤ گے یا جلا وطن کئے جاؤ گے۔ میں ... اناطولیہ کو بہت میں زیادہ نہ ٹھیرا۔ اپنے معاملات درست کرکے اور اسباب باندھ کر قسطنطنیہ کی طرف واپس آگیا۔ کیونکہ یہاں سے ایک آدمی سڑک سے زیادہ تر آسانی سے بھاگ سکتا ہے۔ ہم میں خواہ کوئی کتنی ہی عمر کا کیوں نہ ہو۔ امیر والدین کی تابعداری فرض ہے۔ اور جب وہ کوئی جانبازی کا کام کرنے لگے تو اُن کی اجازت حاصل کرنی ازبس ضروری ہے۔ پس میں نے اپنے انگلستان

جانے کا ارادہ اپنی ماں سے ظاہر کر دیا۔ وہ غریب مسلمان خاتون سراپا ارادہ سن کر کانپ اُٹھی۔ اور مجھ سے اس قسم کے سوال کرنے لگی۔ وہاں تمہاری خبرگیری کون کریگا اگر اس دوران ملک میں خدانخواستہ آج سے دور تم بیمار ہو جاؤ۔ تو تیمارداری کون کرے گا۔ اگر خدانخواستہ کوئی ہرج مرج ہو جائے۔ تو دفن کفن کا فکر کس کو ہوگا کیا تم اسبات کو پسند کرو گے کہ کافروں کی رسومات کے مطابق تم سپرد خاک کئے جاؤ؟ شاید اُسکو یہ خیال پیدا ہوا۔ ان مصیبتوں سے بڑھ کر ایک اور مصیبت ہے۔ یعنی غیر ملک میں افلاس کے پنجہ میں گرفتار ہونا۔ یہی خیال تھا جو مجھے سخت بے چین کر رہا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ جو شخص سلطان کی منظوری حاصل کئے بغیر اسکی عملداری سے جاتا ہے۔ اسپر ترکی کے وسائل کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

پس جب میں قسطنطنیہ کیطرف روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ میری ماں نے سخت منتیں کیں۔ کہ یہ ولایت جانے کا خیال ترک کر دو۔ میں نے اسکو تسلی دینے کے لئے گول مول سے وعدے کر دیئے۔

چودھواں باب

پبلک حمام میں ایک جاسوس

ٹرکی ہم۔ اس کے چند سوالات۔ قسطنطنیہ میں حماموں کی کثرت۔ زنانہ حمام اور ایک ضرب المثل۔ حمام میں الوننگ پارٹیاں۔ یعنی تمام کو چند اشخاص کا مل کر بیٹھنا۔ حمام میں ایک جاسوس سے میری مڈبھیڑ۔ میرے متعلق اس کی کامل آگاہی۔ میرا ڈر جانا۔ فرار ہونے میں ایک انگریز سے مدد لینے کی التجا۔ مقصود ملک۔

جب میں قسطنطنیہ واپس آیا۔ تو میں نے کم و بیش گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ محل کے جاسوسوں کے نشانہ سے بچنے کا ایک یہی ممکن ذریعہ ہو سکتا تھا۔ ایک سال بغیر کسی نئے خوف اور ڈر کے گزر گیا۔ اور اس اثنا میں ملک

سے روانہ ہونے کا کوئی ایسا موقع ہاتھ نہ آیا۔ میں نے یہ خیال کیا ہی تھا کہ میری عزم واحتیاط مجھ سے خواہ مخواہ ایک ایسا انقلاب کرنے والی تھی۔ کہ میری زندگی تلخ ہو جاتی۔ کہ ایک رات یہ معلوم کر کے کہ واقعی ایک جاسوس میرے پیچھے لگا ہوا ہے کانپ اٹھا۔ مجھے اس بات کا علم ایک ترکی حمام میں ہوا۔ مگر یہ بتانے سے پیشتر کہ کس طرح ہوا۔ میں اپنے حماموں کا ذکر کرتا ہوں۔

ترکی حمام انگلستان میں بہت پسند کئے جاتے ہیں۔ اور شاید اس کتاب کے ناظرین میں سے چند اشخاص اُن کے حالات سے بھی واقف ہوں۔ کیا ترکی میں ترکی حمام معلوم ہے۔؟ یہ عجیب سوال اکثر انگریز اُن سیاحوں سے کرتے ہیں۔ جو بلادِ مشرق کی طرف سے آتے ہیں۔ یہ سچ ہے۔ کہ انگلستان میں ترکی حماموں اور ترکی کے حماموں کی ظاہر صورت اور انتظام میں چنداں مشابہت نہیں ہے۔ باہر سے حمام ایک گنبد دار مکان کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ اسکی چھت پر بہت سے چھوٹے چھوٹے گنبد اور مینار ہوتے ہیں۔ جو گنبد وسط میں ہوتا ہے سب سے بڑا ہوتا ہے۔ اندر حمام میں روشنی کرنے کی غرض سے اُس میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بنی ہوتی ہیں۔ حمام کی دیواروں میں کوئی کھڑکی نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ خیال عام ہے کہ اگر دیواروں میں دریچے لگائے جائیں۔ تو باہر کی ہوا اندر داخل ہو جاوے گی۔ اور اُس درجہ حرارت میں فرق ڈال دے گی۔ جو اندر کی ہوا میں رکھنا منظور ہے۔ چونکہ تازہ ہوا اندر بہت کم داخل ہوتی ہے۔ اندر کی ہوا کثیف ہو جاتی ہے۔ اور تازہ ہوا صرف اُسی وقت داخل ہو سکتی ہے۔ جب آنے جانے والے راستوں کے ڈیل روازے کھولتے ہیں۔ ہوا کو صاف کرنے کے لئے ملازمان حمام لوبان اور دیگر خوشبوئیں پھینکتے رہتے ہیں۔ وسطی گنبد کے نیچے جو گرم کمرہ ہوتا ہے۔ اُس میں تین بڑے بڑے طاق اور پہلوؤں پر ایک سامنے کی طرف اور دو چھوٹے چھوٹے خانے ہوتے ہیں۔ اُن طاقوں اور خانوں کی چھتیں نیم گنبدی ہوتی ہیں۔ اور اُن میں شیشے لگے سوراخ ہوتے ہیں۔ یہ چھتیں درمیانی گنبد کی چھت تک پہنچتی ہیں۔ حمام کی قامت کے مطابق اُن طاقوں اور خانوں میں ایک دو یا تین حوض ہوتے ہیں ہر ایک حوض میں دو سوراخ ہوتے ہیں۔ ایک گرم پانی کے لئے۔ دوسرا سرد پانی

کے لئے۔ اِن حوضوں کے اِردگرد لوگ سنگ مرمر یا کاٹھ کی نشستوں پر بیٹھ کر جو پانچ یا چھ انچ بلند ہوتی ہیں۔ غسل کرتے ہیں۔ چھوٹے غسلخانے درخواست کرنے پر پرائیویٹ استعمال کرنے کے لئے مل سکتے ہیں۔ ان غسلخانوں میں سے ایک سخت گرم ہوتا ہے۔ اور گرم پانی کے حوض کی بغل میں بنا ہوتا ہے۔ بعض شخص اس گرم خانہ میں صرف اسی غرض سے نہیں جاتے۔ کہ کھل کر پسینہ آجائے۔ مگر سخت گرم پانی سے نہاتے بھی ہیں۔

درمیانی چھت کے نیچے گرم کمرہ میں دو فٹ بلند سنگ مرمر کی گول نشست بنی ہوتی ہے۔ غسل کرنے والا اس نشست پر نہانے سے پہلے بیٹھتا یا لیٹتا ہے اور جب تک کھل کر پسینہ نہ آجائے۔ اسی حالت میں رہتا ہے۔ جب وہ آرام سے بیٹھا ہوتا ہے۔ ایک خدمتگار آتا ہے۔ اور سخت دستانے پہنکر جو گھوڑوں کے بالوں کے بنے ہوتے ہیں۔ اُس کے جسم کو ملتا ہے۔ اس کے بعد نہانے والا ایک حوض کیطرف جاتا ہے۔ خدمت گار ایک بڑا آفتابہ اور صابون لئے اُس کے پیچھے جاتا ہے۔ پھر گرم اور سرد پانی کی ٹوٹیاں کھول کر جتنا پانی درکار ہو حوض میں ڈالتا ہے۔ نہانے والے کو صابون ملتا ہے۔ اور آفتابے میں پانی لیکر اُس پر ڈالتا ہے۔ بہت سے مسلمان غسل کرنے کے بعد بموجب حکم شرع بہتے ہوئے پانی سے وضو کرتے ہیں۔ جب سب کچھ ہو لیتا ہے۔ تو خدمت گار اپنے ہاتھوں سے بلند تالی بجاتا ہے۔ کہ داخلہ کے کمرہ میں سُنی جا سکے۔ آواز سُنکر ایک اور خدمتگار آتا ہے۔ اور تولئے سے صاحب غسل کا بدن پونچھتا ہے۔ پھر اُس پر ایک اور تولیہ ڈال کر بازو سے پکڑ کر واپس لاتا ہے۔ حمام میں ہر شخص کھڑاویں پہنکر چلتا ہے۔ تاکہ فرش پر ننگے پاؤں چلنے سے جس پر استعمال شدہ پانی پڑا ہوتا ہے وضو نہ ٹوٹ جائے۔ علاوہ بریں یہ بھی خیال ہوتا ہے۔ کہ کہیں مرمری فرش پر جو بڑا چکنا ہوتا ہے۔ پاؤں نہ پھسل جائے۔

گرم کمرہ اور داخلہ کے کمرہ کے درمیان ایک مربع کمرہ ہوتا ہے۔ جس میں چند بستر لگے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات خاصکر سردی کے موسم میں لوگ اِس کمرہ میں کپڑے اُتارتے اور نہانے کے بعد پہنتے ہیں۔ یہ کمرہ داخلہ کے کمرہ سے زیادہ گرم

ہوتا ہے۔ موخرالذکر سرد ہوتا ہے۔ اور اس کی ہوا بھی درمیانی کمرہ جتنی کثیف اور غلیظ نہیں ہوتی۔

داخلہ کا کمرہ بھی مربع شکل کا ہوتا ہے۔ اور اس میں چاروں طرف گیلریاں بنی ہوتی ہیں۔ جن میں بستر بچھے ہوتے ہیں۔ مہتمم حمام دروازے کے پاس بیٹھا حقہ پیا کرتا ہے۔ اور حمام میں ہر آنے والے اور جانے والے کو سلام کرتا ہے۔ کمرہ کے درمیان میں ایک فوارہ ہوتا ہے جس میں سے صاف اور سرد پانی اچھل کر سنگ مرمر کے بڑے حوض میں گرتا رہتا ہے۔ گرمی کے موسم میں گاہکوں کے لئے اس پانی میں تازہ پھل اور لیمونیڈ کی بوتلیں سرد کرنے کے لئے رکھی جاتی ہیں۔ پاس ہی ایک آدمی کافی گرم کرتا رہتا ہے۔ کوئی شخص دن میں جتنی دفعہ ہو سکے کافی کی ایک چھوٹی پیالی پی لے۔ بعض آدمی حمام میں دیر تک ٹھہرے رہتے ہیں اور کھانے کے وقت ملازمان حمام ان کیلئے رکابیوں سے معمولاً پاس کے نان بائیوں کی دوکان سے لاتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں۔

بھٹی جس میں سال بھر دن رات آگ جلتی رہتی ہے۔ حمام کے مکان کے پچھواڑے ہوتی ہے۔ یہ زمین دوز ہوتی ہے۔ اور لکڑی کے کئی کندے پاس پڑے ہوتے ہیں۔ جو کہ جلانے کے کام آتے ہیں۔ بھٹی پر ایک بڑا بائلر (لوہے کا ایک حمام جس میں پانی گرم ہوتا ہے) لگا ہوتا ہے۔ اس بائلر میں ایک طرف سے سرد پانی داخل ہوتا ہے اور گرم ہو کر دوسری طرف سے حوض میں گرتا ہے۔ کئی بے خانماں آدمی سردی کے موسم میں شب گذاری اس بھٹی پر کرتے ہیں۔ اور خشک لید جو لکڑیوں کے ساتھ ملا کر جلائی جاتی ہے۔ اور ڈھیروں کی ڈھیر بھٹی کے سامنے پڑی رہتی ہے۔ سو رہتے ہیں۔ ان غریب نوجوانوں کو گندی اور غلیظ جگہ پر لیٹے ہوئے دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ فائرمین (بھٹی کا مہتمم۔ یا آگ جلانے والا) ان لوگوں کو پناہ دینے میں تامل نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ ان سے بغیر اجرت دیئے بھٹی سے متعلق سخت سے سخت کام لے لیتا ہے۔

بعض شہر کی حمام ڈبل بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک حصہ عورتوں کے لئے مخصوص رہتا ہے۔ بعض جگہوں پر عورتیں ایک مقررہ دن پر حمام ان کے لئے

مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ حماموں میں غسل کرنے جاتی ہیں۔ بعض حمام سات بجے شام تک عورتوں کے لئے کھلے رہتے ہیں۔ اس کے بعد مردوں کے لئے۔ آمدنی اچھی معقول ہو جاتی ہے۔ ایک شخص ایک شلنگ آٹھ پنس دیکر مکمل غسل کر سکتا ہے۔ اور جتنا عرصہ چاہے۔ حمام میں ٹھہر سکتا ہے۔ جب رقم ادا کر کے وہ باہر آنے لگتا ہے مہتمم حمام اور دیگر ملازمان حمام اسکو مؤدبانہ جھک کر سلام کرتے ہیں۔ عورتیں بہت کم اجرت دیتی ہیں۔ اور ان کے اخراجات غسل چھ پنس سے نہیں بڑھتے۔

کیونکہ وہ سب اپنا صابون۔ اپنا تولیہ اور اپنی جرابیں ساتھ لاتی ہیں۔ اور ان کو صرف پانی کی اجرت اور خدمت گاروں کو ایک یا دو پنیاں دینی پڑتی ہیں۔ مردوں کی نسبت عورتیں حمام میں زیادہ جاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ تین تین چار چار سے بھی زیادہ تعداد میں اکٹھی ہو کر جاتیں اور اپنے بچوں کو ساتھ لاتی ہیں۔ آٹھ یا نو سال سے زیادہ عمر کے لڑکے زنانہ حماموں میں نہیں آسکتے۔ اور اس عمر سے چھوٹے لڑکے اگر لمبے قد کے ہوں تو حمام کی مہتمم جو سخت ناخواندہ بدمزاج ہوتی ہے۔ انکو دروازہ سے باہر دھکیل دیتی ہے۔ وہ ایسے لمبے لڑکوں کو اکثر کہتی ہے۔ وہ کہا تمہارا باپ بھی آرہا ہے۔ لڑکوں کی مائیں بہتیرا کہتی ہیں۔ کہ عمر اسکی چھوٹی ہے۔ ویسا ہی قد لمبا ہے۔ مگر وہ ہے کہ ایک نہیں سنتی۔

زنانہ حمام میں بڑی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ حوضوں میں جانے کے لئے اکثر لڑائی ہوتی ہے۔ شور و پکار اور لڑکوں کی چیخیں (جنکا اندر دم گھٹتا ہے اور باہر جانے کی کرتے ہیں) باہر سنائی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے مجمع سے متعلق جہاں بڑا شور و غل مچ رہا ہو۔ اور کئی اشخاص ایک ہی دفعہ بول رہے ہوں۔ ٹرکی میں ایک ضرب المثل مشہور ہو گئی ہے۔ کہ وہ یہ جگہ تو زنانہ حمام بن گئی ہے۔ جب عورتیں حمام میں جاتی ہیں تو دن بھر وہیں رہتی ہیں۔ اور جس دن وہ جائیں۔ غریب خاوندوں کو رات کا کھانا میسر نہیں آتا۔

مرد حماموں میں پندرہویں روز غسل مکمل کرتے ہیں۔ مگر وضو کرنے کے لئے عموماً آتے رہتے ہیں۔ اور سردیوں میں تو اکثر وہیں وضو کرتے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک

اس نے اپنے مسلمان ہمسایوں کو پانچ وقت کی نماز سے پہلے پانچ دفعہ ہاتھ۔ منہ اور پاؤں دھوتے اور اتنی ہی دفعہ حمام میں جاتے دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ اس نے اس بات کو مذہبی جوش پر محمول کیا۔ مگر جب وہ مصر کی طرف گیا اور وہاں غلیظ و گندے ملاح اور عرب دیکھے تو اس بات کے ماننے پر مجبور ہوا۔ کہ رسول صلعم وضو کا قاعدہ جاری رکھنے میں بالکل حق بجانب تھے۔

ترکی کے حمام بہت پرانے ہیں۔ اور چونکہ ترکی کے بہت سے قصبات میں کئی نسلوں سے مردم شماری میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ بہت ہی کم نئے حمام تعمیر ہوئے ہیں۔ آجکل ترکی کے ذی وجاہت آدمیوں کا کوئی ہی ایسا نیا مکان ہوگا جس میں ایک یا دو کمرے ترکی حمام کے لئے وقف نہ کئے ہوئے ہوں۔ مگر پھر بھی متمول آدمی پرانے حماموں کی کثیف و غلیظ تھا۔ اور ان میں کیڑے مکوڑوں کی کثرت کے باوجود ان میں غسل کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ پرائیویٹ مکانوں کے تمام کمرے گاہ گرم کئے جاتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کی حرارت ایک درجہ پر قائم نہیں رہتی یا تو وہ سخت گرم ہو جاتے ہیں۔ یا ایک حصہ اتنا گرم ہو جاتا ہے کہ دیواروں اور فرش کو چھونا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا بالکل سرد رہتا ہے۔ وہ اشخاص جو سردیوں میں ان حماموں میں نہاتے ہیں۔ اکثر زکام میں مبتلا ہو جایا کرتے ہیں۔

پرانے ترکی حماموں میں ایک نئی بات یہ اختراع کی گئی ہے۔ کہ اکثر لوگ گرم پانی سے نہانے کے بعد سرد پانی سے نہاتے ہیں۔ خواہ ترکی قاعدہ پرانے رومی حماموں کے نمونے پر بنائے گئے ہوں۔ خواہ ترکی کے بعض حمام یونانیوں کی یادگار ہیں۔ مگر اس میں کوئی کلام نہیں کہ ترکی کے بڑے بڑے شہروں میں تمام عمدہ اور اعلے حمام عثمانیوں نے چند صدیوں پیشتر بنائے تھے اور اگرچہ ان میں سے بعض اب پرائیویٹ اشخاص کے قبضہ تصرف میں ہیں۔ مگر ابتدا میں ان کی آمدنی کا ایک حصہ مسجدوں۔ سکولوں۔ اور دیگر مذہبی و خیراتی انسٹی ٹیوشن کے لئے وقف تھا۔ قسطنطنیہ میں ایک سو کے قریب پبلک حمام ہیں۔ کتاب قسطنطنیہ جلد اول و دوم میں ان کا مفصل حال مندرج ہے۔ یہ کتابیں دفتر اخبار وطن

لاہور سے دستیاب ہونگی۔ مترجم)
میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ کہ مجھے ایک حمام میں علم ہوا کہ میرے پیچھے محل کا ایک
جاسوس لگا ہوا ہے۔ ایک رات مجھے پیرا کے ایک پبلک حمام میں چند دوستوں
کے ساتھ جانے کا اتفاق ہوا۔ واضح رہے کہ ترکی میں چند حمام رات کو کھلتے ہیں۔
پس بہت سے نوجوان دن بھر کے کام سے فارغ ہوکر اسوقت ان میں جاتے ہیں اور
وہاں کھاتے پیتے اور ہنسی مذاق کرتے ہیں۔ اور غسل کرنے کے بعد پلنگوں پر جو حمام
کے سرد حصہ میں بچھے ہوتے ہیں۔ آرام کرتے ہیں۔ اس رات میں بڑا خوش خوش
تھا۔ ہماری دوستوں کی پارٹی کے علاوہ حمام میں چند اور اشخاص بھی تھے۔
ایک پستہ قد اور نحیف الاندام شخص گرم کمرہ کے مرکز میں سنگ مرمر کی اونچی نشست
پر میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے میرے ساتھ سلسلہ گفتگو شروع کیا۔ چونکہ
حمام میں لیموں کا رس چوسنے کا عام رواج ہے۔ اس شخص نے مجھے ایک لیموں دیا
وہ بڑا ہنس [illegible]
[illegible] تھا۔ پہلے تو معمولی باتوں پر گفتگو کرتا رہا۔ پھر اچانک ہی خلاف
توقع اپنا سلسلہ کلام دوسری باتوں کیطرف پھیر دیا۔ ملک کے اندرونی حالات
پر مجھ سے ریمارک کرانے میں کامیاب نہ ہوکر اس نے خود ملکی معاملات پر اس
طرح بحث شروع کی۔ جو موجودہ عہد میں خلاف معمول تھی۔ اپنے ملک کے بہت
سے نوجوانوں کیطرح میں بھی جاسوسوں کی طرف سے کھٹکتا تھا۔ پس میں نے
ہر ملکی معاملہ پر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ میں اس قسم کے معاملات میں
کوئی انٹرسٹ ہی نہیں رکھتا۔ معذوری ظاہر کرنے کے باوجود وہ شخص میرے
درپے رہا۔ اور کہا۔ کہ آپ تو یورپینوں سے واقف ہیں۔ آپ ضرور ملکی حالات
سے باخبر ہوں گے۔ اس کے اس ریمارک سے میں تو چونک پڑا۔ وہ میرے
حالات سے کسی قدر آگاہ تھا۔ اگرچہ اس شخص کا رویہ اشتعال انگیز تھا۔ اور
اگرچہ میں جسمانی طاقت میں اس سے زیادہ تھا۔ تاہم میں نے اسکو حمام سے باہر
دھکیلنا اور کھڑاؤں سے مارنا خلاف مصلحت سمجھا۔ کسی محل کے جاسوس
کو مارنا بڑی جان جوکھوں کا کام ہے۔ کیونکہ وہ ہز امپیریل میجسٹی کے مخبر ہوا کرتے ہیں
اگر میں آپے سے باہر ہوکر اس شخص کو مارتا۔ تو ضرور بالضرور کسی پولیٹیکل الزام

میں ماخوذ کیا جا کر جلا وطن کر دیا جاتا۔ اور وہ شخص اپنے آقائے نامدار سے انعام و اکرام پاتا۔

میں نے نیند کا بہانہ کر کے اونگھنا شروع کر دیا۔ تاکہ اس بلا سے چھٹکارا پاؤں۔ مگر مجھے نیند نہ آئی۔ اور میں ساری رات ہی نہ سویا۔ میں نے اپنے ہمراہیوں کو حمام کی سرگذشت نہ سنائی۔

علی الصباح حمام سے روانہ ہوتے ہی میں سیدھا اپنے انگریز دوست کے پاس گیا۔ مجھے غمگین و پیچیدہ خاطر دیکھ کر وہ پوچھنے لگا "کہیوں خیر تو ہے۔ آپ کے مزاج کیسے ہیں؟" میں نے سارا ماجرا سنا کر درخواست کی کہ خدا کے واسطے مجھے اس عینی ملک سے جس طرح ہو نکالیے۔

وہ بوڑھا انگریز جنٹلمین نہایت جوش سے کہنے لگا۔ کہ تم بڑے غدار ہو کہ اپنے ملک کو عینی کر کے پکارتے ہو۔ وہ سچ ہی جانتا تھا کہ میں غدار تھا۔ یہ اس خاندان کا نونہال ہے جس کے فرزندوں نے ملک کی حفاظت میں اپنا لہو پانی ایک کیا ہے۔ صرف میں ہی نہ تھا کہ اپنے ملک کو خیرباد کہنے پر خوش تھا۔ صرف وہ ہزار ہا نوجوان ترک ہیں۔ جو جلا وطنی کی مصیبت یا زندان کے جور و ظلم میں مبتلا ہیں۔ ممالک غیر میں جانے کی کوشش کرتے۔ بلکہ کئی ہزار ملازمان سرکار اگر موقع پائیں۔ تو ایک پل بھی اپنے ملک میں نہ رہیں۔ کوئی فرد بشر نہیں جو جاسوسوں سے امن میں ہو۔ یا امن کے سنگین الزاموں سے بچا ہو۔ یہ لوگ غدار نہیں۔ نہ ہی انقلاب پسند ہیں۔ وہ قانون کے تابع۔ تعلیم سے بہرہ ور۔ وطن کی محبت میں سرشار ہیں۔ اگر انصاف اور ایمانداری سے حکومت کی جائے تو وہ آزاد گورنمنٹ کی کبھی خواہش نہ کریں گے۔ مگر وہ تو ایک شخص کے جور و ظلم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ جس نے ملک کو ان کے لئے نمونہ جہنم بنا رکھا ہے۔

پندرھواں باب

انگلستان کیطرف فراری

ایک تجارتی جہاز پر سوار ہونا۔ چالیس پونڈ کا۔ اہل جہاز۔ گفتگو کرنے میں وقت۔ انگریزی کھانا۔ کافی اور سوڈا جنجر لیٹ۔ انگریزی سپاہی کا پہلا اصول۔ ہل سے لندن کو۔ زنانہ التفات کی ایک مثال۔ زمین کے نیچے غرق ہو گیا۔ آدیا ترکی سفیر سے ملاقات۔ انصاف کا وعدہ بشرطیکہ میں ترکی واپس جاؤں۔

جب میں نے شب گذشتہ کی سرگذشت اپنے انگریز دوست کو سنائی اُس نے وعدہ کیا "میں دیکھوں گا۔ کہ آپ کو ملک سے کس طرح بھیجا جائے۔ اور آپ کو عنقریب بتاؤں گا۔ کہ اس معاملہ میں میں کیا کر سکتا ہوں" چند روز بعد اُس نے مجھے بلا بھیجا۔ میں گیا۔ اُس نے مجھے اطلاع دی کہ "ایک انگریز سیٹھ جس کا تعلق اُن سٹیمروں سے ہے۔ جو باسفورس میں سے ہو کر گذرتے ہیں اور بحیرہ اسود کی بندرگاہوں اور انگلستان کے درمیان تجارتی اسباب لاتے لیجاتے ہیں۔ ایک کپتان کو کہکر آپ کے لئے جہاز پر بندوبست کر دے گا۔ چنانچہ چند دنوں بعد ایسا ہی ہوا۔ میں اس مؤخر الذکر انگریز جنٹلمین کا نام نہیں بتاؤں گا وہ ابھی تک قسطنطنیہ میں ہے۔ اور اُس نے تاکید کی تھی کہ "میرا نام نہ بتلانا۔"

اس وقت میرے پاس صرف چالیس پونڈ تھے۔ ضبط شدہ زمین سے مزید روپیہ ملنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ علاوہ بریں مجھے شرم آتی تھی کہ اپنی ماں سے مزید مدد مانگوں کیونکہ اب میں بڑی [illegible]۔ اور خیال تھا کہ اب میری باری ہے کہ اُسکی مدد کروں۔ اور اُس کو ہر طرح آرام دوں۔ نہ یہ کہ اُس سے اُلٹی مدد مانگوں۔ اور تکلیف دوں۔ میں خیال کرتا ہوں۔ چالیس پونڈ کے بوتے پر سلطنت انگریزی کے دارالخلافہ کیطرف روانہ ہونے میں اُن لوگوں سے بھی بڑھ کر دلیری اور جسارت تھی جو [illegible] یونان سے

ساتھ عیاں آتے ہیں۔ کیونکہ وہ کم از کم انگریزی الاصل یا انگریزی بولنے والے تو ہوتے ہیں۔ اور میرا تو یہ حال تھا۔ کہ ایک مشرقی ملک سے آرہا تھا۔ انگلستان میں نہ کوئی واقف تھا نہ آشنا۔ اور انگریزی زبان سے بالکل بے بہرہ تھا۔

تاہم میں نے اس بات کی چنداں پروا نہ کی۔ کہ میرا حشر کیا ہوگا۔ میں تو اپنے ملک کے ورلا نخلافہ سے انگلستان کیطرف روانہ ہونے میں عجلت اور سرعت کی۔ نولیس۔ میرا خیال تھا کہ انگلستان میں کچھ ہی پیش آئے مگر شخصی آزادی تو قایم رہے گی۔ میرا منشار تھا کہ جب تک ملک کی حالت روبہ اصلاح نہیں ہوتی۔ انگلستان میں ہی رہوں گا۔ اور پھر قسطنطنیہ واپس آ جاؤں گا۔ یا اگر میں انگلستان میں نہ رہ سکا۔ تو انگریزی سیکھ کر مشرق کے انگریزی مقبوضات میں چلا جاؤں گا۔ اور وہاں گویا ایک طرح اپنے گھر میں ہی رہوں گا۔

۲۲ اپریل ۱۹۱۸ء کی صبح تھی کہ مجھے اطلاع ملی۔ کہ ایک انگریزی سٹیمر ابھی ابھی بحر اسود کے روسی بندرگاہ سے پہنچا ہے۔ اور آج ہی قسطنطنیہ سے روانہ ہو جائے گا۔ متذکرہ بالا انگریز جنٹلمین نے میری بابت جہاز کے کپتان کو کہا۔ اور اس نے وعدہ کیا۔ کہ اگر وہ پانچ پونڈ ادا کرے۔ تو سفر میں اسکی ساری ضروریات کا خیال رکھا جائے گا۔ میں دنوں سے کسی انگریزی جہاز کے آمد کی انتظار ہی کر رہا تھا [illegible] تمام کرکے اور سفر کی ضروریات [illegible]

[illegible] جہاز پر پہنچانے کو کہا۔ کیونکہ ایک [illegible] گذر کر ایشیائی ساحل [illegible] کرتے تھے بیٹی پہنچنے کے بعد میں قسطنطنیہ کا گھاٹ [illegible] جہاز تک پہنچا۔ مجھے جہاز کا ٹھکانا [illegible] ملا۔ اور وہاں سے کشتی پر بیٹھکر انگریزی جہاز پر پہنچایا۔ اور وہ پھر دیکھا لے پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ میرے پہلے ایشیائی ساحل کیطرف جانے اور پھر سٹیمر کو واپس آنے کی غرض یہ تھی۔ کہ خفیہ پولیس کے شک اور تعاقب سے محفوظ رہوں۔ کیونکہ میرے پاس کوئی پاسپورٹ (پروانہ راہداری) نہیں تھا اور

نہیں اگر چاہتا تو لے سکتا تھا۔ عثمانی رعایا کے بہت کم افراد کو ممالک غیر کی طرف جانے کے لئے پاسپورٹ دیا جاتا ہے۔ اور وہ بھی خاص خاص حالات میں۔ اعلیٰ محل کی اجازت سے دیا جاتا ہے۔ اگرچہ اُن دنوں میں پولیس مسافروں کے جہازکا نہایت احتیاط سے معائنہ کرتی تھی۔ مگر خوش قسمتی سے اُن تجارتی جہازوں کا اس قدر خیال نہیں کیا جاتا تھا۔ جو یورپ کی بندرگاہوں کیطرف جانے والے ہوتے تھے۔ اگرچہ مجھے تشویش تو بڑی سخت تھی۔ مگر میں بغیر ہی دقت اور تکلیف کے جہاز پر جا پہونچا۔ اور اُس انگریز کو وہاں پہلے ہی موجود پایا۔ اُس نے میری پیٹی میرے حوالے کی۔ کپتان سے میرا تعارف کرایا۔ اور پھر الوداع کہہ کر ساحل کیطرف چل دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جہاز نے لنگر اُٹھایا اور روانہ ہوا۔

اس جہاز پر گندم بار تھے۔ اور اُس کو ہل جاتا تھا۔ کپتان متوسط العمر اور جفاکش معلوم ہوتا تھا۔ جہاز پر اُسکی بیوی اور اُسکی بہن اُس کے ہمراہ تھیں۔ اور مجھ پر بڑی مہربان تھیں۔ ہم بڑے خوش خوش رہتے تھے۔ اور جہاز کا باورچی جو ایک آئرش تھا۔ بڑا زندہ دل شخص تھا۔ خاصکر مجھے اسطرح مخاطب کرتا تھا۔ کہ میں خیال کرتا تھا۔ کہ خوش باش کر رہا ہے۔ پس میں اور دوسرے اہل جہاز خوب قہقہہ مار کر ہنستے تھے۔ مگر بدقسمتی سے میں اُس کا ایک لفظ بھی نہ سمجھتا کہ کیا کہتا ہے۔ میری انگریزی دانی کی کل کائنات یہ تھی کہ چند الفاظ سے زیادہ نہ جانتا تھا۔ وہ مجھ سے جب کبھی بات کرنا چاہتے۔ کاغذ کے ایک ٹکڑے پر لکھ دیتے۔ اور میں بڑی [illegible] کچھ دیر کر اسکا ترجمہ [illegible] زمانہ میں ایشیائے کوچک کے سکولوں میں کسی یورپین زبان کے پڑھانے کا انتظام نہ تھا۔ تاہم میں نے اپنی پیرس کی سکونت کے دوران میں ترکی زبان میں فرنچ گرامر کا مطالعہ کر کے کسی قدر فرنچ زبان سیکھ لی تھی۔ اور میرا خیال تھا کہ اس زبان کے ذریعہ اگرچہ میں جانتا ہوں۔ اہل جہاز سے بات چیت کروں گا۔ مگر لطف یہ ہوا کہ اہل جہاز میں سے کوئی بھی فرنچ نہ جانتا تھا۔ جہاز پر میری بڑی تفریح یہ تھی۔ کہ میں

کپتان کی دو چھوٹی چھوٹی لڑکیوں سے کھیلا کرتا۔ یہ لڑکیاں پاکیزگی صفائی اور صحت کی اعلےٰ نمونہ تھیں۔ اور ایک شخص انگلستان میں ایسے بچے بکثرت دیکھ سکتا ہے۔ ان خوبصورت ننھی موہنی لڑکیوں سے میں دن کے کئی گھنٹے کھیل کر اپنا دل بہلایا کرتا۔ اور ان کو اسطرح خوش رکھنے سے جو میں اپنی دل لگی کی غرض سے کرتا تھا۔ ان کی خوبصورت اور خوش رو ماں بڑی خوش ہوتی اور اس اثنا میں یا تو کسی کتاب کا مطالعہ۔ یا جہاز کے افسروں سے ہنسی ٹھٹھے کرتی رہتی تھی۔ میں ان کی باہمی گفتگو کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔ مگر یہ معلوم کر لیتا تھا۔ کہ وہ اُسکو خوش رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کپتان جو جہاز کا حصہ دار بھی تھا۔ مزے کی زندگی بسر کرنے والا آدمی تھا۔ اور ہم کو بہت عمدہ کھانا دیتا تھا۔ انگریزی کھانا جو میں نے جہاز پر پہلی دفعہ کھایا۔ اُس کھانے سے مختلف معلوم ہوا۔ جو قسطنطنیہ کے بڑے ہوٹلوں میں ملتا تھا۔ ترکی کھانوں سے بھی مختلف تھا۔

اگرچہ میں غیر ممالک میں رہنے کی وجہ سے۔ یورپین کھانوں کا عادی ہو گیا ہوں۔ مگر میں ابھی تک ترکی کھانوں کو نہایت ہی عمدہ اور نفیس خیال کرتا ہوں۔ اگرچہ جہاز کے کھانے سے متعلق مجھے شکایت کی کوئی وجہ نہیں۔ اور وہ انگلستان کے ان کھانوں سے بدرجہا بہتر تھا۔ جو بورڈنگ ہوسٹلوں میں متوسط الحال کنبوں اور مقیموں کو ملتا ہے۔ تاہم میں اس کی دو باتوں کو نہیں پسند کرتا تھا۔ ایک تو کافی جو صبح اور شام کھانے کے ساتھ دی جاتی تھی۔ اور دوسرے سور کا گوشت۔

میرے لیے اس موٹے گوشت کو دیکھ کر سخت بدمزہ ہوتا تھا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ مذہب کی پابندی کے باعث میں اس گوشت کو اپنے سامنے پڑا دیکھ کر ڈرتا تھا۔ ہم میں شراب خواری ایسی ہی ممنوع ہے۔ جیسے کہ سور کا گوشت کھانا۔ مگر میں شراب کی قسم توڑ چکا ہوا تھا۔ اس گوشت سے نفرت کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ بچپن سے ہی یہ بات میرے ذہن نشین کر دی گئی ہے۔ کہ سور انتہائی گندہ اور غلیظ ترین جانور ہے۔ چنانچہ یہ بات ابھی تک میرے

دل سے نہیں نکلتی۔ اور میں سور کو بہ نظر حقارت دیکھتا ہوں۔ حالانکہ مجھے سور خور یورپینوں میں رہتے بستے کئی سال ہو گئے ہیں۔

ہم بہت سے اشخاص جنہوں نے لیوانٹ کی سیر کی ہے۔ ٹرکی کافی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ میرے خیال میں اگر یہاں بھی ترکی طرز میں کافی تیار کیجا ئے۔ تو پسند خاص وعام ہو جائے۔ اگر لیوانٹ کی کافی کیطرح کافی کو مزیدار ولذیذ کرنا منظور ہو۔ تو دانوں کو بھنا تے ہی خوب باریک پیسو۔ پانی کو دیگچی میں ابالو۔ اگر چار پانچ پیالیاں بنانی ہوں۔ تو جب پانی ابلنے لگے۔ اس میں پسی ہوئی کافی کے دو یا تین چمچ ڈالو۔ بعض آدمی کافی میں چینی ڈالنا پسند نہیں کرتے۔ مگر اگر چینی ڈالنا ہو تو اسکو ابلتے ہوئے پانی میں ڈالو۔ اور جب تک وہ اچھی طرح گھل نہ جائے کافی نہ ڈالو۔ زیادہ میٹھی کافی اچھی نہیں ہوتی

جب ابلتے ہوئے پانی میں کافی ڈالو۔ تو دیگچی کو آگ سے اتارلو۔ اور اس کو چمچ سے خوب پانی میں حل کرو۔ اسکو پھر آگ پر رکھدو اور جب تک پانی پر جھاگ نہ آجائے۔ نہ اتارو۔ پھر اسکو پیالی میں ڈالو۔ آہستہ آہستہ ڈالنا زیادہ مناسب ہے۔ دیگچی کو بیچ میں گاہ گاہ آگ پر رکھتے جاؤ۔ اسطرح پیالی میں ڈالنے سے زیادہ جھاگ پیدا ہوگی۔ اور جتنی جھاگ زیادہ پیدا ہوگی۔ اتنا ہی ذائقہ زیادہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ٹرکی میں جب زیادہ لوگوں کے درمیان ایک سینی میں کافی کی بہت سی پیالیاں رکھی جاتی ہیں۔ تو حریص آدمی وہ پیالیاں اٹھاتے ہیں جن میں جھاگ زیادہ ہو۔

پاسفرس سے روانہ ہونے کے گیارہ دن بعد ہم جبرالٹر (جبل الطارق) پہنچے۔ یہاں جہاز کو چند گھنٹوں تک لنگر زن رہنا تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر میں ایک ہسپانوی کشتی پر سوار ہو کر شہر کیطرف روانہ ہوا۔ شہر میں میں نے ایک میوہ کی دوکان دیکھی۔ جس میں ایک بوڑھا عرب سفید عمامہ باندھے بیٹھا ہوا تھا۔ اپنی روانگی کے وقت سے انگریزی زبان نہ جاننے کے سبب میں کسی سے

کی بابت چیت نہ کر سکا تھا۔ اور سب اس بات کو تو جانتے تھے کہ ترکی سپاہی [illegible]
[illegible] بابت چیت [illegible]

[illegible] اس پر [illegible] اور یہ مقام کہ معاملہ کا نام شروع [illegible]
[illegible] انتظام [illegible] چھپا ہوا خیال ہے۔ اس نے [illegible]
[illegible] نہیں ہم [illegible] چاہتے ہیں۔ تاہم جب اُسکو اطمینان ہو گیا
وہ بے تکلف ہو گیا۔ [illegible] سپاہیوں کی نسبت اچھا خیال ظاہر نہ کیا۔ مگر انگریزوں
[illegible] اس شہر [illegible] انگریز سپاہی ہی ہیں۔ وہ قواعد کرتے تھے
[illegible] وردیاں نئی اور پاکیزہ تھیں۔ [illegible] سپاہیوں کی وردیوں سے [illegible]
[illegible] ترکی سپاہیوں کی قطع وضع انگریزوں سے
[illegible] ترکی کے چند سپاہیوں کو جو ادھر ادھر [illegible]
[illegible] دیکھ [illegible] گیا۔ وہ بہت صفائی [illegible]
[illegible] اور مستقل مزاج معلوم ہوتے تھے۔ ان کی بابت یہ تو میں نے پہلے
سنا ہوا تھا کہ برطانیہ عظمیٰ کی بحری طاقت کی دھاک بٹھانے میں انہوں نے
[illegible] کوشش کی ہے۔ مگر اب جوان بہادر ملاحوں کو بچشم خود دیکھا
[illegible] تھا اس سے بڑھ کر پایا۔ جبل الطارق کے دو تین اور مقامات دیکھکر
جہاز کیطرف واپس ہوا۔ اور ایک گھنٹہ بعد وہ انگلستان کیطرف روانہ ہوا۔
ترکی جہاز بڑے آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ چنانچہ یہ جہاز جبل الطارق سے سات
روز بعد [illegible] پہونچا۔

[illegible] کہ ہمارا جہاز بوقت شام [illegible] پہنچا۔ مگر اگلی صبح تک وہ بندر میں داخل
ہو سکا۔ دوسرے دن تڑکے میں جہاز سے اترا۔ اور کپتان کی [illegible]
[illegible] مہربانی اسٹیشن تک میرے ساتھ آئی۔ اور لنڈن کیطرف جانیوالی ٹرین
سوار کرا دیا۔ [illegible] سفر میں [illegible] کی خوبصورتی [illegible] زراعت
[illegible] حالت [illegible] آمد و رفت [illegible] اسٹیشنوں
[illegible] اور [illegible] سب کے سب میرے
لئے ایک عجیب منظر تھے [illegible] ہوتی [illegible]

معلوم کر لیا کہ میں نے سب سے انگلستان اور ایشیائے کوچک کی وسیع کرہ دار ملک
میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مگر اٹھارہویں صدی کا ایک انگریز قبر سے
اٹھکر آ سکے اور کچھ دیکھے۔ جو میں نے اس دن دیکھا۔ تو اپنے ملک کی ترقی پر مشغول
دیکھکر وہ مجھ سے بھی زیادہ متعجب ہوگا۔ ایک بہت بڑے اسٹیشن پر میں نے دریافت
کیا کہ کیا لندن آ گیا۔ ایک جگہ میں نے اپنی بساط کے مطابق چند الفاظ کا جو
میں جانتا تھا۔ ایک فقرہ بنایا۔ اور ایک متوسط العمر اور خوش پوش لیڈی سے
جو میرے سامنے بیٹھی تھی سوال کیا۔ میرے سوال کا مطلب یہ دریافت کرنا تھا کہ آیا
ابھی لندن دور ہے۔ اس لیڈی نے میرا مطلب نہ سمجھا۔ اور اپنا منہ دوسری طرف
پھیر کر کہنے لگی فارینرز (اجنبی) مجھ کو اسکا یہ لفظ خوب یاد ہے۔ مجھے لیڈی کی اس
ناشائستہ حرکت پر سخت افسوس ہوا۔ اس لئے یہ تو بالکل بیہودہ کہنا کہ فارینرز
مگر میں ان فارینرز (اجنبیوں) میں سے نہیں تھا جو اس قدر تنگ خیال ہیں کہ
ایک یا زیادہ افراد کی بدسلوکی سے ناحق ہو کر ساری قوم کو ہی برا بھلا کہنے لگ
جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے اس لیڈی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ میں ترک تھا۔ ورنہ اپنی
جہالت کی غلطی سے مجھ کو ان ترکوں میں سے خیال کرتی جو پستہ قد سیاہ فام اور ذلیل
ہوتے ہیں۔ اور شکل صورت یا عمامہ سر پر رکھتے ہیں۔ اور گاہ گاہ بلاد مشرق سے کسی کسی
گوشہ سے اس ملک میں آ نکلتے ہیں۔ اگر اسکو اس بات کا علم ہو جاتا کہ میں اصلی ترک
اور اس مخصوص قوم کا ممبر ہوں جس کے برخلاف اسکا دل تعصبات سے معمور رہتا ہے تو
میرا خیال ہے کہ وہ غصہ سے اور بھی بدسلوکی کرتی۔

ایک اور بڑا اسٹیشن آیا۔ اور ٹرین کھڑی ہو گئی۔ اور ہر ایک شخص گاڑی سے باہر
نکل آیا۔ میں نے دل میں کہا یہی لندن ہوگا۔ گاڑی کی کھڑکی کے سامنے ایک قلی آیا۔
گاڑی کے اندر اس نے نظر دوڑائی اور پھر میری طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ میں نے اس سے
پوچھا لندن۔ اس نے جواب دیا۔ ہاں لندن۔ میں یہ سن کر گاڑی سے باہر نکلا۔ اور اس نے
میری پیٹی اٹھالی

اب میں کس طرف جا رہا تھا؟ میں اس جگہ کی طرف جا رہا تھا
جس کا نام میری پاکٹ بک میں اڈلیا لکھا تھا۔ چند [illegible]

اسپائنی جنٹلمینوں نے لندن میں قسطنطنیہ کی نمائش کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اور انہوں نے قسطنطنیہ کیطرف ایک ایجنٹ چند ترکوں کو لانے کے لئے بھیجا کہ ملاحوں کا کام کریں گے۔ اور نمائش میں دیگر کام انجام دیں گے۔ یہ ایجنٹ جس کو میں نے قسطنطنیہ دیکھا تھا۔ ایک ترک بھی لانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کیونکہ سلطان کے حکم کے بموجب پولیس کسی ترک کو شہر سے باہر نہیں جانے دیتی۔ لہٰذا اس ایجنٹ نے چند یونانی لڑکے لئے۔ اور چند یہودی اولمپیا میں بھی ضروری سامان کے لئے میرے امانت کرنے اور دیگر خدمات انجام دینے کے لئے آگئے۔ (قدیم یونانیوں میں رواج تھا کہ ہر چار سال کے بعد اپنے قومی کھیلوں کی نمائش کرتے تھے۔ اس چار سال کے عرصہ کو اولمپیاڈ اور جائے نمائش کو اولمپیا کہتے ہیں۔ مترجم)

میرا خیال تھا کہ ان اشخاص میں کوئی ایک کسی میری نمائش کا انتظام کر دیگا میں نے کنگ کراس سٹیشن پر قلی کو کہا "اولمپیا" اُس نے اپنا سر ہلایا۔ اور کہا۔ "وہ ہاں کنسنگٹن" پھر اُس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اور ہم ایک زمین دوز راستہ میں گھس گئے۔ اور اس نے مجھے ایک ٹرین پر بٹھایا۔ میرا خیال ہے۔ یہ ٹرین براہ راست اولمپیا کو جاتی تھی۔ زمین کے نیچے میں اپنا راستہ بھول گیا۔ کئی سٹیشنوں پر اُترا۔ کئی ٹرینیں بدلائیں۔ اور میرا ایک آنہ کرایہ بھرا۔

اب تو شام کا وقت ہو گیا۔ اور ٹرینیں لوگوں سے بھر گئیں۔ میں نے کنسنگٹن کے نام کو جو قلی نے بتلایا تھا۔ کنگسٹن کے نام سے ملا دیا۔ مجھے میرا سٹیشن بیگانہ سے اُترنے اور چڑھنے میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ اور پیٹی کا بوجھ تو اور بھی زحمت دیتا تھا۔ بہت سے لوگ میری اس عجوبانہ حرکت پر ہنستے تھے۔ مگر جو شریف تھے مجھے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ مگر ان کی کوششیں ایسے بے زبان آدمی کو کیا فائدہ پہنچا سکتی تھیں۔ ایک اسٹیشن پر میری فرانسیسی زبان کی واقفیت نے میری مشکل آسان کر دی۔ میں نے ایک لڑکا اجرت پر راستے بتانے کو ساتھ لیا۔ اور آخر ڈسٹ روڈ سٹیشن پر پہنچا۔ اولمپیا کے باہر میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ترکی ٹوپی پہنے ہے۔ اور مجھے جسم کا اتنا ہی لباس کہ میں نے ترکی میں کبھی نہ دیکھا تھا پہنے ہوئے ہے۔ میں نے اس شخص سے ترکی زبان میں گفتگو کی اور اس کے پیچھے

سے معلوم ہوا کہ وہ ترکی یہودی ہے۔ اس شخص کی مدد سے میں نے ایک کمرہ کرایہ پر لیا۔

لندن میں پہنچنے کے دوسرے دن میں نے سلطان کو ایک خط لکھا۔ اور اس میں مفصل طور پر رقم کیا۔ کہ اسکی عدالتوں میں کئی سال تک ضبط شدہ جائداد کے لئے چارہ جوئی کرکے میں اور میرے لواحق برباد ہوگئے ہیں۔ ساتھ ہی التجا کی۔ کہ ایک ایراد (فرمان) جاری کرے اگر سارے حقوق نہیں دیتا ہے۔ تو کم از کم اُس جائداد کی آمدنی تو دلادے۔ جو تنازعہ مقدمہ میں جمع ہوتی رہی ہے۔ اور جس کو اُس کے افسر ہمائی سے دبائے بیٹھے ہیں۔

میں نے اس اپیل میں شاہی فرمانوں اور مقدمہ کی قانونی دستاویزات پیش کر دیں اور اپنے دعوے پر مضبوطی سے قائم رہا۔ پندرہ دن کے بعد جب مجھے عثمانی سفارت گاہ میں بلایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ میری درخواست کا کیا نتیجہ ہوا ہے۔ مرحوم رستم پاشا جو اُس وقت دربار لندن میں ترکی سفیر تھا۔ مجھے میری حیثیت کے خلاف نہایت تندہ پیشانی سے ملا۔ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے۔ جبکہ سلطان کو سخت فکر و تردد دامنگیر ہو رہا تھا۔ کہ اسکی ناراضی رعایا کے افراد یورپ میں انقلابی کمیٹیاں بنا کر سلطنت [illegible] کے لئے شورش بپا کرادیں۔ میں اصلاحیں نافذ کرے [illegible] دارالخلافہ اور ان شخصوں کا تو خاص کر کھٹکا تھا۔ جو برطانیہ عظمیٰ کے [illegible] میں آئے ہوئے تھے۔ کیونکہ اُس زمانہ میں اس ملک کی گورنمنٹ اور سلطان میں دوستانہ تعلقات قائم نہ تھے۔ سفیر نے مجھ سے انگلستان آنے کی غرض و غایت دریافت کی۔ اور میں نے اس کو بتایا کہ محض انگریزی زبان سیکھنے اور بیرونی دنیا کا تجربہ حاصل کرنے آیا ہوں۔ اور یہ بات بعد میں مجھے اپنے ملک میں بڑا فائدہ دے گی۔ میں نے کہا۔ میری بڑی خواہش تو یہ ہے کہ مجھے میرا روپیہ دیا جاوے۔ تاکہ میں بافراغت تعلیم پا سکوں۔ بدتمیز سفیر نے کہا۔ تمہاری غرض پوری ہو جاوے گی۔ اور اگر تم سلطانی خیمہ پر شرمندہ واپس چلے جاؤ۔ تو تمہیں ایک عہدہ دیا جاوے گا۔ اور تمہیں سرمامور کیا جاویگا۔ میں نے اس آخری جملہ کو منظور کرنے سے انکار کیا۔

سولہواں باب

واپسی اور دوبارہ فراری

سلطان کا دربار انگلستان میں عیسائی سفیر مقرر کرنا۔ مجھے واپس جانے کی تاکید۔ وجہ اور صحت کا سوال۔ میں قسطنطنیہ واپس جاتا ہوں۔ یلدز محل میں۔ پرائیوٹ تنخواہ اور عہدہ۔ جاسوسی کرنے کا مشورہ۔ تنبیہ۔ خلاف وزیروں کے سبب فراری کی کوشش۔ میری تجویز۔ انگریزی قونصل خانہ میں اپنے آپ کو ملاح لکھنا۔ جہاز پر بغیر کسی اسباب کے۔ تیرا بحر وعافیت لیورپول پہنچنا۔

بیس دن کے قریب گذرے ہوں گے۔ کہ پھر مجھے سفارت گاہ میں بلایا گیا۔ رستم پاشا نے کہا۔ کہ ہز میجسٹی کی خواہش ہے کہ تم واپس جاؤ۔ اور اس بات کا عملی ثبوت دو۔ کہ تم سلطان کے برخلاف کسی سازش میں شریک نہیں تھے۔ اور اگر تم نے اپنی بے گناہی ثابت کر دی۔ تو تمہیں شاہانہ انعام واکرام سے مالامال کیا جائے گا۔ علاوہ بریں اُس نے یقین دلایا کہ جب میں چاہوں یورپ کی طرف آسکتا ہوں۔ یہ آخر فی الحقیقت میری خودداری کے آگے ایک اپیل تھی۔ اور اگرچہ میں ایک معمولی آدمی تھا۔ مگر اب میں خیال کرنے لگا کہ میں بھی کچھ ہوں۔ بوڑھے ڈپلومیٹ نے اس امر کے منظور کرنے کی پرزور تاکید کی۔ میں نے اسکو کہا۔ اسبات کی کیا ضمانت ہے کہ ٹرکی پہنچنے پر مجھ سے بدسلوکی نہ کی جائے گی۔ اور یہ کہ جب میں چاہوں یورپ آسکونگا۔ اُس نے مجھ سے پختہ وعدہ کیا کہ میری درخواستوں کو شرف قبولیت بخشا جائے گا۔ یہ پاشا عثمانی یورپین تھا۔ مذہب اُس کا رومن کیتھولک تھا اور ایک جنٹلمین مشہور تھا۔ اگر وہ لیونٹ کا دیسی عیسائی ہوتا۔ تو میں اُس کے وعدوں پر کبھی یقین نہ کرتا۔

اس ضمن میں یہ بات بتلانی بے محل نہ ہوگی کہ بہت سالوں سے انگریزی دربار کے لئے ترکی سفیر ترکی رعایا کے عیسائیوں میں سے مقرر کئے جاتے ہیں۔

ہیں۔ سلطان کے متعلقین بیان کرتے ہیں کہ اسکی وجہ یہ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ نے مسلمان سفرا کی تقرری پر اعتراض کیا تھا۔ یہ بات دیدہ دانستہ اس غرض سے پھیلائی ہے۔ کہ مسلمانوں کو خیال پیدا ہوجائے کہ انگریز اسلام کے دشمن ہیں۔ میرے خیال میں اسکی وجہ یہ ہے کہ اس ملک کے بعض اچھے پولیٹشن آئے دن شور مچاتے رہتے ہیں کہ سلطنت عثمانیہ کے اعلےٰ عہدوں پر عیسائی مامور ہونے چاہئیں۔ سلطان ان کو جتلانے کی غرض سے کہ جب وہ ایسے ڈپلومیٹک عہدوں پر عیسائی مقرر کر دیتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے کہ دیگر ذمہ داری کے عہدوں پر نہ کرتا ہو۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ پہلے دربار لنڈن میں مسلمان سفیر مقرر ہوتے رہے ہیں۔ (پہلا ترکی سفیر آغا افندی تھا۔ وہ مسلمان تھا اور ۱۷۹۳ء میں مقرر ہوکر آیا تھا۔

رستم پاشا کے دوسری ملاقات کو پندرہ دن گذر گئے۔ اور اس اثناء میں میں سوچتا رہا کہ اگر واپس گیا تو کیا بنے گی۔ اور اگر لنڈن میں رہوں تو کیا کروں۔ اتنے میں میں بیمار ہوگیا۔ روپیہ ختم ہونے پر آگیا۔ ملازمت ملنے کی کوئی امید نہ تھی اپنے رشتہ داروں سے روپیہ پہنچنے کی کوئی توقع نہ ہوسکتی تھی۔ پس میں نے واپس جانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے خیال کیا۔ اب تو موقع ہے۔ آئندہ خدا جانے کیا ہو۔ چونکہ سلطان مجھے جانتا ہے۔ میں گورنمنٹ سے اپنا روپیہ لے سکتا ہوں اور انگلستان واپس آسکتا ہوں۔ مگر مجھے میرے خیال نے مغالطہ میں ڈالا۔ یہ کام صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کو قضا و قدر نے اس کام کے لئے موزوں بنایا ہو۔ قسطنطنیہ پہنچکر مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی۔ دھوکہ کی ٹٹی میں شکار کرنے میں ماہر جیسا کہ عبدالحمید ہے۔ بھلا آپکو کون دھوکہ دے سکتا ہے۔ جب میں ترکی سفارتگاہ میں گیا اور کہا کہ میں واپس جانے پر تیار ہوں تو سفیر نے قسطنطنیہ تار دیا۔ اور تین دن میں منی آرڈر آگیا۔ تیسرے درجے کی رقم آئی۔ اور مجھکو تاکید کی کہ اورینٹ ایکسپریس کے ٹکٹ کا روپیہ وزیر ... کے ذریعہ اپنے روانہ ہو جاؤں۔ ۵۔ اگست ۱۹۰۹ء کے آغاز میں انگلستان سے روانہ ہوا۔ راستہ میں دو ہفتہ پیرس میں چند یوم لیا لیٹ میں ٹھہرا۔ پیرس آن لوگوں کا صدر

مقام ہے۔ جو ترکوں کے ہم نسل ہیں۔ اور کئی پشتوں تک اُن کے زیر فرمان رہے ہیں۔ جب میں قسطنطنیہ پہنچا تو پولیس افسروں نے نہایت سختی سے پوچھا "تمہارا نام کیا ہے۔ کہاں سے آئے ہو۔ کہاں جاؤ گے؟" میں نے کہا "میں سیدھا شاہی محل کو جاؤں گا"۔ اس پر انہوں نے مجھے سلام کیا۔ اور میں کسی قدر اطمینان کے ساتھ اسٹیشن سے باہر آیا۔

میں بلا کے منہ میں جا رہا تھا۔ اب میں کلی طور پر اُس مطلق العنان بادشاہ کے رحم پر تھا۔ جو اپنی عثمانی رعایا پر اپنے مزاج کے ڈھب سے حکومت کرتا ہے۔ اور میں اُن چند اشخاص میں سے ایک تھا۔ جو اُسکی اصلی تہ کو پہنچ چکے ہیں۔ وہ اُس سے دلی نفرت رکھتے ہیں۔ یلدز محل میں میں خوف اور ڈر سے کانپ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اسی محل میں ہزارہا لوگ ینگ ترک ہونے کی پاداش میں قید کئے گئے۔ ان پر جرح و قدح ہوتی رہی۔ انکو مارا گیا۔ اور پھر جلا وطن کیا گیا۔ شیشے کے محل میں اس فکر میں غوطہ زن تھا کہ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ سلطان کا ایک معتبر درباری فائق بے جو بڑا بدنام ہے ہز مجسٹی کا یہ پیغام لے کر میرے پاس آیا۔ وہ بڑا خوش ہوا کہ میں نے سلطانی احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور اپنے ملک میں اُس ملک سے واپس آگیا۔ جو ترکی کا دشمن ہے اور خلافت کے برخلاف سازش کرتا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ یہ لفظ سلطان کے تھے یا اس درباری کے اپنے۔ سلطان نے مجھے بیس پونڈ بطور جیب خرچ بھیجے۔ اور گھر جا کر آرام کرنے کی اجازت دی۔ یہ ظاہر مہربانی زہر قند کا حکم رکھتی تھی۔ اور خواہ میں کیسا ہی بیوقوف کیوں نہ تھا۔ میں تاڑ گیا۔ یہ اچھا شگون نہیں ہے۔ جب میں محل سے رخصت ہونے لگا درباری نے مجھے حکم دیا کہ "دو لوگوں سے زیادہ خلا ملا نہ کرنا۔ اور جہاں تک ہو سکے علیحدگی اختیار کرنا" پھر کہنے لگا "دو دن کے بعد آکر مجھ سے ملنا"۔ محل سے میں سیدھا کی طرف گیا۔ اور چند کمرے کرایہ پر لئے۔ اب میں اپنے لواحقین اور احباب سے ملتے ہوئے ڈرتا تھا۔ قسطنطنیہ جاتے ہوئے اُن میں سے چند کو ملتا۔ مگر ہم ایک دوسرے کو سلام کر کے جدا ہو جاتے۔ کیونکہ وہ بھی جاسوسوں سے ڈرتے تھے۔ کہ مبادا رپورٹ کر دیں۔ ان کو میرے انگلستان بھاگ جانے کی خبر تھی۔ اور اس لئے مجھ سے ملتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اس تنہائی کی حالت میں رہنا کانٹوں پر لوٹنے سے کم نہیں تھا۔ مگر

میں اپنے احباب اور موافقوں کو مل نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ ایک ظالم نے منع کر رکھا تھا۔ حکم کی تعمیل کرنے کے لئے میں پھر محل کی طرف گیا۔ اور اس چیمبرلین سے ملا۔ اس نے شاہی الطاف و اکرام کا اظہار کرنے کے لئے بیس پونڈ اور دئے۔ اور کہا تمہیں ہر ماہ۔ اتنی رقم بطور پرائیوٹ تنخواہ (وظیفہ) ملا کریگی۔ پھر میرے نزدیک ہو کر دھیمی آواز میں کہنے لگا۔ "ہمارے مولا۔ ہمارے آقا۔ ہز مجسٹی نے مجھے حکم دیا ہے۔ کہ تم کو کہوں کہ اگر تم نے پولیٹکل حالت سے متعلق کوئی بات سنی ہو۔ تو اسکی رپورٹ قلمبند کرو۔"

اس حقیر تجویز کو سنکر میرا کلیجہ منہ کو آنے لگا۔ بیس پونڈ ماہوار تنخواہ دیکر سلطان مجھے محل کا جاسوس بنانا چاہتا تھا۔ اگر میں انکار کرتا۔ تو موت حاضر تھی۔ بس میں نے درباری کو کہا "چونکہ مجھے لوگوں سے ملنے جلنے کی ممانعت تھی۔ میں نے کوئی ضروری بات نہیں سنی"۔ اس نے جواب دیا۔ "یوروپینوں سے ملنے میں کوئی حرج نہیں" اس وقت تو میں اس مکار کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ اپنی گفتگو کا سلسلہ جاری رکھکر اس درباری نے کہا "چونکہ تم قانون کے گریجویٹ ہو۔ وزیر عدلیت عامہ کو حکم دیا جائیگا۔ کہ تمہیں قسطنطنیہ کی عدالتہائے فوجداری کا ڈپٹی پراسیکیوٹر مقرر کردے" میں نے جان بوجھ کر سلطان کے ان وعدوں کا ذکر تک نہ کیا۔ جو اس کے سفیر نے لنڈن میں کئے تھے۔ اور وہ یہ تھے۔ میری جائیداد کی آمدنی میرے حوالے کی جائیگی۔ اور یوروپ واپس آنے کی اجازت دی جائیگی۔ میں نے یوروپ آنے کی خواہش کا اظہار نہ کیا۔ چند دنوں بعد میں ایک خاص شاہی فرمان کے ذریعہ سے ڈپٹی پراسیکیوٹر جنرل مقرر کیا گیا۔ اگر میں انگلستان نہ آیا ہوتا۔ تو مجھے اس سے ادنے اسامی بھی کہیں نہ ملتی۔ خواہ میں مہینوں تک اس کے لئے سر ٹپکتا رہتا۔ سنٹرل عدالتوں میں بارہ سے قریب ڈپٹی اور اسسٹنٹ پراسیکیوٹر (سرکاری وکیل) ہیں۔ اور ان کو [illegible] پونڈ سالانہ ملتے ہیں۔ ان کو چنداں کام نہیں ہوتا۔ چونکہ میرے افسر مجھے محل کا آدمی خیال کرتے تھے۔ وہ مجھے دفتر میں حاضر ہونے پر مجبور نہ کرتے تھے۔ اور میں کچہری جانے کی چنداں پرواہ نہ کرتا تھا۔ میں ہر وقت سلطان کے چنگل سے رہائی پانے کی تجویز میں مصروف رہتا تھا۔

اس وقت میں کہ مجھ پر ہز مجسٹی الطاف شاہانہ مبذول فرما رہے تھے۔ اور

سرکاری عہدہ عنایت فرما رکھا تھا۔ اور محل کی جاسوسی کرانے کے لئے گرانقدر پرائیوٹ تنخواہ مرحمت فرماتے تھے۔ اُن کے جاسوس برابر میری نگرانی کرتے تھے۔ ہر وقت مجھے زیر نظر رکھا جاتا۔ اور باقی جاقورہ (جاسوسوں) میں سے کوئی نہ کوئی میرے ساتھ آکر بات چیت کرتا۔ اور پھر دو تین ملکر میری ضیافت بھی کرتے۔ میں نے اپنے انگریز دوست کو ساری سرگذشت سنائی۔ اُس نے مجھے سخت لعن طعن کیا اور کہا "تم میں ذرا بھی دور اندیشی نہ تھی۔ کہ ترکی میں آگئے۔ اور اگر انگلستان سے چلا ہی آنا تھا۔ تو مصر میں آتے جو ہونا تھا سو ہو لیا۔ اب اُس پر افسوس کرنا فضول ہے" اب میری بڑی خواہش تھی کہ بھاگ جانے کا کوئی موقع ملے۔ میرا دوست کسی ایسے موقع کے ملنے سے مایوس تھا۔ اور اُسکا خیال ٹھیک بھی تھا۔ اُس نے کہا "بہ نسبت سابق اب تمہاری نگرانی زیادہ احتیاط و ہوشیاری سے کی جاتی ہوگی۔

جب صورت حال ایسی تھی۔ ایک صبح ایک سوار قاصد کے ذریعہ میری طلبی محل میں ہوئی جہاں مجھے فی الفور جانا پڑا۔ اور میں نے اُسی درباری سے ملاقات کی۔ جو دو سابقہ موقعوں پر شاہانہ الطاف واکرام کی اطلاع مجھے دے چکا تھا۔ اس دفعہ وہ سرد مہر حتیٰ سا معلوم ہوتا تھا۔ اور میں بیٹھا ہی تھا۔ کہ کہنے لگا "مجھے تعجب ہے تم ہمارے آقائے نامدار حضرت خلافت پناہی کے احسانات کا شکریہ اس طور پر ادا کرتے ہو" جب میں نے دریافت کیا۔ میرا قصور کیا ہے۔ تو اس نے کہا "مجھے رپورٹ موصول ہوئی ہے۔ کہ تم سرکاری راز پیرا کے یوروپینوں کو بتلاتے ہو" اُس نے مجھے رپورٹ دکھائی۔ (جو غالباً کسی جاسوس کی ہوگی) مگر دستخط کو انگوٹھے سے چھپائے رکھا۔ میں نے خط دیکھکر فوراً پہچان لیا۔ یہ کسی کی رپورٹ ہے۔ وہ شخص جس نے مجھے دو دن پیشتر دعوت دی تھی۔ میں اس امر کے متعلق بالکل مطمئن ہو گیا کہ یہ رپورٹ مجھ کو کبھی نہ دکھائی جائے گی۔ اس درباری نے مجھے تنبیہ کی کہ آئندہ سلطان کی گورنمنٹ کے راز اجنبیوں کو کبھی نہ بتانا" اگرچہ اسوقت میری سلامتی محض خطرہ میں تھی۔ تاہم میں نے اپنے حواس کو بجا رکھا۔ اور نہایت دلیرانہ طور پر کہا۔ صرف آپ ہی ایک درباری ہیں۔ جن سے مجھے شرف حاصل ہے کیا آپ مہربانی کر کے بتلا سکتے ہیں۔ کہ آپ نے کون سے راز مجھے بتائے کہ

میں نے پوری مصیبت کو سنایا۔ اُس نے یہ قصہ بہت افسوس سے سنا اور اُس نے [illegible]
دیکھ کر مجھے ایک گونہ تسلی ہوئی۔ ہم دونوں اسی طریق میں ایک دوسرے سے جدا ہونے کو تھے
میں تنگ آ گیا۔ تو اُس نے کہا یاد رکھو۔ تمہاری پرورش و تعلیم [illegible] ان سے اس کا
مطالبہ ان میں پونڈ دینے تھا۔ جو اس نے اس شرط پر کہ میں جا شوق سے جہاں کام کروں۔
دینے کا وعدہ کیا تھا۔

نہایت رنجیدہ و مغموم میں اپنے گھر کی طرف واپس آیا۔ اور ترکی کافی کی ایک چھوٹی
پیالی نوش کی۔ غم کی حالت میں یہ کافی مجھے بڑی فرحت بخش تھی۔ پھر میں نے اپنی
نقدی دیکھی۔ تو معلوم ہوا پچاس پونڈ سے کچھ زیادہ ہیں۔ یہ رقم انگلستان پہنچنے کیلئے
کافی تھی۔ میرے واسطے پہلا مرحلہ تو یہ تھا۔ کہ کوئی کپتان تلاش کروں۔ جو مجھے اپنے
جہاز پر لے جانے کو تیار ہو۔ دوسرا مرحلہ یہ تھا۔ کہ جہاز تک پہنچ جاؤں۔ تو پہلے مجھے
ملاحوں کو تلاش کرنا پڑا تھا۔ کہ آخر [illegible] کوئی جہاز پر لے جائے
تو شاید کامیاب ہو سکے۔ اپنے [illegible] پہنچ [illegible]
میں جا کر کشتی چلایا کروں۔ جو شخص اس مقصد کا خواہش مند ہو [illegible] پہنچ سکتے
ہیں۔ ملتا تو میں کہتا کہ ڈاکٹر نے ہدایت کی ہے جہاں تک ہو سکے سمندر کی ہوا کھایا کرو
اور اس لئے میں روزانہ کشتی پر بیٹھ کر سیر کرتا ہوں۔ کشتی پر ہوا خوری کرنے کا فیصلہ کرنے کے
بعد دوسرے دن میں [illegible] کی کھاڑی پر گیا جہاں ایک ملاح کو آواز دی۔ اور اُس
کو کہا مجھے سیدھا باسفورس کی طرف لے چلو۔ کچھ دیر بعد ملاح نے پوچھا کہ کدھر جانا ہے میں
نے درشت روئی سے کہا سیدھے چلے چلو۔ اور اُس نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ اپنا
سگریٹ سلگانے کیلئے ٹھہرا تو میں نے پوچھا۔ تم دن میں کتنا کما لیتے ہو۔ اُس نے جواب دیا [illegible] اور
دس پیاسٹر کے درمیان کما لیتا ہوں۔ اگر ایک ترکی ملاح دس پیاسٹر (ایک
پیاسٹر [illegible] آنہ کے برابر ہوتا ہے) روزانہ کما لے۔ تو وہ اپنے آپ کو بڑا
خوش قسمت سمجھتا ہے۔ میں نے سمندر کی ہوا خوری کے متعلق ڈاکٹر کی ہدایت کا
تذکرہ اُس سے کیا۔ اور کہا اگر تم کسی اور شخص کو کشتی میں نہ بٹھاؤ۔ اور یہ کشتی
میرے لئے مخصوص کر دو۔ تو میں تمہیں روزانہ دس پیاسٹر دیا کروں گا۔ جیسا کہ مجھے اقبال تھا
وہ جھٹ مان گیا۔ میں ایک ہفتہ تک کشتی پر روزانہ سیر کرتا رہا۔ کبھی تو [illegible] کو جاتا اور کبھی [illegible]

بعض اوقات میں ٹیو فیو کے ساتھ شطرنج کھیلتا تھا۔ اور بعض اوقات کتاب پڑھتا رہتا۔ کبھی کبھی بندرگاہ پر چلا جاتا اور کشتی کو ٹھہرا دیتا اور جہاز دیکھتا رہتا۔ بار بار کر فیصلہ ایرانی ملاحوں کو دیکھتا ... ہر ایک کو جو ملا وہاں میں اس ملاح کو بھی دیا کرتا۔ جس سے وہ بڑا خوش ہو جاتا۔ جو کچھ ہی سی کہتا وہ دل و جان سے کرتا۔ جہاں جاتا کو کہتا وہیں چلا جاتا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ شہر میں بھی جاسوس میرے پیچھے آتے تھے یا نہیں۔ تاہم مجھے خیال تھا کہ میری تاک میں یہاں کوئی نہیں آتا۔ اپنی فراری کی تجویز کا پہلا حصہ مکمل کرنے کے بعد کہ کوئی کشتی والا مجھے جہاز تک پہنچا دے۔ اب میں فراری حصہ کی تکمیل کا فکر کرنے لگا۔ یعنی انگلستان کی طرف روانہ ہونے والے جہاز کی تلاش کرنے لگا۔ میں خود اس کی تمیز نہیں کر سکتا تھا۔ پس میں ایک انگریز کے پاس گیا۔ جو جہازوں کی آمد و رفت پر نظر رکھتا تھا۔ اور جس نے مجھے پہلی دفعہ تاجر قسمت دی تھی اس نے کہا تھا کہ مجھ کو اسی وقت بندرگاہ بالکل سنسان کیجئے۔ ایک مرتبہ آئی جہاز والے ... آج ہی سے پھر کوئی اندر ہو جائے گا۔ ... جانے پر تیار ہوں۔ مگر میں کپتان پر شرط طرح سے پہنچ سکتا ہوں۔ ایک تو یہ کہ اپنے اسباب کی کشتی پر خود لے جائیں اور ... انگریزی جہاز ... کی نگرانی ... جس میں اسباب لے جانے میں ... ہوں یا نہیں ... [illegible] ... بہت سخت تھی۔ اس نے کہا کہ کس جہاز کا کپتان کوئی مسافر جہاز پر نہیں لے جا سکتا۔ لہذا آپ کو انگریزی قونصل خانے میں جا کر کپتان کی کتاب میں اپنے آنے کا اعلام لکھانا پڑے گا۔ ایسا کرنے میں میرا کوئی نقصان تو نہیں تھا کیونکہ مجھے ان کو اطلاع کا کام لینا تھا پڑا ہی تھا۔ مگر عثمانی رعایا کے ایسے فرد کیلئے جس کا چرچا محل کے عہدہ داروں میں ہو چکا ہو۔ انگریزی قونصل خانہ میں جانا مناسب نہیں۔ کیونکہ قونصل خانہ کی نگرانی پر جاسوس مقرر ہیں۔ اور وہ مجھے جانتے ہیں۔ تاہم میں نے دلیری کر ہی دی۔ اور قونصل خانہ میں جا کر اپنا نام اطلاع میں لکھ دیا۔ کپتان نے مجھ کو جہاز پر ... ایک جگہ بتا دی۔ اور کہا کہ جہاز تین گھنٹوں کے بعد لنگر اٹھا لیگا۔ میں ان کمروں کی طرف گیا جہاں میرا اسباب پڑا تھا۔ جس میں میں رہتا تھا۔ وہ جو میرا نوکر تھا۔ انہوں نے میرے لیے بڑی مہربانی کی۔ میرا اسباب ... کر دی۔ ... اس وقت ... اور کہا کہ ہم نہیں دیکھیں گے شاید ... [illegible] ... اور سلطان کی دوستی کا اس طرح چرچا ہو سکتا ہے۔ انگریزی قونصل خانے میں ... جہاز ... کسی جاسوس ... میں ... کی غرض یہ تھی کہ اگر کسی جاسوس نے مجھ کو قونصل خانہ میں جاتے دیکھ بھی لیا ہو تو وہ خیال کریگا میں کسی سرکاری کام سے گیا تھا۔ علاوہ محل کی طرف جا کر ... اور مجھے ... کوئی جاسوس ہو ... پہنچا دیا ...

دوست درباری کے دفتر میں گیا۔ مگر وہ کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ یہ دیکھکر میں بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اگر وہ میرے
آنے کی وجہ دریافت کیا کرتا۔ تو میرے پاس کوئی معقول بہانہ نہ تھا۔ لہذا جلدی سے میں نے ایک اکا گاڑی کرایہ کی اور دریا
ساحل پر پہنچا۔ میرا ملازم ملاح بیکار بیٹھا ہوا انگڑائیاں لے رہا تھا۔ میں کشتی میں کود پڑا۔ اور اسکو جہاز کیطرف
کشتی لیجانے کو کہا۔ اسکو معلوم نہ تھا۔ کہ میں انگلستان جانے پر تیار بیٹھا ہوں۔ جیسا ہم جہاز کے پاس پہونچے میں نے
اپنے ملاح کو کہا۔ یہ خاص قسم کا جہاز معلوم ہوتا ہے۔ اور جہاز کے دود کش تو درمیان میں ہوتے ہیں۔ مگر اسکا پیچھے کیطرف
ہے۔" ملاح کو معلوم تھا کہ یہ مٹی کا تیل لیجانے والا جہاز ہے۔ اسلئے اسکا انجن پیچھے کیطرف ہے۔ میں نے جہاز دیکھنے کا
بہانہ کیا۔ اور سادہ لوح ملاح فوراً اسکی طرف روانہ ہوا۔ میں نہایت آسانی کے ساتھ جہاز پر جا بیٹھا۔ اب میں
گو انگریزی عملداری میں تھا۔ مطلب یہ کہ جہاز انگریزی رعایا کا تھا۔ سلطان بروئے معاہدہ اس میں کسی شخص کو
گرفتار نہیں کر سکتا۔ میں کپتان سے ملاقات کرنے کے بعد میں جہاز کی طرف گیا۔ اور ملاح کو باآواز بلند کہا
چونکہ میں اہل جہاز کی زبان جانتا ہوں۔ انہوں نے اقرار کیا ہے۔ کہ میں کچھ عرصہ ان کے درمیان ٹھیروں
اور ان سے کچھ سیکھا چاہوں۔ اب تمہاری انتظار اور تنخواہ دونوں میں پڑے رہنیکی ضرورت نہیں۔ جب
میں آنا چاہونگا۔ کسی کنارے کی ہوئی کشتی میں سوار ہو لونگا۔ پھر میں نے اسکی طرف اسکی مزدوری اور اجرت پھینکی
وہ چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد ہمیں روانہ ہونا پڑا۔ اگر سلطان اپنے وعدوں پر قائم رہتا۔
اور مجھ سے شریفانہ برتاؤ کرتا۔ تو میں یہ چالیں نہ چلتا۔ میں دوسرے وقت ۱۰ نومبر ۱۸۹۹ء کو قسطنطنیہ
سے روانہ ہوا۔ اور جہاز راستہ میں کسی جگہ ٹھیرے بغیر اٹھارہ دن کے بعد لیورپول پہنچ گیا۔ چونکہ
میں اپنے زائد کپڑے ساتھ نہ لا سکا تھا۔ مجھے راستے میں سردی اور سمندری ہوا سے سخت تکلیف ہوئی
جہاز کے ملاح موٹے خلاق کے آدمی تھے۔ اور جو کپتان بھی چنداں مہذب نہ تھا۔ وہ مجھے بہت برا کھانا
دیتا تھا۔ تاہم میں بخیر و عافیت انگلستان پہنچ گیا۔ اور اسوقت سے اس ملک کو اپنا وطن بنا لیا ہے
اور اب جب کسی ممالک دیگر کی سیاحت کو جاتا ہوں تو ظالم عبدالحمید کے زیر نگرانی کسی علاقہ میں
داخل نہیں ہوتا۔

تمام شد